بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

معالم العرفان

فی

دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق گنج ○ گوجرانوالہ

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

① سُورۃ الاَنفَال (مکمّل)

② سُورۃ التَّوبَۃِ (مکمّل)

جلد : ۹

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دام مجدھم

خطیب جامع مسجد نور

گوجرانوالہ

پاکستان

اکیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ انفال وتوبہ مکمل) جلد ۹

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

مرتب .... الحاج لعل دین رحمہ اللہ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۲۵۰/- (دوسو پچاس روپے)

تاریخ طبع اکیسواں ایڈیشن ..... ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ بمطابق اکتوبر 2013ء

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ صفدریہ 0300-4257988 لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن

جلد : ۹

(نوٹ) الحمد للہ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر ۲۰ ضخیم جلدوں میں مکمل طبع ہوگئی ہے۔ (فیاض)

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ (۸ : ۱)

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ (۹ : ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے عاجز بندوں کو اپنے دین کی اشاعت کے قابل سمجھا اور اُن سے یہ خدمت لی کہ وہ قرآنِ حکیم جیسی عظیم کتاب کو نہایت آسان اور عام فہم پیرائے میں پیش کر سکیں۔ سلسلہ درسِ القرآن کی یہ نویں جلد پیش کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ نیاز خم ہے۔ سبع طِوال یعنی قرآن پاک کی لمبی سورتوں کا سلسلہ اس جلد پر ختم ہو رہا ہے اور پھر آگے سورۃ یُونس سے مثانی کا سلسلہ شروع ہوگا۔

یہ جلد سورۃ انفال اور سورۃ توبہ پر مشتمل ہے۔ اِن دونوں سورتوں کے مضامین آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جن میں سب سے اہم مضمون اسلام کا قانون صلح وجنگ ہے جو دونوں سورتوں میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔ اِن سورتوں میں جہاد کے بڑے بڑے اصول بیان کیے ہیں، البتہ سُورۃ انفال میں غزوہ بدر اور سُورۃ توبہ میں غزوہ تبوک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اِن دونوں سُورتوں کا زمانہ نزول مختلف ہے، تاہم مضامین کی مناسبت کے لحاظ سے ترتیبِ تلاوت میں اِن کو اکٹھا رکھا گیا ہے بلکہ اِن دونوں کے درمیان میں بسم اللہ بھی نہیں لکھی گئی۔ جہاد کے علاوہ دیگر متفرق مضامین بھی اِن دونوں سورتوں میں بیان ہوئے ہیں جن کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔

سُورۃ انفال یہ سُورۃ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اور اِس میں کفر و اسلام کی اِس پہلی جنگ پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اِس سُورۃ میں جہاد بالسیف کی ضرورت

اہمیت اور غایت بیان کی گئی ہے، پھر مالِ غنیمت کی حلت اور اس کی تقسیم کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے اس ضمن میں اپنا احسان جتلایا ہے کہ تعداد کی قلت اور سامانِ ضرب و حرب کی کمی کے باوجود مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور انہیں فتح سے ہمکنار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی پانچ صفات کا ذکر کر کے اِن کے لیے انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ جنگ بدر ہی کے سلسلے منافقین کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر اُن کو ملنے والی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہودیوں کی بار بار کی عہد شکنی کا ذکر بھی اس سُورۃ میں آیا ہے، اس کے باوجود اُن کی طرف سے صلح کی پیش کش پر مثبت ردّ عمل کے اظہار کی ہدایت فرمائی ہے۔ جنگِ بدر ہی کے سلسلے میں پیدا ہونے والے دو بڑے مسائل یعنی مالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر اظہارِ ناپسندیدگی کیا گیا ہے۔ اِس سُورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرتِ مدینہ کا منظر بھی پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کفار کی طرف سے دارالندوۃ میں ہونے والے منصوبہ کا ذِکر بھی ہے۔ بیت اللہ شریف اور عام مساجد کے آداب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تلقین کی گئی ہے اور ان کی خیانت سے منع کیا گیا ہے۔

سُورۃ توبہ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا اور اس کے بعد ۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ اسی سال کے آخر میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کو امیر حج بنایا جن کی قیادت میں مسلمانوں نے حج کا فریضہ ادا کیا۔ اسی دوران سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آئتیں حضرت علیؓ کو دے کر مکے بھیجا تاکہ حج کے موقع پر مشرکین سے بیزاری کا اعلان کر دیا جائے اور انہیں آئندہ سال حج کے لیے آنے سے روک دیا جائے۔ بہرحال اس سُورۃ کے مختلف حصّے ۹ھ میں مختلف اوقات میں نازل ہوئے۔ چنانچہ سُورۃ کی ابتداء میں کفار و مشرکین سے بیزاری کے اعلان کے بعد جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے متعلقہ قوانین کا نزول ہوا ہے۔ اِن احکامات سے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ اس میں غزوہ حنین اور پھر غزوہ تبوک کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ غزوہ تبوک ہی کے سلسلے میں منافقوں کی سازشوں کا حال بیان کیا گیا ہے بعض نے جھوٹے حیلے بہانوں سے جنگ میں شامل ہونے سے معذرت کر لی اور بعض نے واپس

آکر عذر پیش کیے اور اس طرح حضور علیہ السلام سے معافی حاصل کر لی۔ اسی سلسلے میں مخلص مسلمانوں کے دو گروہوں کا ذکر بھی آیا ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے مگر انہوں نے حیلے بہانے بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ ان میں سے سات آدمیوں کے پہلے گروہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا تھا، ان کی توبہ اللہ نے قبول فرمائی۔ تین آدمیوں کا ایک دوسرا گروہ تھا جسے سخت آزمائش میں ڈالا گیا، اُن کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا اور پھر پچاس روز کے بعد اُن کی توبہ قبول فرمائی۔

اس سُورۃ میں یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر بھی ہے۔ ان کے مشائخ اور علماء کی مذمت بیان کی گئی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بھی بیان ہوئے ہیں اور ثعلبہ ابن ابی حاطب کا واقعہ بھی آیا ہے جس نے آسودہ حالی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کرائی مگر جب وہ مالدار ہو گیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اللہ نے منافقوں کا جنازہ پڑھنے اور اُن کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرما دیا ہے اُن کے ساتھ زبانی جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ دیہاتی منافقوں کی خاص طور پر قباحتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر اللہ نے اولین مہاجرین اور انصار کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے لیے انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ اسی سورۃ میں عام مساجد کی حیثیت اور منافقین کی تیار کردہ مسجد ضرار کا ذکر بھی آیا ہے جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو منع فرما دیا اور پھر وہ مسجد جلا دی گئی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق متفرق مسائل اور اُن کی اصلاح کا پروگرام بھی آ گیا ہے اور آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور آپ کے اوصاف جمیلہ کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان بھی آ گیا ہے

یہ جلد ہدیہ قارئین کرتے وقت ہم اُن کے بھی شکر گزار ہیں کہ سلسلہ دروس القرآن میں اُن کی دلچسپی نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے جو اس منصوبے کی رفتار کو تیز کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہے قارئین سے خصوصی دعاؤں کی التماس ہے۔

احقر العباد

(الحاج) لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن لاہور۔ پاکستان

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

سخنہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ :- اَمَّا بَعْدُ

وہ قوم جس نے انسان کو انسانی حقوق سمجھائے، پوری دنیا میں آمروں اور ڈکٹیٹروں کے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ظلم و ذلت سے عملاً نجات دلا کر انسانی حقوق کی دولت سے بہرور کیا، خالقِ حقیقی سے انسان کا تعلق مضبوط کیا، اور اسے اخلاق و کامیابی کے ایسے مقام پر فائز کیا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

لیکن افسوس کہ آج اسی قوم کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے، روح مر چکی ہے اس کی عزت و شہرت خاک میں مل چکی ہے۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر اسے ذلت و رسوائیوں کا سامنا ہے۔ اس کا ماضی انتہائی روشن اور حال انتہائی تاریک ہے اس کے بچے ذلت میں پیدا ہوتے ہیں، ذلت میں ہی نوجوان اور پھر بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں، جہالت و حماقت اس کی امتیازی علامت بن چکی ہے۔ اس کا خون دشمنوں کے لیے اور اُن کے اشاروں پر بہتا ہے، اس کا مال اپنے بجائے دشمنوں کے مفاد میں خرچ ہوتا ہے۔ اس کا ذہن مستعار ہے اس کا مفکر دشمنوں کے میڈیا سے معلومات حاصل کر کے اس کی روشنی میں سوچتا اور پلاننگ کرتا ہے۔

اس عظیم قوم کا اپنے منصبی مشن سے ہٹنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی حقوق کا علم اُن خونخوار یہودی اور صلیبی درندوں نے تھام لیا، جن کا قانون جنگل کے قانون سے زیادہ خطرناک اور ڈکٹیٹر شپ پر مبنی ہے جن کو انسان کہنے سے ہی جبین حیا پسینے سے شرابور ہو جاتی ہے، جن کے ہاتھ انبیاء علیہم السلام کے معصوم خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ جن کے ماضی اور حال میں سوائے ظلم و بربریت اور خونِ ناحق بہانے کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ جن کی وحشیت پر پرائے تو کجا اُن کے اپنے بھی چیخ اٹھتے ہیں۔

آج پوری دُنیا انسانی حقوق سے یکسر محروم ہے، انسانی حقوق کا علَم ان منحوس ہاتھوں میں آنے کا ہی نتیجہ ہے کہ گلی محلے سے لے کر عالمی سطح تک غنڈہ گردی کا راج ہے، اور ہر غنڈہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دندناتا پھرتا ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی رکھوالی وہ کر رہے ہیں جن کی شرارتوں، سازشوں سے تنگ آکر اور ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لَاُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ "میں لازماً یہود نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔" (مسلم ص۹۴ ج۲)

صلیبی ظلم کے سیاہ بادلوں اور یہودی ظلمتوں نے پوری دنیا کو تیرہ و تاریک بنا دیا ہے، اور عالم انسانیت کو قانون فطرت سے ہٹا کر جمہوریت کے پُرفریب جال میں پھنسا دیا ہے، آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ عام انسانی دُنیا شخصی حکومتوں سے اس قدر ہلاکت و بربادی اور بدامنی کا شکار نہیں ہوئی جس قدر اس فریب کارانہ جمہوریت اور ان انسانی حقوق سے ہو رہی ہے، وطنِ عزیز میں تو پوری قوم کے اثاثوں کو چند سرمایہ دار ٹھیکیداروں کے ہاتھ فروخت کرنے کی مکروہ بنیاد رکھ دی گئی ہے

آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا، اس کا ذمہ دار کون ہے، استاذی المحترم حضرت صوفی صاحب دام مجدہم عالمِ انسانیت کو بھیڑیوں کے قبضہ میں دینے والے طبقہ کی نقاب کشائی سورۃ توبہ درس نمبر۱۲ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

"دین کو بگاڑنے والے یا تو بادشاہ ہیں یا پھر بڑے عالم اور بڑے درویش، اگر بادشاہ بگڑیں گے تو معیشت تباہ ہوگی، اگر عالم بگڑیں گے تو دین تباہ ہوگا اور اگر پیر صاحبان بگڑ جائیں گے تو اخلاق تباہ ہو جائے گا، اگر یہ تینوں طبقے بگڑ جائیں تو پھر قوم تنزل کی گہرائیوں میں جا گرے گی۔ چنانچہ یہ بگاڑ ہماری امت میں بھی آچکا ہے مسلمانوں کے اکثر فتنے ان تینوں گروہوں کے پیدا کردہ ہیں۔"

صورت حال بعینہٖ اسی طرح ہے اکثر علمائے دین نے سنن و مستحبات پر فرقہ بندی کر کے پوری صلاحیتیں اور توانائیاں اس پر خرچ کر دی ہیں، یا پھر اپنی ساری کارکردگی کو عقائد کی نشر و اشاعت تک محدود کر دیا ہے، نظام تعلیم، نظام معیشت اور دیگر نظامہائے مملکت کو مکمل طور پر بے دین اور یہود و نصاریٰ کے تربیت یافتہ افراد کے لیے چھوڑ دیا ہے، اکثر پیر صاحبان کی پوری صلاحیتیں

اپنی گدی کے مرید بڑھانے اور اپنے مریدوں کو دوسرے گدی نشینوں کے دست برد سے بچانے پر خرچ ہو رہی ، نتیجہ یہ ہے کہ دُنیا کی اخلاقی تربیت یہودی اور صلیبی کر رہے ہیں۔

بادشاہوں کی غفلت اور خود غرضی سے معیشت کا حال یہ ہے کہ تیل کا اکثر حصہ مسلمان ممالک سے نکلتا ہے لیکن

۱۔ تیل کی دریافت کے لیے صلیبی اور یہودی کمپنیاں منہ مانگی قیمت وصول کرتی ہیں۔

۲۔ تیل کی کھدائی کے آلات ان ممالک کے ہاتھ منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔

۳۔ یہ کمپنیاں جن علاقوں میں کھدائی کا ٹھیکہ لیتی ہیں ان پر اپنی اجارہ داری قائم رکھتی ہیں۔

۴۔ تیل کی صفائی کے مرحلہ پر انتہائی مہنگی مشینری ، فاضل پرزہ جات اور انتہائی اونچی تنخواہ والے انجینئروں کے ذریعہ متعلقہ ممالک کی دولت اکٹھی کر کے یہودی اور صلیبی ممالک کو بھیج دیتی ہیں۔

۵۔ تیل کی نقل و حمل پائپ لائنوں کے ذریعہ ہو تو ان کی تعمیر و ٹیکنالوجی پر ان کی اپنی اجارہ داری ہے اور اگر بحری جہازوں کے ذریعہ ہو تو بھی بڑے بڑے بحری آئل ٹینکر یہودی اور صلیبی کمپنیوں کی اپنی ملکیت ہیں اور منہ مانگا کرایہ وصول کرتی ہیں

۶۔ تیل کی فروخت پر بھی اُن کی مکمل اجارہ داری ہے ، مختلف ممالک میں ان کے پٹرول پمپوں کا جال بچھا ہوا ہے ، کالٹیکس ، برما شیل ، ایسو وغیرہ کا تعلق انہی کمپنیوں سے ہے۔

۷۔ تیل کے کنوؤں کی حفاظت کے لیے فوجی جوانوں ، اسلحہ اور ان کی نقل و حمل کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے بگاڑ سے مسلمانوں کی ملکیت تیل کے منافع کا اکثر و بیشتر حصہ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی بجائے یہودی اور صلیبی درندوں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ وہ اسے دُنیا بھر میں اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل پر خرچ کرتے ہیں۔

دروس القرآن ان بنیادی خامیوں کی نشاندھی ان الفاظ میں کرتا ہے "دنیائے اسلام اسوقت قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ صرف ان سے استفادہ کرنیکی ضرورت ہے ، اقتصادی لحاظ سے دنیا میں تیل کو بہت اہمیت حاصل ہے ، امن میں بھی اس کے بغیر گذارہ نہیں مگر جنگ کی

حالت میں تو تیل ایک مؤثر ہتھیار ہے، مسلمانوں کے پاس یہ چیز وافر مقدار میں موجود ہے، دیگر معدنیات کی بھی کمی نہیں، اس کے باوجود اُن کو دُنیا میں عزت و وقار حاصل نہیں۔ عرب ممالک پچاس ساٹھ سال سے تیل پیدا کر رہے ہیں، مگر اس کے لیے ماہرین ابھی تک امریکہ اور جرمنی سے آتے ہیں۔ آج تک اپنے انجینئر پیدا نہیں کر سکے۔ نقص پڑ جائے تو اسے درست نہیں کر سکتے، اس کے لیے بھی ماہرین درآمد کرنا پڑتے ہیں، خود تعلیم حاصل کریں اور تجربات کریں اور کم از کم اپنے کام میں تو خود کفیل ہو جائیں اور بیرونی ماہرین کو ادا کی جانے والی بڑی بڑی رقمیں بچا سکیں، یہ پستی کی نشانی ہے۔" (سورۃ انفال درس ۱۸)

قرآنی مطالب و تفسیری نکات، صحیح و مربوط واقعات، فقہی مسائل، مذاہبِ باطلہ کے احسن طریق سے ردّ کے علاوہ دورِ حاضر کے اِن پیچیدہ اور گھمبیر مسائل کا منشاء ایزدی کے مطابق حل اور مسلمانوں کی پستی کے اسباب کی سیدھے سادے آسان الفاظ میں نشاندھی یقیناً قارئین دروس القرآن کا امتیاز ہے سورۃ کا موضوع جہاد فی سبیل اللہ، مقصد جہاد، مجاہدین کی جماعت کو منافقین کے ٹولہ اور بنیادی خامیوں سے پاک رکھنا ہے۔ موضوع کی اہمیت، استاذی المحترم مدظلہ کے طرزِ بیان اور فکر ولی اللہی کے گہرے نقوش نے اس جلد کو اب تک طبع ہونیوالی تمام جلدوں سے ممتاز کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں اسلام کا قانون صلح و جنگ، اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول، غزوہ حنین، احد اور غزوہ تبوک کے واقعات، منافقین کی نشاندھی اور ان کی سازشوں کی نقاب کشائی کے علاوہ کفر و شرک کی تردید، توحید خداوندی، رسالت خاتم الانبیاء علیہ السلام اور دیگر انتہائی اہم مسائل کا ذکر بہت اچھے انداز میں موجود ہے۔

آخر میں دِلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن دروس کو صاحبِ درس حضرت صوفی صاحب مدظلہ، انجمن محبانِ اشاعتِ قرآن کے جملہ اراکین و معاونین اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے دیگر تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا والہ اصحابہ اجمعین

فقط محمد اشرف فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفاق المدارس العربیۃ پاکستان

۱۲ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ ۲۷ اپریل ۱۹۹۱ء

سورۃ
الانفال
(مکمل)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا عَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سُورۃ انفال مدنی ہے اور یہ پچھتر ۷۵ آیتیں اور اس میں دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

ترجمہ :- سوال کرتے ہیں آپ سے غنیمت کے بارے میں آپ کہہ دیجئے کہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور درست کرو اپنے درمیان کے معاملات کو۔ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی اگر تم ایمان رکھتے ہو ①

کوائف سورۃ

اس سُورۃ کا نام سُورۃ الانفال ہے۔ جو کہ پہلی ہی آیت سے ماخوذ ہے۔ انفال نفل کی جمع ہے اور اس کا معنی زائد چیز کا ہونا ہے۔ یہ سُورۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں نازل ہوئی جب کہ غزوہ بدر واقع ہوا تھا۔ اس سُورۃ کی پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں۔ یہ سُورۃ ۱۶۳۱ الفاظ اور ۵۲۹۴ حروف پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے سُورۃ اعراف اور سُورۃ انعام مکی سُورتیں تھیں البتہ سُورۃ مائدہ، نساء، آل عمران اور بقرہ مدنی تھیں۔ اسی طرح یہ سُورۃ مبارکہ بھی مدنی ہے۔ اس کے بعد آنے والی سُورۃ توبہ بھی مدنی ہے اور ان دونوں سُورتوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے۔ سُورۃ انفال ہجرت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ سُورۃ توبہ آخری حصہ میں ۹ھ کے بعد نازل ہوئی۔ سُورۃ انفال میں غزوہ بدر کے واقعات کا ذکر ہے جب کہ سُورۃ توبہ

غزوہ تبوک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ تاہم یہ دونوں صورتیں جہاد اور اس کے قوانین سے متعلق ہیں۔

سابقہ سورتوں کے مضامین

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابتدائی سورۃ بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف تھا۔ چنانچہ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سے شروع ہو کر ڈیڑھ پارے تک یہودیوں کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ یہود کے پروگرام کے تحت یہودیوں کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ پانچویں رکوع میں فرمایا وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اے بنی اسرائیل! میری نازل کردہ اس چیز (قرآن) پر ایمان لے آؤ جو اس بات (تورات) کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے۔

اس کے بعد سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو موضوع سخن بنایا ہے، چنانچہ ابتدائے سورۃ سے لے کر آیت نمبر ۸۳ تک عیسائیت کا رد فرمایا ہے اور ان کی اصلاح کا پروگرام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اگر عیسائی شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لیں تو ان کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ فلاح کے حق دار بن جائیں گے، پھر سورۃ نساء اور مائدہ دونوں میں خاص طور پر عرب کے لوگوں کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے۔ ان سورتوں میں عربوں کی خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کا پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ عقیدے اور عمل دونوں قسم کی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور پھر کھانے پینے میں حلال و حرام اور معاشرتی طور پر نکاح طلاق کے متعلق صحیح راستے کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔

سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مجوسیوں کا ذکر فرمایا ہے مجوسیوں کا پایہ تخت ایران تھا اور نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہ لوگ تقریباً آدھی دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ آگ کے یہ پجاری دو معبودوں کو مانتے ہیں ان کے نزدیک یزدان اور اہرمن دو علیحدہ علیحدہ معبود ہیں، جن میں سے ایک خیر

کا اور دوسرا شر کا، یا ایک نور کا اور دوسرا ظلمت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدہ کا رد فرمایا ہے اور ان کی راہِ راست کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے بعد سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کیا ہے اور سب کے سامنے قرآن پاک کی دعوت پیش کی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کر کے انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ بیان فرمائی ہے۔ مختلف انبیاء کی دعوت اور ان کی اقوام کے ردِ عمل کا ذکر کیا ہے اور پھر آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صاف کہلوا دیا ہے "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا" اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ آپ کی دعوت صرف یہود و نصاریٰ یا مجوسی اقوام کے لیے نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور انہیں دینِ حق کو قبول کر لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔

عالمگیر دعوت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس دعوتِ عام میں سے سعادت مند روحیں تو ابتداء میں ہی ایمان قبول کر لیتی ہیں۔ اچھے اور سعادت مند لوگ دعوت کو سنتے ہیں۔ اس کو سمجھتے ہیں اور پھر اسے آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں اکثر ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت شیطان کے پھندے میں گرفتار ہوتی ہے، اور وہ دعوتِ ایمان قبول نہیں کرتی اور اپنے دین پر اڑی رہتی ہے۔ پھر آگے اس کی دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ غلط کار لوگ اپنے راستے پر حسبِ معمول چلتے رہیں اور اہلِ حق سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ اور اس طرح اہلِ ایمان کو بھی اپنے راستے پر چلنے دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اہلِ باطل نہ صرف اپنے غلط پروگرام پر قائم رہیں بلکہ اسے اہلِ حق پر غالب آنے کی کوشش بھی کریں۔ دوسرے لفظوں میں وہ

اہل ایمان کی دعوت کو نہ صرف ٹھکرا دیں بلکہ اُسے مٹانے کے لیے اپنے تمام قویٰ بروئے کار لائیں۔ ان حالات میں اہلِ حق پر کیا فرض عاید ہوتا ہے؟ کیا وہ باطل کی قوت سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور کفر کا راستہ چھوڑ دیں کہ وہ جو چاہیں کرتے رہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ راہِ فرار اختیار نہ کریں بلکہ خاموش ہو جائیں اور گاندھی کی (اہنسا) یا ستیہ گرہ والا فلسفہ اختیار کر لیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مار کھاتے رہیں اور اُس کی زیادتیوں کا جواب تک نہ دیں حتیٰ کہ وہ خود ہی تھک ہار کر بیٹھ جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ باطل پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں اور ایمان کی دعوت کو روکنا چاہتے ہیں ان کا بھرپور مقابلہ کیا جائے اور دین کی دعوت کو غالب کیا جائے یہی تیسری صورت صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو بیان فرمایا ہے۔ اس کے اصول و ضوابط بیان فرمائے ہیں اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی کا نام جہاد ہے اور اسی کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے۔

جہاد کی اہمیت

اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت پوری دنیا میں پہنچ چکی ہے مگر لوگوں کی غالب اکثریت اپنے باطل پروگرام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں بلکہ الٹا اسلام کو مٹانے پر کمربستہ ہے ایسے حالات میں جہاد باللسان سے آگے بڑھ کر جہاد بالسیف ضروری ہو جاتا ہے مکی زندگی میں مسلمانوں کی کمزور حالت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا "كُفُّوٓا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ" (النساء) اپنے ہاتھوں کو روک رکھو اور نماز ادا کرو۔ اس وقت تک ایسی جماعت قائم نہیں ہو سکی تھی، مقابلے کی طاقت نہیں تھی بلکہ بڑی تکالیف کا دور تھا لہٰذا حکم ہوا کہ ابھی تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلے تنظیم پیدا کرو، جماعت بندی کرو، اس کے بعد جہاد بالسیف کی اجازت ہو گی۔ اور پھر آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ مدینے میں جا کر مسلمانوں نے قوت جمع کر لی تو اللہ کا حکم آ گیا "أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا"

(الحج) جن لوگوں پر ظلم کیا گیا انہیں اجازت دے دی گئی کہ وہ تلوار کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کریں "وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ" (الحج) فرمایا اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پہ قدرت رکھتا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ مبارکہ اور اگلی سورۃ توبہ دونوں کا موضوع جہاد ہے۔ اللہ نے اعلان فرما دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دشمنانِ دین کا مقابلہ تیر، تلوار اور نیزے کے ساتھ کیا جائے اور دینِ حق کے خلاف اُن کی تمام سازشیں ناکام بنا کر اُن کی اُمیدیں خاک میں ملا دی جائیں۔

جہاد کی ضرورت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جہاد میں اقدام اور دفاع دونوں فرض ہیں، ضرورت کے وقت تمام نوجوانوں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جہاد میں حصہ لیں۔ کفار پھوڑے کی مانند ہیں، اگر ان کا آپریشن نہ کیا گیا تو یہ پوری انسانی سوسائٹی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ لہٰذا اِن کا قلع قمع ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" (الانفال) ترجمہ: اور تم اُن سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ اس فتنہ سے مراد کفر اور شرک کا غلبہ اور فساد فی الارض ہے مقصد یہ ہے کہ دینِ اسلام کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہ کی جائے اور اسلام کو پوری دُنیا میں پوری طرح غالب کر دیا جائے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام سے لے کر واقعہ صفین تک اسلام کو پچاس سال تک مکمل غلبہ حاصل رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے دینِ اسلام کی گاڑی رُک گئی۔ عالمی حرکت کمزور ہو گئی۔ صفین تک مسلمان پیش قدمی ہی کرتے رہے۔ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو ان سے ٹکر لے سکے۔ لہٰذا اسلامی نظام مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا اور یہی اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا۔

مگر بعد میں مسلمان اپنے عروج کو قائم نہ رکھ سکے۔ اور رو بہ تنزل ہونے لگے۔

جہاد کی غائت

اہلِ اسلام کا نظریہ جہاد کفار سے بالکل مختلف ہے، ان کا مقصد فساد فی الارض ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اغیار کی املاک پر قبضہ کرتے ہیں اور لوگوں کو ناحق قتل کرتے ہیں مسلمانوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ کس طرح "کَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" (التوبۃ) یعنی اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ خدا کے دین کو غلبہ حاصل ہو جائے دنیا میں امن کا دور دورہ ہو اور دعوت ایمانیہ عام ہو جائے اس راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ذروۃ الاسلام الجہاد یعنی اسلام کی کوہان یا بلندی جہاد میں مضمر ہے۔ جہاد کرنے سے فساد مٹتا ہے اور دنیا میں امن قائم ہوتا ہے۔ جب تک فتنہ کی سرکوبی نہ کی جائے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا مگر آج کی دنیا میں بالکل الٹ ہو رہا ہے۔ فتنہ و فساد برپا کرنے والے لوگوں کی عزت افزائی کی جاتی ہے تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ خود فساد کی تائید کے مترادف ہے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ فسادی لوگ پھلتے پھولتے رہیں گے اور کمزور پستے رہیں گے جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ انفال اور توبہ کا موضوع جہاد ہے۔

قانون صلح و جنگ

اور ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا قانونِ صلح و جنگ بیان فرمایا ہے گذشتہ سورۃ اعراف میں ذکر تھا "اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ" یعنی میرا کارساز تو وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے کتاب نازل فرمائی۔ گویا ہمارا پروگرام تو اس کتاب میں ہے اور ہمارا مرنا جینا اسی کے لیے ہے۔ اس راستے میں چلنے والوں کے متعلق فرمایا وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی کارسازی فرماتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ چنانچہ صالحین کی پہلی کارسازی تو یہ فرمائی کہ انہیں قرآن جیسی عظیم کتاب عطا فرما

کہ اُن کی ہدایت کا سامان مہیا کیا۔ پھر جہاد باللسان یعنی زبانی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائی جو کہ دین کا بنیادی اصول ہے۔ اس کے بعد جب جماعت تیار ہو گئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا فَاقْتُلُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنی زبانوں، مال اور جانوں کے ذریعے جہاد کرو۔ کسی کے شکوک و شبہات کو رفع کرنا زبان کا جہاد ہے۔ یہ جہاد تو پہلے گزشتہ سورۃ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوایا کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ دعوت عام ہے۔ اگر مان لو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے ساتھ میدانِ جنگ میں مقابلہ کیا جائے گا۔ تو گویا گزشتہ سورۃ میں جہاد باللسان کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں جہاد بالسیف کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ یہ پہلی سورۃ کے ساتھ ربط بھی ہو گیا۔

جماعتی نظم و ضبط

سورۃ انفال کی اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جماعتی نظم و ضبط اور اُس کی اصلاح کا قانون بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت کے لیے اندرونی نظم و ضبط نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر جماعت خود انتشار کا شکار ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی اہل نہیں ہو گی۔ جس جماعت کے اپنے اندر اختلافات موجود ہوں وہ دوسروں کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جماعتی نظم پر زور دیا ہے سب سے پہلے فکر کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں فکر کی پاکیزگی، اتفاق و اتحاد اور نظم و ضبط کا قانون بیان فرمایا ہے اور پھر اگلی آیت میں جماعت المسلمین کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے انہی صفات کی حامل جماعت آگے چل کر جہاد بالسیف کا فریضہ انجام دے گی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جہاد کا اصل مقصد تو غلبۂ دین ہے۔ جب دین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو مقصد پورا ہو گیا۔ تاہم اس مقصد کی تکمیل کے

ساتھ ساتھ کچھ زائد چیز بھی حاصل ہوتی رہی، یعنی جب دشمن مغلوب ہو جاتا ہے
تو اس کا مال بھی ہاتھ آتا ہے، جسے مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں
میں فاتح قوم کے لیے یہ مال حلال نہیں تھا لہٰذا اس قسم کا سارا مال اکٹھا کر کے
ایک جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ آسمان سے آگ نازل ہوتی جو اسے جلا کر خاک کر
دیتی۔ تاہم اس آخری امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال
قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مالِ غنیمت
پہلی امتوں میں لم تحل لاحد من قبلی یعنی کسی کے لیے حلال
نہیں تھا۔ اللہ نے صرف آخری امت کے لیے حلال کیا ہے۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ پہلی امتوں کے لوگ جسمانی طاقت میں بڑے ہوتے تھے اور
محنت مشقت کر سکتے تھے، لہٰذا ان کے لیے مال غنیمت جائز نہیں
تھا مگر اس امت کے کمزور لوگوں کو اللہ نے یہ رعایت بخشی ہے کہ وہ
اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جو مال دشمن کے ساتھ
جنگ کرنے سے حاصل کیا جائے وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال کسی معاہدہ صلح کے
تحت حاصل ہو جائے اسے فے کہتے ہیں۔ مالِ غنیمت کا حکم تو سورۃ انفال میں
آرہا ہے کہ یہ مال کن مدات پر خرچ ہو سکتا ہے۔ البتہ مالِ فے کا حکم سورۃ حشر
میں بیان ہوا ہے اس قسم کا مال جس میں باغ بھی تھے، بنی قینقاع اور بنی نضیر
کے ساتھ معاہدہ صلح کے تحت مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا۔ بعض اوقات اس
قسم کے معاہدات کے تحت مسلمانوں کو بھی مال خرچ کرنا پڑتا تھا۔ بہرحال
اس سورۃ مبارکہ میں انفال سے بات شروع کی گئی ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا تعلق واقعہ غزوہ بدر سے ہے۔ صحیح روایت میں آتا
ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص نے ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ میں اسے
قتل کر دیا اور اس کی تلوار پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں آکر

عرض کیا کہ میں نے ایک بڑے جری کافر کو مارا ہے اور اس کی تلوار بھی چھین لی ہے، مہربانی کر کے یہ تلوار مجھے ہی عنایت کر دی جائے، جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بھائی یہ مال غنیمت کی چیز ہے اور اسے دینے کا اختیار نہ مجھے ہے نہ تمہیں۔ اس کا حق نہ میرے لیے ہے اور نہ تیرے لیے۔ اس پر حضرت سعدؓ افسردہ خاطر ہو گئے اور خیال کیا کہ شاید یہ تلوار کسی ایسے شخص کے حصے میں آ جائے جو کارکردگی میں میرے برابر نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یہ میرے لیے باعث افسوس ہوگا، چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وضاحت فرما دی کہ مالِ غنیمت پر کس کا حق ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہوئی کہ نوجوان مجاہدین اور معمر غازیان میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہو گیا، نوجوان مجاہد مالِ غنیمت اپنا حق سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے بہادری کے زیادہ جوہر دکھائے تھے۔ دوسری طرف معمر مگر تجربہ کار غازیان تھے جو نوجوانوں کی پشت پر تھے۔ اور انہیں حرب و ضرب کے گر بتلاتے تھے، وہ مالِ غنیمت کے لیے اپنا حق جتلاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مالِ غنیمت کے حقیقی مالک

ارشاد ہوتا ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ اے پیغمبر آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ آپ کہہ دیجیے کہ مالِ غنیمت بنیادی طور پر نہ کسی بوڑھے کا حق ہے نہ جوان کا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اگر اللہ تعالیٰ کی تجلی نازل نہ ہوتی تو مسلمانوں کو کیونکر غلبہ حاصل ہو سکتا تھا؟ آگے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے مسلمانوں کی مدد کی تو انہیں فتح حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس مال کا مالک یقیناً اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس کے بعد اس کا رسول ہے جو حکمِ الٰہی کے تحت اس مال کو تقسیم کرے گا۔ دوسرے معنوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس مال کے مالک افراد نہیں بلکہ اس کی مالک

اسلامی حکومت ہے اور یہ پورا مال STATE PROPERTY ریاست کا مال ہے جس پر بذاتِ خود کوئی مسلمان قبضہ نہیں کر سکتا۔ لہذا مسلمانوں کو آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے اور اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی منشاء پر چھوڑ دینا چاہیئے یاد رہے کہ یہاں پر حکومت سے مراد موجودہ زمانے کی حکومت نہیں ہے جو اپنی مرضی سے انعام واکرام کی بارش ناچنے گانے والوں پر کرنے لگے اور اشاعتِ دین کے لیے ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرے بلکہ یہاں پر اسلامی حکومت سے مراد وہ خلافت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کی صورت میں قائم کی۔ فرمایا یہی اسلامی حکومت مالِ غنیمت کے متعلق فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

صلح جوئی

فرمایا اس معاملہ میں عام مسلمانوں کا فرض یہ ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ اللہ سے ڈر جاؤ اور کوئی ایسی ویسی بات نہ کرو کیونکہ مالِ غنیمت پہ تمہارا ذاتی طور پر کوئی حق نہیں ہے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیار کی رو سے وہ تلوار حضرت سعدؓ کو ہی عطا فرما دی اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب اللہ نے تقسیم غنیمت کا قانون نازل فرما دیا ہے، حقیقی مالک وہی ہے، رسول اس کا نائب ہے، لہذا اس نے اب یہ تلوار تمہیں ہی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے ذمے یہ ہے وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ آپس کے درمیان حالات کی اصلاح کرو تاکہ کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ جب مسلمانوں کا آپس میں تنازعہ ہوگا تو دشمن کو دخیل ہونے کا موقع ملے گا۔ آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے افراد، جماعتیں اور ملک تباہ ہو جاتے ہیں، لہذا آپس میں تنازعہ کو صلح جوئی کے ذریعے طے کر لیا کرو۔ دیکھو! عراق ایران جنگ میں دونوں متحارب فریق مسلمان ہیں، ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ سے کتنی جانیں تلف ہو رہی ہیں اور دو مسلمان ریاستوں کا کتنا زرمبادلہ

نقصان ہو رہا ہے مگر حالات کی درستگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی پچاس سے زیادہ مسلمان ریاستیں ہیں مگر وہ اس تنازعے کا تصفیہ نہیں کرا سکیں۔ اسی سے مسلمانوں کی اجتماعی ذلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو قوم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح نہیں کرا سکتی وہ سورۃ انفال، اعراف اور توبہ میں مذکور بڑے بڑے امور کیسے انجام دے سکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی باہمی عداوت کا نتیجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ انہوں نے دونوں ملکوں کو اسلحے کی منڈی بنا رکھا ہے جہاں ان کا اسلحہ دھڑا دھڑ فروخت ہو رہا ہے اور مسلمان انفرادی اور مالی لحاظ سے کمزور ہو رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے یہاں پر فرمایا ہے کہ آپس میں صلح جوئی قائم کرو۔ سورۃ حجرات میں بھی فرمایا کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں الجھ پڑیں "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا" تو ان کی آپس میں صلح کرا دو۔ اور ان میں جو جماعت آمادہ بر بغاوت ہو اس پر دباؤ ڈال کر صلح پہ آمادہ کرو کہ مسلمانوں کی بربادی کی بنیادی وجہ ان کی آپس کی لڑائی جھگڑا ہی ہے۔

اسلامی نظام حکومت

آگے فرمایا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر مسلمان اس اصول کو اپنا لیتے تو دنیا میں ذلیل و خوار نہ ہوتے مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں سے کوئی امریکہ کا غلام ہے اور کوئی روس کا حامی ہے کوئی سرمایہ داری یا ... میں گرفتار ہے اور کوئی اشتراکیت پر چل رہا ہے کہیں ملوکیت ہے اور کہیں ڈکٹیٹر ... ہمارے ملک کا بھی یہی حال ہے اوپر مارشل لاء کی حکومت ہے اور نیچے مجلس شوریٰ قائم کر رکھی ہے۔ بھلا ایسی شوریٰ کا کیا فائدہ جو مارشل لاء کے تحت ہو صحیح اسلامی شوریٰ تو اختیار ہوتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ) مسلمانوں کے تمام کام تو باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں اور شوریٰ کے رکن اہل اور صائب الرائے لوگ ہوتے

ہیں اور خلیفہ ان کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے بلکہ خود نبی بھی شوریٰ کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ کا اپنے نبی کو حکم ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (آل عمران) اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں "فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ" پھر جب کوئی فیصلہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کرکے اس پر عمل درآمد کردیں۔ مقصد یہ ہے کہ شوریٰ کا مشورہ واجب ہے۔ اور اگر شوریٰ کو کوئی اختیار ہی نہ ہو تو وہ کیا مشورہ دیگی اور اس پر کیا عمل درآمد ہوگا۔ اختیار تو سارا مارشل لاء والے کے ہاتھ میں ہے۔ محض اسلام کا نام استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اب تین قوانین بیک وقت چل رہے ہیں۔ ایک مارشل لاء کا ضابطہ ہے، دوسرا انگریزی قانون ہے اور تیسری شرعی عدالتیں ہیں۔ مگر انگریزی قانون اسلامی فیصلے کو منسوخ کر دیتا ہے۔ کیا فائدہ ہوا؟ اگر اللہ اور رسول کی اطاعت اختیار کی جاتی تو ملک میں ایک ہی اسلامی قانون نافذ ہوتا جو صدر ضیاء پر بھی اسی طرح لاگو ہوتا جیسا ایک عام آدمی پر۔ ملٹری اور پولیس بھی اسی قانون کے ماتحت ہوتی مگر ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے ہمیں کسی معاملے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ جب تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہوگی معاملات درست نہیں ہوسکتے۔

فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ "اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہو تو پھر ایمان کا تقاضا یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہر ہدایات پر چلنا ہوگا۔ ایسے کام کرنے ہوں گے جن سے اللہ راضی ہو اور جو اس کے رسول کو پسند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا نکتہ بیان کردیا ہے اس کے بعد جماعت کی خصوصیات بیان کی جائیں گی کہ نماز پڑھنے والی جماعت کن اوصاف کی حامل ہونی چاہیئے۔ اگلی آیت میں اللہ نے مومنوں کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

قال الملأ ۹ — الانفال ۸

درس دوئم ۲ — آیت ۲ تا ۴

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا
تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُونَ ۝٢ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝٣ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ
دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝٤

ترجمہ:- بیشک ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن پر اُس کی آیتیں تو زیادہ ہوتا ہے اُن کا ایمان اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (۲) وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۳) یہی لوگ ایمان والے ہیں صحیح۔ اُن کے واسطے درجے ہیں اُن کے رب کے ہاں اور بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے (۴)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جماعتی نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے باہمی اختلافات ختم کر کے آپس میں صلح جوئی کی پالیسی اختیار کرنے کی تلقین کی تھی، اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مال غنیمت پر کسی مجاہد یا غازی کا براہ راست کوئی حق نہیں۔ یہ اللہ کی ملکیت ہے جسے اُس کا رسول ہدایتِ الٰہی کے مطابق تصرف میں لاتا ہے اور اُس کو تقسیم کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مرکزی بات یہ فرمائی کہ اللہ اور اُس کے رسول

کی اطاعت کو لازم پکڑو ۔ فرمایا ، اگر ان میں سے کسی معاملہ میں بھی مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہوئی تو دشمن راہ پا کر غلبہ حاصل کرے گا ، لہٰذا مذکورہ ہدایات پر سختی سے کاربند ہو جاؤ ۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ۔ جن کی وجہ سے انہیں دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب ہوگی ۔

مومنین کی صفات
(۱) خوفِ خدا

ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ بیشک ایمان والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں ۔ اہل ایمان کی یہ پہلی صفت ہے کہ خدا کے ذکر سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے ، وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے ۔ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی تو وہ پکڑ لے گا ۔ یہی ایمان کی علامت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے متعلق بھی فرمایا ہے "يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ" (الانبیاء) وہ ہمیں پکارتے ہیں اس رغبت اور اُمید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام و اکرام حاصل ہو ۔ اور ہم سے ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں گرفت نہ ہو جائے ۔ دراصل ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہی ہے ۔ اگر کسی آدمی پر اس قدر خوف طاری ہو جائے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہی ہو جائے تو یہ کفر کی نشانی ہے ۔ اسی طرح کوئی شخص اتنا پُر اُمید ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا خوف ہی دل سے جاتا رہے یہ بھی نافرمانی اور کفر کی علامت ہے ۔ لہٰذا انسان کے دل میں اس کی رحمت کی اُمید اور اس کے عذاب کا خوف دونوں چیزیں موجود ہونی چاہئیں بہرحال مومنوں کی پہلی صفت یہ فرمائی کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری کسی کوتاہی سے ناراض نہ ہو جائے ۔ اہل ایمان کو یہ فکر

ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔

۲۔ ایمانی میں اضافہ

فرمایا اہل ایمان کی دوسری صفت یہ ہے وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ جب اُن پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اُن کے ایمان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایمان میں زیادتی کے متعلق محدثین اور فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حالات کے مطابق ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسر فقہا و محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان تو تصدیق قلبی کا نام ہے۔ جو شخص پورے یقین کے ساتھ اللہ کی وحدانیت، اُس کے انبیاء کی رسالت، اور قیامت پر ایمان لاتا ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، البتہ حالات کے لحاظ سے ایمان کی کیفیت میں فرق ہو سکتا ہے۔ بعض آدمیوں کا ایمان قوی ہوتا ہے اور بعض کا ضعیف۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص تصدیق قلبی کے بعد پورے طریقے سے خدا تعالیٰ کی اطاعت بھی کرتا ہے تو اس کے ایمان کی کیفیت انبیاء کے ایمان کی سی اعلیٰ درجے کی ہو گی۔ برخلاف اس کے جو شخص تصدیق تو کرتا ہے مگر معاصی میں بھی آلودہ ہوتا ہے، اُس کے ایمان کی حالت کامل الایمان لوگوں جیسی تو نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ کہ ایمان میں تصدیق کے اعتبار سے تو کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ نبی اور کامل الایمان آدمی بھی انہی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے جن کی تصدیق ایک عام آدمی کرتا ہے۔ البتہ کیفیت کے اعتبار سے ایک نبی کا ایمان ایک عام امتی کے ایمان سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے بلکہ ان میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انبیاء اور عام آدمیوں کا ایمان برابر ہوتا ہے بہر حال یہ مومنین کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ آیات الٰہی سنتے ہیں تو اُن کے ایمان میں تازگی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسے ایمان

میں زیادتی پر محمول کیا گیا ہے۔

۳۔ توکل علی اللہ
فرمایا اہلِ ایمان کی تیسری صفت یہ ہے وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ
وہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اُن کا اعتماد اسباب کی بجائے
اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
وَكِيْلًا (المزمل) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا کارساز بھی اسی کو پکڑو
کہ اس کے سوا کارساز بھی کوئی نہیں۔ ایمان والے یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی
سبب مؤثر بالذات نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو۔
اللہ چاہے تو کوئی کام بنا دے اور چاہے تو کوئی کام بگاڑ دے۔ اسی لیے
اہلِ ایمان صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں، سرمایہ دار کو اپنے
سرمایہ پر بھروسہ ہوتا ہے، ایک تنومند شخص کو قوتِ بازو پر بھروسہ ہوتا ہے
ہر مادہ پرست اپنے مادہ پر توکل کرتا ہے مگر ایمان والے صرف اللہ تعالیٰ
کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ قرآن پاک میں انبیاء کا یہ بیان موجود ہے
وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا
(ابراہیم) ہم خدا تعالیٰ کی ذات پر کیوں نہ بھروسہ کریں حالانکہ اسی نے ہمیں
سیدھا راستہ بھی دکھایا ہے۔ اور اس پر چلنے کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔
تمام اسباب کا مہیا کرنے والا اور تمام چیزوں پر کنٹرول کرنے والا وہی
ہے، لہٰذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہونا چاہیئے نہ کہ اِن عارضی اور فانی
اسباب پر۔ کامل الایمان لوگوں کی یہ تیسری صفت ہوگئی۔

۴۔ اقامت صلوٰۃ
فرمایا چوتھی صفت یہ ہے اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
کہ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک اہم ترین کام ہے۔ موطا
امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ کا وہ سرکلر موجود ہے جو آپ نے تمام صوبوں
کے حکام کو بھیجا تھا اور جس میں لکھا تھا اِنَّ مِنْ اَهَمِّ اُمُوْرِكُمْ
عِنْدِيْ الصَّلٰوةَ یعنی میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے

لہ موطا امام مالک

اہم کام نماز ہے۔ اس پر خود بھی کاربند رہو اور دوسروں سے بھی پابندی کراؤ۔ مطلب یہ کہ نماز کوئی پرائیویٹ چیز نہیں ہے کہ جس نے چاہا اس کو ادا کر لیا اور جس نے نہ چاہا چھوڑ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ دین کی باقی باتوں کا بھی محافظ ہوگا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ باقی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ثابت ہوگا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست رکھنے کے لیے نماز بہترین ذریعہ ہے جب کسی شخص کا تعلق باللہ درست ہوگا تو وہ مخلوق کے ساتھ تعلق کو بھی درست کرے گا۔ اور وہ حقوق العباد کا بھی پابند ہوگا۔ برخلاف اس کے جس کا تعلق باللہ ٹھیک نہیں ہے اُس کا معاملہ مخلوق کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا، لہٰذا اہل ایمان کے لیے نماز کی پابندی بڑی ضروری ہے۔ یہ اُن کی چوتھی صفت ہے کہ وہ نماز کو ضائع نہیں کرتے۔

نماز باجماعت کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنگل میں اگر تین آدمی بھی موجود ہوں تو وہ نماز باجماعت ادا کریں ورنہ ان پر شیطان چھا جائیگا۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے چالیس آدمیوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تین آدمی بھی کافی ہیں نماز اجتماعیت کا ذریعہ ہے۔ اس میں وقت کی پابندی، طہارت، مساوات اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا درس ملتا ہے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار ہوتا ہے۔ نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور مناجات ہوتی ہے۔ اس میں تلاوتِ قرآن بھی ضروری ہے جس کے ذریعے فلاح کا پروگرام میسر آتا ہے۔ لہٰذا کامل الایمان لوگوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور اُسے ضائع نہیں ہونے دیتے۔

۵۔ انفاق فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو روزی ہم نے انہیں دی ہے۔ وہ اُس

میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اگر صاحب نصاب ہیں تو سب سے پہلے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو کہ فرض ہے۔ البتہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال کے حقوق ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکوٰۃِ یعنی زکوٰۃ کے علاوہ مالی عبادات میں حج اور عمرہ بھی ہے اس کے علاوہ قربانی اور صدقہ فطر واجبات میں سے ہیں۔ اگر کسی صاحب مال آدمی کا کوئی عزیز رشتہ دار نادار ہو تو اس کی اعانت بھی واجب ہو جاتی ہے امام خصافؒ نے کتاب النفقات میں لکھا ہے کہ حنفی قانون کیمطابق صاحب ثروت کے لیے اپنے نادار رشتہ دار کا خرچہ واجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پہ مالی لحاظ سے فضیلت عطا کرتا ہے تو یہ مال ان کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے عطا کردہ مال میں سے غرباء مساکین اور دیگر مستحقین کا حق ادا کیا گیا ہے یا نہیں۔ اللہ نے فرمایا "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ" اگر اللہ نے مال دیا ہے تو قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو" وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا" (بنی اسرائیل) اور فضول خرچی نہ کرو۔ اس کو کھیل تماشے میں صرف نہ کرو۔ رسومات باطلہ اور حرام کاموں میں دولت خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے نَهٰی عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ حضور علیہ السلام نے مال کے ضیاع سے منع فرمایا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہی قباحت ہے۔ کہ مال کمانے والا سمجھتا ہے کہ خرچ کرنا بھی بلا شرکت غیر اسی کا حق ہے۔ لہٰذا وہ جس طرح خرچ کرے حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کمائی کے لیے حلال ذرائع کی شرط عائد کی ہے اسی طرح خرچ کرنے کے لیے بھی جائز امور کا حکم دیا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کو یہی کہا تھا" اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ

اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ہود) کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں مگر اللہ نے فرمایا کہ کامل الایمان وہ لوگ ہیں جو ہمارے عطا کردہ مالوں میں سے ہماری مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں ان اخراجات کی مدات عرض کر دی گئی ہیں۔ یہ پانچویں صفت ہو گئی۔

حقیقی مومن

فرمایا جن لوگوں میں یہ پانچ صفات پائی جائیں گی اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط یہی سچے مومن ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب آیات الٰہی کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر توکل رکھتے ہیں۔ معاملہ تجارت ہو یا زراعت، صلح ہو یا جنگ معیشت ہو یا معاشرت، وہ لوگ کام انجام دے کر نتیجہ ہمیشہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی کامل الایمان لوگ ہیں۔ اور ان صفات کی حامل جماعت سے ہی اسلامی نظام قائم کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہی دنیا میں امن و امان قائم کر سکتے ہیں اور انہیں کی سرکردگی میں انصاف کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آل عمران) اگر تم سچے مومن ہو گے تو دنیا میں بالادستی تمہیں حاصل ہو گی اور جب تمہارے ایمان میں خرابی آ جائیگی تعلق باللہ خراب ہو جائیگا تو دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ عیش پرست اور آرام طلب ہو جاؤ گے یا حریص اور غلام بن جاؤ گے۔ تبھی رخصت ہو جائیگی اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی تمہارے شامل حال ہو جائے گی۔

مومنوں کے لیے انعامات ۱- درجات

آخر میں اللہ تعالیٰ نے کامل الایمان لوگوں کے لیے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کے لیے اُن کے رب کے ہاں درجات ہیں۔ سورۃ احقاف میں ہے "وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا" ہر آدمی کے لیے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہوں گے۔ درجات میں تفاوت اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ ایمان جنت کے دروازے کی چابی ہے۔ ایمان ہوگا تو جنت کا دروازہ کھل جائے گا، مگر وہاں یہ درجات عمل کے اعتبار سے حاصل ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے، جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ ایک دوسرے سے اتنا بلند ہے جتنا آسمان زمین سے۔ غرضیکہ اہل ایمان کے لیے اپنی اپنی حیثیت، خلوص اور کارگزاری کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہوں گے۔

۲- مغفرت

فرمایا مومنین کے لیے دوسرا انعام وَمَغْفِرَةٌ اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوگی۔ دنیا میں جو کوتاہی، لغزش یا خطا ہوگئی تھی اس کی معافی مل جائے گی یہ بھی بہت بڑا انعام ہے، اسی لیے اللہ نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی زبان سے کہلوایا کہ مولا کریم ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا "وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (اعراف) اگر تو ہماری غلطیوں کو معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ دنیا میں انسانوں سے بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوں گی۔ مگر کامل الایمان لوگوں کو معافی مل جائیگی۔

۳- باعزت روزی

فرمایا تیسرا انعام یہ ہے وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ اہل ایمان کو باعزت روزی نصیب ہوگی۔ رزق کریم آخرت میں تو یقیناً میسر ہوگا اور اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ یہ کتنا بڑا انعام ہوگا۔ مگر اس

دنیا میں بھی اطاعت کے ساتھ رزق حلال نصیب ہو جائے، تو اس سے
بلند کوئی روزی نہیں۔ جو کچھ معصیت کے ساتھ ملتا ہے وہ باعزت رزق
نہیں بلکہ ذلت کی روزی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان کو اختیار کرے گا۔
حلال ذرائع معاش اختیار کرے گا اُسے حلال روزی نصیب ہوگی اور وہ صحیح
معنوں میں اس کا حقدار ہوگا۔

یہاں یہ عزت کا لفظ بتلا رہا ہے کہ گداگری چونکہ عزت کی روزی نہیں
ہے لہٰذا یہ انسانیت کی تذلیل ہے اَلْخُبْزُ بِالْكَرَامَةِ یعنی عزت
کی روزی ہر آدمی کو ملنی چاہیے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ بیشتر لوگ
خود ذلیل روزی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ فلم انڈسٹری اور گانا بجانا وغیرہ
عزت کی روزی نہیں بلکہ تعیش ہے۔ عزت کی روزی وہ ہے جس
میں انسان کے لیے تسکین اور بہتری ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان
اس دنیا میں حلال ذرائع سے روزی اختیار کرے تاکہ اُسے اس دنیا میں
بھی اور آخرت میں بھی رزقِ کریم میسر آسکے۔ لفظ کریم میں یہ راز پوشیدہ
ہے کہ وہ کونسا راستہ ہے جسے اختیار کر کے مسلمانوں کو باعزت روزی نصیب
ہو سکتی ہے اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم تو انگریز، امریکہ
روس اور دہریوں کے نظام معیشت پر چل رہے ہیں۔ اللہ کا عطا کردہ وہ
پروگرام ہماری سمجھ میں نہیں آتا جو رزقِ کریم کا ذریعہ بن سکے۔ اس ایک
لفظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے علاوہ
تمام نظام باطل ہیں، کسی میں حلال روزی نہیں ہے۔ ہر صاحب ایمان
اپنے ایمان کی وجہ سے صاحب عزت ہے۔ مال و دولت عزت نہیں
بلکہ نفاق ہے۔ لوگ بڑے آدمی کے شر سے بچنے کے لیے اُسے سلام
کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی عزت کے قابل وہ شخص ہے جسے ایمان کی
دولت حاصل ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اُس کے کامل الایمان بندوں

کا تیسرا انعام یہ ہے کہ انہیں باعزت روزی نصیب ہوتی ہے ۔ وہ دنیا میں بھی رزقِ حلال سے مستفید ہوتے ہیں اور آخرت میں تو بہت بڑے انعامات کے حقدار ہوں گے ۔

گداگری حرام ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ گداگری چونکہ عزت کی روزی نہیں ہے، اس لیے ہمارے دین میں یہ حرام ہے ۔ یہ بھی چوری اور ڈاکے کی طرح مضر پیشہ ہے ۔ مگر ہماری حکومت اس پر قابو پانے سے قاصر ہے ۔ انسداد گداگری کے آرڈیننس تجویز ہوتے ہیں مگر نافذ العمل نہیں ہو پاتے ۔ نظام زکواۃ کے نفاذ سے گداگری کے انسداد کی امید پیدا ہوئی تھی مگر اس مذموم پیشے پر قابو نہیں پایا جاسکا ۔ یورپ کے اکثر ممالک میں بیکاری الاونس ملتا ہے ۔ جس کی وجہ سے وہاں گداگری نہیں ہے ۔ یہ کام تو مسلمانوں کا ورثہ تھا جسے دوسروں نے اپنا لیا ہے مگر ہم اس لعنت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے ۔ اس کا خاتمہ قرآنی پروگرام سے ہی ممکن ہے ورنہ ذلت سے جان نہیں چھوٹ سکتی ۔

---

۱ حجۃ اللہ البالغہ ص۴۳ ج ۱ (فیاض)

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّ فَرِيۡقًا
مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَـكٰرِهُوۡنَ ۝٥ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ
بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ
وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ۝٦ وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ
اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ
لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ
يَقۡطَعَ دَابِرَ الۡـكٰفِرِيۡنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الۡحَـقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ
وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝٨

ترجمہ:۔ جس طرح کہ نکالا تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ اور بیشک ایک گروہ ایمان والوں میں سے اسکو ناپسند کرتا تھا ⑤ وہ جھگڑتے ہیں آپ کے ساتھ حق بات میں بعد اس کے کہ بات واضح ہو چکی ہے گویا کہ وہ چلائے جا رہے ہیں موت کی طرف اور وہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں ⑥ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب وعدہ کیا تمہارے ساتھ اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گا، اور تم پسند کرتے تھے کہ جو کانٹے والا نہ ہو وہ تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ثابت کر دے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ اور کاٹ دے جڑ کافروں کی ⑦ تاکہ ثابت کر دے حق کو اور باطل کر دے

باطل کو اگرچہ مجرم ناپسند کرتے ہیں ⑧

ربط آیات

اس سورۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جماعت کے نظم و ضبط کا قانون بیان فرمایا۔ پھر کامل الایمان لوگوں کی پانچ صفات کا ذکر کیا اور آخر میں اُن انعامات کا ذکر کیا جو اُن کو ملنے والے ہیں۔ یہ تین انعامات درجات کی بلندی، گناہوں کی معافی اور باعزت روزی ہیں۔ آج کا درس بھی اسی آیت کے ساتھ مربوط ہے کہ یہ انعامات اسی طرح یقینی ہیں جس طرح اے پیغمبر! آپ کو آپ کے پروردگار نے مدینے سے نکال کر فتح سے ہمکنار کیا یعنی جنگِ بدر میں کامیابی عطا فرمائی۔

"کما" بطور تشبیہ

آج کا درس لفظ کما سے شروع ہو رہا ہے جس کا معنیٰ "جس طرح" ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پہ یہ لفظ تشبیہ کے طور پر آیا ہے۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ بدر کے لیے بے سروسامانی کی حالت میں نکالا تھا پھر فتح سے ہمکنار کیا، جس طرح یہ بات برحق ہے، اسی طرح مالِ غنیمت کی تقسیم بھی اللہ کے حکم کے مطابق آپ کے ذمے حق ہے۔ پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق بعض مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ نوجوان مجاہد اس پہ اپنا حق جتاتے تھے اور عمر رسیدہ غازیان اپنا حق فائق سمجھتے تھے اور پھر دونوں فریق اپنی اپنی مرضی کی تقسیم چاہتے تھے، پھر اللہ نے یہ فیصلہ نازل کیا کہ مالِ غنیمت پر کسی کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کا حق ہے جس نے اسباب پیدا فرما کر تمہیں فتح دلائی اور مال دیا، اب اس مال کی تقسیم بھی اللہ ہی کا حق ہے جو اپنے نبی کی معرفت طے حق کے ساتھ تقسیم کر دیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنگِ بدر کے لیے روانگی کے وقت سے تشبیہ دی ہے کہ جب تمہیں مدینہ طیبہ سے اس مہم پر تمہارے گھروں سے نکالا تو اُس وقت بھی اہل ایمان کے دو گروہ بن گئے تھے جن میں سے ایک گروہ بے سروسامانی کی حالت میں جنگ کو ناپسند کرتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اسی بے سروسامانی کی حالت میں ہی دشمن پر غالب کرنا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر

دیا، مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مالِ غنیمت بھی دلایا۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا کہ مالِ غنیمت کے معاملہ میں اِمۡضِ کَمَآ اَمَرَکَ اللّٰہُ جس طرح اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے، اس کے مطابق چل پڑیں اور تقسیم کر دیں۔ اس میں کسی فریق کی پسند یا ناپسند کا خیال نہ کریں۔ اس طرح گویا گھر سے نکلنے کو مالِ غنیمت کے ساتھ تشبیہ ہو گئی۔

"کما" بطور علت

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر کما بطور سبب یا علت کے آیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مالِ غنیمت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور حکم ہی جاری ہونا بہتر اور اُس کی حکمت کے مطابق ہے کیونکہ آپ کو گھر سے نکالنا ہی مالِ غنیمت کے حصول کا ذریعہ بنا۔ جب مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو اس وقت تو جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ بعد میں حالات کے تقاضے کے مطابق اہلِ ایمان کو کفار کے بالمقابل صف آراء ہونا پڑا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے۔ آپ کو میدانِ جنگ میں لا کھڑا کیا اور پھر مالِ غنیمت بھی دیا تو اب تقسیم بھی اُسی کے حکم کے مطابق کریں اور لوگوں کی ذاتی آراء کی پرواہ نہ کریں کیونکہ تمہارا گھروں سے نکالنا ہی تو مالِ غنیمت کا سبب بنا حالانکہ تم میں سے ایک گروہ لڑائی پر آمادہ ہی نہیں تھا۔

غزوہ بدر کا پس منظر

ارشاد ہوتا ہے کَمَآ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ بِالۡحَقِّ جس طرح نکالا آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ۔ یہاں پر مفسرین نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں مگر واضح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان کو گھروں سے نکالنا، دشمنوں سے ٹکرانا اور پھر فتح دلانا اُس کی تدبیر اور مصلحت کے مطابق تھا۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ مکی زندگی میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کفار کے ہاتھوں بڑی تکالیف اٹھاتے تھے چونکہ اس وقت ابھی تک

تنظیم نہیں تھی۔ اس لیے جہاد کا حکم بھی نہیں تھا اور اللہ کا حکم یہی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ پھر جب مدنی زندگی میں آکر مسلمانوں نے قوت جمع کر لی تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت دے دی۔ پھر صرف اپنا دفاع کرنے کا حکم ہوا بلکہ آگے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگانے کی بھی اجازت مل گئی۔ غزوہ بدر کا واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔ اس واقعے سے پہلے بھی کفار کے ساتھ چند ایک معمولی جھڑپیں ہو چکی تھیں جن میں سے امام بخاریؒ نے ذات العُشَیرَہ کے غزوہ کا ذکر بھی کیا ہے مگر سب سے پہلے بڑا معرکہ بدر میں ہی پیش آیا۔

اہل اسلام کی مدینہ میں ہجرت کے بعد بھی مشرکین مکہ کی اسلام دشمنی میں کمی نہ آئی تھی بلکہ وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس سے پہلے جب کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو اس موقع پر بھی کفار نے اپنے آدمی شاہ حبشہ کے پاس بھیج کر اُسے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی، تحفے تحائف بھی بھیجے مگر اُن کی دال نہ گلی۔ اسی طرح وہ اہل مدینہ کو بھی ہراساں کرتے رہتے تھے کہ تم نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے لہٰذا ہم مسلمانوں کے ساتھ تمہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے۔ کفار مکہ نے یہودیوں کے ساتھ مل کر بھی مسلمانوں کے خلاف کئی ایک سازشیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال مشرکین اہل اسلام کو مدینہ میں سکون و چین کی زندگی نہیں بسر کرنے دیتے تھے بلکہ ہر وقت ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے۔

مشرکین کا تجارتی قافلہ

ان حالات میں مسلمان بھی اپنے دفاع اور کفار پر ضرب لگانے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ مکے کے تاجر پیشہ لوگوں کا معمول تھا کہ وہ سردی کے موسم میں یمن جیسے گرم علاقے کی طرف تجارت کے

لیے جاتے تھے اور گرمیوں میں شام و فلسطین جیسے سرد علاقوں کا سفر اختیار کرتے تھے۔ اس دوران مشرکین مکہ نے پچاس ہزار دینار کے تجارتی سامان کے ساتھ اپنا ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کیا۔ یہ قافلہ ڈیڑھ سو اونٹوں پر مشتمل تھا جس کی نگرانی کے لیے ابوسفیان اور عمرو ابن العاص کی نگرانی میں چالیس آدمی ہمراہ تھے۔ قافلہ روانہ کرتے وقت مشرکین نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس قافلے کا سارا منافع مسلمانوں کے خلاف تیاری پر خرچ کیا جائے گا۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس مکہ کی طرف آ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دی۔ آپ نے مدینے کے مسلمانوں کو جمع کیا اور اس خبر سے باخبر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس قافلے کا سارا منافع تمہارے خلاف استعمال ہونے والا ہے، لہٰذا یہ طے پایا کہ اس قافلے کا تعاقب کیا جائے اور پیشتر اس کے کہ یہ مکہ پہنچ کر ہمارے خلاف استعمال ہو، اسے راستے ہی میں پکڑ لیا جائے۔ چونکہ اس موقع پر کفار کے ساتھ کسی جنگ کا پروگرام نہیں تھا لہٰذا مسلمان سامانِ حرب کے بغیر ہی قافلے کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، اس مہم میں سب کا شریک ہونا بھی ضروری نہیں تھا لہٰذا جتنے آدمی بھی جا سکے روانہ ہو گئے، اس کے لیے زور نہ دیا گیا۔

ادھر قافلے والے بھی چوکنا تھے۔ انہوں نے بھی جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ ان کو اطلاع مل گئی کہ مسلمان ان کے قافلہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں چنانچہ ابوسفیان نے ایک تیز رفتار اونٹنی سوار مدد کے لیے مکے بھیجا۔ اس نے عربوں کے دستور کے مطابق اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیے، کجاوہ الٹا رکھ دیا اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ دیے وہ لوگ سخت خطرے کے وقت ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان کا قاصد جب اس حال

میں مکہ پہنچا تو وہاں ہلچل مچ گئی ابوجہل نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کیا کہ مسلمان تمہارے تجارتی قافلے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس طرح مسلمانوں سے مقابلے اور قافلے کی مدد کے لیے مکے میں زور و شور سے تیاری شروع ہو گئی

عاتکہ کا خواب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار پھوپھیاں تھیں۔ اِن میں سے حضرت صفیہؓ تو بالیقین ایمان لے آئیں مگر دو کفر کی حالت میں ہی مریں۔ عاتکہ کے متعلق دونوں قسم کی روایات ہیں مگر زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ بھی ایمان لے آئی تھیں۔ جن دنوں مکہ میں مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی، عاتکہ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا ہے۔ اُس نے پہاڑ سے ایک پتھر لے کر اس طریقے سے مارا ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مکے کے ہر گھر میں ایک ایک ٹکڑا گرا ہے اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباسؓ کے سامنے بیان کیا جنہوں نے آگے دوسروں کو بتایا تو اس خواب کا عام چرچا ہو گیا۔ اس پر ابوجہل کو بڑا غصہ آیا کہنے لگا پہلے اِس خاندان کے مرد نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اب عورتیں بھی مدعی بن رہی ہیں۔ یہ سب فضول ہے، کسی وہم میں مبتلا نہ ہو مسلمانوں کے خلاف نکل کھڑے ہو۔ اس طرح اُس نے اپنے آدمیوں کو زبردستی ساتھ ملا لیا۔

اسلامی لشکر کی روانگی

اُدھر اللہ کا نبی ۳۱۳ یا ۳۱۹ کی جمعیت کے ساتھ تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکلا۔ جب وادیِ ذفران میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور علیہ السلام کو حالات سے باخبر کر دیا۔ قافلے والوں کو مسلمانوں کی تیاری کی خبر پہنچ چکی تھی، انہوں نے معروف راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کر لیا۔ جو کہ اگرچہ قدرے دراز تھا مگر نسبتاً محفوظ تھا۔ اُدھر ابوجہل بھی مشرکین مکہ کے لشکر کے ساتھ نکلا۔ اُس کا مقصد تو تجارتی قافلے

کی حفاظت تھا مگر جب وہ بدر کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں کی جماعت وادی ذفران میں پہنچ چکی تھی۔ جب مسلمانوں کو خبر ملی کہ قافلہ ساحل سمندر کی طرف ہو گیا ہے اور ابوجہل مکے سے کمک لے کر چل نکلا ہے تو حضور علیہ السلام نے اس مقام پر صحابہ کرامؓ سے آئندہ پروگرام کے لیے مشورہ فرمایا اور ساتھ ہی اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دے دی کہ دو باتوں میں سے ایک ضرور تمہیں حاصل ہو گی۔ یا تو قافلہ تمہارے ہاتھ آ جائے گا یا تمہیں میدانِ جنگ میں فتح حاصل ہو گی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ تو حضور علیہ السلام کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو تیار تھے مگر انصار صحابہؓ کی رائے کچھ مختلف تھی۔ وہ جنگ کے ارادے سے تو نکلے نہیں تھے، آدمی بھی تھوڑے تھے اور اسلحہ بھی ہمراہ نہ تھا، لہٰذا اُن کی رائے یہ تھی جنگ کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔ اور اس کی بجائے تجارتی قافلے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اُس کی حفاظت کے لیے چالیس آدمی تھے جنہیں آسانی کے ساتھ مغلوب کیا جا سکتا ہے۔

مشورہ اور حتمی فیصلہ

بہرحال جب حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا تو بعض نے تصدیق کی اور بعض خاموش رہے۔ آپ بار بار فرماتے تھے کہ اس معاملہ میں مشورہ دو۔ اسی موقع پر حضرت مقداد بن عمروؓ جو مہاجرین میں سے تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا، حضور! آپ جس طرح حکم دیں گے، ہم کر گزریں گے۔ آپ کے ایک اشارے پر ہم خشکی اور سمندر میں ہر جگہ جانے کو تیار ہیں اور ہر مشکل سے مشکل مقام میں گھس جائیں گے۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے "فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ" (المائدہ) یعنی تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ ہم تو اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔ آپ نے اس پیشکش کی ستائش فرمائی۔

اس کے بعد پھر فرمایا، لوگو! مشورہ دو۔ آپ کا روئے سخن انصارِ مدینہ کیطرف تھا، اس پر حضرت سعد بن معاذؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے تقاریر کیں اور عرض کیا، حضور! ہم آپ کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کریں گے۔ آپ کے اشارے پر ہم عدن ابین تک جانے کو تیار ہیں جو کہ مکہ سے بہت دُور ہے۔ حضور علیہ السلام انصارِ مدینہ کی طرف سے بھی مطمئن ہو گئے اور اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا سِیۡرُوۡا عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ چلو اللہ کی برکت سے یعنی بدر کی طرف چلو جہاں ابُوجہل اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ اسی سورۃ میں ساری تفصیلات آرہی ہیں کہ مشرکین نے بدر کے مقام پر پہنچ کر اچھی جگہ پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا، تاہم بڑے گھمسان کا معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصرت عطا کی، پوری دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور اس طرح اہل ایمان کا غلبہ شروع ہو گیا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اُس کی تدبیر اور مشیت میں کافروں کو مغلوب کرنا تھا حالانکہ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِهُوۡنَ اہل ایمان میں سے ایک گروہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ بے سروسامانی کی حالت میں جنگ کیسے کر سکیں گے۔ بعض کہتے تھے کہ جنگ کی بجائے قافلے کا تعاقب کرنا چاہیئے۔ یُجَادِلُوۡنَكَ فِی الۡحَقِّ وہ حق بات میں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ اس کے بعد کہ بات واضح ہو چکی ہے۔ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ گویا کہ وہ چلائے جا رہے ہیں موت کی طرف وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دونوں میں سے ایک فائدہ ضرور تم کو حاصل ہو گا۔ یا تو قافلہ ہاتھ آئے گا یا جنگ میں فتح ہو گی

اس کے باوجود انہیں میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے موت نظر آ رہی تھی۔

اللہ کا وعدہ

فرمایا وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ کہ دو گروہوں میں سے ایک ضرور تمہارا ہے۔ یعنی تجارتی مال ملے گا یا فتح حاصل ہوگی۔ فرمایا اس کے باوجود وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ تم پسند کرتے تھے کہ ایسی چیز حاصل ہو جس میں کانٹا نہ لگے۔ یعنی تمہیں قافلے کا مال مل جائے اور جنگ کی مشقت نہ برداشت کرنی پڑے وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات یعنی ارشادات کے ساتھ حق کو ثابت کر دے وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کی جڑ کاٹ کے رکھ دے۔

حق و باطل کا فیصلہ

یہ اس لیے لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ تاکہ ثابت کر دے حق کو یعنی ایمان اور توحید کا غلبہ ہو جائے اور کفر اور شرک کا باطل عقیدہ مغلوب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل و خوار کر دے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ اگرچہ یہ بات مجرموں اور گنہگاروں کو ناگوار ہی گزرے۔ مگر اللہ کی مشیت میں یہی ہے کہ کفر و شرک کا قلع قمع ہو اور اسلام کا بول بالا ہو۔ اس کے بعد بدر میں پیش آنے والے جستہ جستہ واقعات کا ذکر اور فتح اسلام کا بیان آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اصول بھی بیان کر دیے ہیں جو جنگ کی صورت میں قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے جس طریقے سے اہلِ ایمان کی مدد فرمائی، اُس کا ذکر بھی آئے گا۔

درس چہارم ۴ — آیت ۹ تا ۱۴

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ
بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا
بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً ع ۱ ۱۵
مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم
بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ
قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى
الْمَلَٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ
الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ
لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

ترجمہ: جب کہ تم فریاد کرتے تھے اپنے پروردگار سے پس وہ پہنچا تھا تمہاری فریاد کو (اس نے فرمایا) بےشک میں تمہیں مدد بھیجوں گا ایک ہزار فرشتوں کی لگا تار (آگے پیچھے) آنے والے ⑨ اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے اس (نزول ملائکہ) کو مگر خوشخبری

اور تاکہ تمہارے دِل مطمئن ہوں اس کے ساتھ۔ اور نہیں مدد مگر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا
ہے (۱۰) (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ وہ ڈالتا تھا تمہارے
اُوپر اُونگھ امن دلانے کے لیے اپنی طرف سے، اور اتارتا تھا،
تمہارے اُوپر آسمان کی طرف سے پانی تاکہ پاک کر دے تم کو اس
کے ساتھ اور دُور کر دے تم سے وسوسہ شیطان کا اور تاکہ مضبوط
کر دے تمہارے دلوں کو اور ثابت کر دے تمہارے قدموں کو (۱۱)
(اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب حکم بھیجا تھا تیرے پروردگار
نے فرشتوں کو کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، پس ثابت رکھو
اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ میں ڈالوں گا کفر کرنے والوں
کے دلوں میں رعب، پس مارو (اُن کی) گردنوں پر اور مارو ان میں
سے ہر پور پور پر (۱۲) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے مخالفت
کی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو شخص مخالفت کرے گا،
اللہ اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا
ہے (۱۳) یہ بات تم نے دیکھ لی، پس چکھو اس کو، اور بیشک
کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے (۱۴)

ربطِ آیات اس سُورۃ کی ابتدائی آیت میں جماعتی نظم و ضبط کے قانون کا ذکر کیا گیا تھا۔ پھر کامل الایمان لوگوں کی پانچ صفات بیان ہوئیں۔ فرمایا مالِ غنیمت کے ضمن میں لوگوں کا جھگڑنا اور حق جتلانا مناسب نہیں کیونکہ یہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے، اُسی نے اپنی رحمت و مہربانی سے مسلمانوں کو فتح دلائی، لہٰذا اللہ تعالیٰ جو حکم دیگا اللہ کا رسُول اُس کے مطابق مالِ غنیمت میں تصرف کرے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ فرمایا یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا اللہ نے آپ کو گھر سے نکالا حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ

لڑائی کو ناپسند کرتا تھا مگر اللہ کی مصلحت میں اس موقع پہ کفار کی شکست و ریخت اور مسلمانوں کو غالب بنانا تھا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالے نے بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں اس نے اہل ایمان کی مدد فرمائی اُن کے لیے سازگار اسباب پیدا فرمائے اور پھر انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

اللہ تعالے سے فریاد

ارشاد ہوتا ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ اس بات کو اپنے سامنے رکھو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تم میدان بدر میں بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ نہ کوئی اسلحہ تھا نہ ساز و سامان اور نہ افرادی قوت سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ تمہاری حالت ایسی تھی ، "وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ" اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر تمہاری مدد کی حالانکہ تم بہت ہی کمزور تھے۔ اُس وقت حضور علیہ السلام اپنے صحابہ سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا۔ نیز آپ نے یہ بھی تسلی دی کہ اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا تو فوری ضرورت پر اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے بھیج دیگا۔ تو یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میدانِ بدر میں صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کے لیے جو چھپر بنا دیا تھا آپ اس میں ساری رات دعائیں مانگتے رہے، اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے کہ اے پروردگار! تو نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اُسے پورا فرما۔ آپ نے یہاں تک اللہ کے حضور عرض کیا اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدَ فِى الْاَرْضِ اے اللہ اگر تو نے اِس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

نزول ملائکہ

یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اِس دُعا کے جواب میں فرمایا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اللہ تعالے

نے تمہاری فریاد کو شرف قبولیت بخشا اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ میں تمہیں امداد بھیجوں گا۔ ایک ہزار فرشتوں کی جو لگاتار آنے والے ہوں۔ نزول ملائکہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے اس کو مگر خوشخبری یعنی اہل ایمان کے لیے فرشتوں کا نزول ان کی فتح کی خوشخبری تھی اور اس سے یہ بھی مقصود تھا وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ کہ اس کے ذریعے تمہارے (مسلمانوں کے) دلوں کو اطمینان حاصل ہو فرشتوں کا براہ راست جنگ میں حصہ لینا مقصود نہیں تھا۔ کیونکہ اللہ نے ان کو اتنی طاقت عطا فرمائی ہے کہ سارے کافروں کے لیے ایک ہی فرشتہ کافی تھا۔ لڑائی کرنا تو مکلف انسانوں کا کام ہے۔ نزول ملائکہ تو صرف مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لیے تھا۔ اللہ نے فرمایا وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور نہیں ہے مدد مگر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جس طرح چاہتا ہے اس کے مطابق اسباب مہیا کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے حسب وعدہ فرشتوں کو بھیجا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا فرشتوں کا کام اہل ایمان کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا۔ تاہم اسی ضمن میں اکا دکا ایسے مواقع بھی پیش آئے جب فرشتوں نے کافروں پر ضرب بھی لگائی مقصد مسلمانوں کو یقین دلانا تھا کہ ان کی مدد کے لیے فرشتے موجود ہیں چنانچہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے، وہ کفار پہ ٹوٹ پڑے اور آخر اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہمکنار کیا۔

اونگھ کے ذریعے سکون

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے ایک تو فرشتوں کو نازل کیا دوسری امداد اس طرح فرمائی اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ

اَمَنَةً مِّنْهُ اس وقت کو بھی دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ ڈالتا تھا اپنی طرف سے امن دلانے کے لیے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جس دن جنگ بدر برپا ہوئی اس رات کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو سویا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند ڈال دی اور وہ خوب سوئے۔ صرف حضور علیہ السلام ساری رات بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مناجات اور دعائیں کرتے رہے۔ تمام صحابہؓ پر نیند طاری کر دینا اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مسلمانوں کی فتح کی نشانی تھا۔ جنگ کے دوران نیند کا آنا مبارک ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر نماز کے دوران نیند آئے تو یہ منحوس ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ دوران درس اگر کسی ساتھی پر نیند کا غلبہ ہوتا تو فرماتے، یہ شیطان کا کام ہے۔ اٹھو اور وضو کر کے آؤ۔ البتہ جنگ کے دوران نیند آجائے تو انسان کی دہشت دُور ہو جاتی ہے اور آدمی پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے طبی فلسفہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ مسلمانوں پر نیند یا اونگھ ڈال دی جس سے وہ تازہ دم ہو کر بہتر طور پر جنگ کے قابل ہو گئے۔

باران رحمت کا نزول

اللہ تعالیٰ کا تیسرا انعام یہ ہوا وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی نازل کر دیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے میدان بدر میں پہنچنے سے پہلے کفار نشیبی اور پانی والے علاقے پر قبضہ کر چکے تھے اور مسلمانوں کے حصے میں ریتلا علاقہ آیا تھا جہاں پاؤں دھنستے تھے اور سواری ٹھیک طور پر نہیں چل سکتی تھی۔ اسی دوران بعض مجاہدین کو غسل کی ضرورت پڑ گئی مگر پانی نہیں تھا اور ساتھ شیطان نے وسوسے بھی ڈالنے شروع کر دیے مگر اللہ تعالیٰ

کی مہربانی سے بارانِ رحمت کا نزول ہو گیا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے غسل کیا اور استعمال کے لیے پانی جمع بھی کر لیا۔ جانوروں کو پلایا اور مشکیزے بھر لیے۔ اس کے علاوہ بارش کی وجہ سے ریت جم کر سخت ہو گئی۔ اور سواریوں کو چلنے میں دقت نہ رہی۔ ریتلا حصہ سخت ہو گیا جس کی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں بھی جمنے لگے۔ ادھر کافروں کے پاس نشیبی علاقہ تھا، وہاں دلدل ہو گئی اور ان کے لیے نقل و حرکت میں مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ گویا بارش برسا کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے آسانی اور کفار کے لیے مشکل پیدا فرما دی۔

فرمایا اللہ نے تم پر آسمان سے پانی نازل فرمایا لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے۔ تم نے وضو اور غسل کیا، طہارت حاصل کر لی۔ نیز اس سے یہ بھی مقصود تھا وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ تاکہ اس کے ذریعے تم سے شیطان کے وسوسے کو دور کر دے بارش کے نزول سے پہلے شیطان دلوں میں وسوسہ اندازی کر رہا تھا کہ دیکھو تم اپنے آپ کو حق پرست کہتے ہو مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ نہ تو تمہارے پاس اچھی جگہ ہے جس پر قدم جم سکے اور نہ تمہارے پاس پانی ہے جس سے تم اپنی ضروریات پوری کر سکو۔ چنانچہ جب بارش ہو گئی تو اس قسم کے شیطانی وسوسے دور ہو گئے اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ بارش کا نزول شیطان کے وساوس کو دور کرنے کے لیے بھی تھا اور اس لیے بھی وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ اور تاکہ تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے: ظاہری طور پر تو قدم اس لیے جم گئے کہ ریت جم گئی اور باطنی طور پر فرشتوں کو نازل فرما کر مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کر دیا۔ قدم جمانے کے یہ دونوں مطلب ہیں۔

فرشتوں کی کارگزاری

اس کے بعد اللہ نے نزولِ ملائکہ کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ اس وقت کو بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ اُن کو تسکین دلاؤ، اُن کے دلوں میں ایسے خیالات ڈالو جن سے وہ مطمئن ہو جائیں۔ اور میں یہ کروں گا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دونگا اور وہ مسلمانوں سے خوفزدہ ہو جائیں گے۔ پھر تم یہ کام کرو فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ تم اُن کی گردنوں پر مارو وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ اور اُن کے ہر ہر پور پر ضرب لگاؤ۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کافروں کی گردنوں اور اُن کے پور پور پر مارنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا یا مجاہدین کو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، لڑائی کرنا فرشتوں کا کام نہیں تھا۔ یہ تو مادی اسباب میں مجاہدین کو ہی انجام دینا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں اسباب مہیا کر دیے تو انہوں نے یہ کام بخوبی انجام بھی دیا، تاہم اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کی طرف سے ضرب لگانے کے اکا دکا واقعات بھی صحابہ کو دکھا دیے۔ اس طرح کافروں کے دلوں میں رعب بھی طاری ہو گیا اور مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہو گئی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہمکنار کیا۔

مخالفین کے لیے سزا

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ اس لیے ہوا کہ کافروں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ تو اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے

تیرہ سالہ مکی زندگی میں اہل ایمان نے کفار کے ہاتھوں سخت تکالیف برداشت کیں مگر جب ہجرت کر کے مسلمان مدینہ پہنچ گئے، کفار کی ایذا رسانیوں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور انہوں نے اپنی ریاست قائم کر لی تو ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ کفار مکہ کو شکست فاش دیدی۔ ابھی کچھ دن پہلے ابوجہل نے کعبہ شریف کی چھت پر کھڑے ہو کر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے نام پر لوگوں کو نکالا تھا۔ وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے تھے وافر ساز و سامان تھا۔ شراب کے مٹکے اور ناچنے گانے والی عورتیں حوصلہ افزائی کے لیے ہمراہ تھیں مگر اللہ نے شکست فاش سے دوچار کیا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی سخت مخالفت کی تھی، اہل ایمان کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں۔ حتیٰ کہ اُن کے ہجرت کر جانے کے بعد بھی اُن کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ تو فرمایا کفار کے اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کی سزا بھی بڑی سخت آئی۔ ستر کفار مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی اور آخرت کی دائمی سزا اس کے علاوہ ہے۔

اللہ نے فرمایا ذٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ یہ سزا تم نے دیکھ لی ہے اس کا مزا چکھو۔ حضور علیہ السلام نے بھی قلیب بدر پر کھڑے ہو کر واصل بہ جہنم ہونے والے کافروں سے خطاب فرمایا تھا۔ آپ نے نام لے کر کہا تھا اے فلاں! اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ تو پورا ہو گیا۔ اب تم بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ تمہیں ذلیل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو تم نے سچا پایا یا نہیں؟ اسی لیے فرمایا کہ اس عذاب کا مزا چکھو۔ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ اور بیشک کافروں کے لیے جہنم کی سزا ابھی باقی ہے۔ جس کا خاتمہ کفر پر ہو گا وہ اس دائمی سزا میں بھی ضرور

مبتلا ہوگا۔ دنیا میں سزا کے طور پر سازوسامان گیا۔ آدمی مارے گئے، ذلیل و خوار ہوئے، کفر کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مرعوب ہو گئے۔ اس کے برخلاف اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، وہ بے سروسامانی کی حالت میں تھے، خدا کی رحمت کے سوا کوئی سہارا نہ تھا مگر اللہ نے انہیں فتح مبین عطا کی جس سے مسلمانوں کا رُعب ساری دنیا میں طاری ہو گیا۔

درس پنجم ۵ آیت ۱۵ تا ۱۹

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوهُمُ ٱلۡأَدۡبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَن يُوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهُۥٓ
إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوۡ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدۡ
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأۡوَىٰهُ جَهَنَّمُۖ وَبِئۡسَ ٱلۡمَصِيرُ ﴿١٦﴾
فَلَمۡ تَقۡتُلُوهُمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ قَتَلَهُمۡۚ وَمَا رَمَيۡتَ
إِذۡ رَمَيۡتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبۡلِيَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡهُ
بَلَآءً حَسَنًاۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذَٰلِكُمۡ وَأَنَّ
ٱللَّهَ مُوهِنُ كَيۡدِ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿١٨﴾ إِن تَسۡتَفۡتِحُواْ فَقَدۡ جَآءَكُمُ
ٱلۡفَتۡحُۖ وَإِن تَنتَهُواْ فَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۖ وَإِن تَعُودُواْ
نَعُدۡ وَلَن تُغۡنِيَ عَنكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡـٔٗا وَلَوۡ كَثُرَتۡ
ع ۲ ۹/۱۴ وَأَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿١٩﴾

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب تمہاری ٹکر ہو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا لڑائی میں، پس نہ پھیرو اُن کیطرف پشتیں ﴿١٥﴾ اور جو پھیریگا اس دِن اپنی پشت سوائے اُس کے کہ وہ پینترا بدلتا ہے لڑائی کے لیے یا ٹھکانا پکڑتا ہے ایک گروہ کی طرف پس بیشک وہ لوٹا اللہ کا غضب لے کر؛ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ﴿١٦﴾ (حقیقت یہ ہے کہ)

تم نے نہیں قتل کیا ان کافروں کو بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور
(اے پیغمبر!) آپ نے نہیں مٹھی بھر سنگریزے مارے ان پر جب
کہ آپ نے پھینکے تھے لیکن اللہ نے اُن کو پھینکا ہے۔ اور تاکہ
وہ (اللہ تعالیٰ) آزمائے ایمان والوں کو اپنی طرف سے اچھی طرح
آزمانا۔ بیشک اللہ تعالیٰ (ہر آواز کو) سُنتا ہے (اور ہر چیز کو) جاننے
والا ہے ⑰ یہ بات تو ہو چکی، اور بیشک اللہ تعالیٰ کمزور کرنے
والا ہے کافروں کی تدبیر کو ⑱ (اے کفر کرنے والو) اگر تم
فیصلہ چاہو، پس بیشک آگیا ہے تمہارے پاس فیصلہ۔ اور اگر
تم باز آجاؤ (کفر اور شرک سے) پس وہ بہتر ہے تمہارے لیے
اور اگر تم پلٹ کر آؤ گے (لڑنے کے لیے) تو ہم بھی پلٹ
کر مقابلہ کریں گے۔ اور ہرگز نہ کام دیگا تم کو تمہارا گروہ کچھ بھی
اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں
کے ساتھ ہے ⑲

ربطِ آیات گذشتہ آیات میں میدانِ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت میں کامیابی کا
ذکر تھا۔ اِس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس قسم کے اسباب پیدا کیے اور اپنی طرف
سے جو خاص مہربانی فرمائی، اُس کا بیان ہوا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں
کے ساتھ مقابلہ کرنے سے متعلق بعض قوانینِ صلح و جنگ بیان فرماتے ہیں۔ دُنیا میں
فتنہ و فساد کی بیخ کنی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے بعض اوقات جہاد بالسیف ضروری
ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ میں پیش آنے والے بعض مسائل کے
متعلق احکام نازل فرماتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات جنگ کو ترک کر کے مصالحت
کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، تو اس کے لیے اللہ نے مصالحت کا قانون بھی دیا ہے
اگر اہلِ ایمان اِن قوانین کی پابندی کریں گے تو دُنیا اور آخرت میں سرخروئی پائیں گے،

ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

جنگ کے دوران ثابت قدمی

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو ! اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا جب میدانِ جنگ میں تمہاری کافروں کے ساتھ ٹکر ہو۔ یعنی جب دو نظریات آپس میں متصادم ہوں اور کفار اپنا باطل پروگرام ترک کرنے پر تیار نہ ہوں بلکہ اللہ اسلام کو مغلوب کرنا چاہیں تو لامحالہ اُن سے جنگ ہو گی۔ یہ بات سورۃ کی ابتداء میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ کفار اسلام کے راستے کو ہر صورت میں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی آخری خواہش یہی ہے کہ کس طرح کفر کو غالب بنایا جائے، تو ایسی صورت میں جنگ ناگزیر ہو گی اور اہل ایمان اس سے دامن نہیں بچا سکیں گے۔ جب جنگ لازمی ہو گئی تو پھر اس کے اصول وضوابط بھی ضروری ہیں اور یہی چیز اللہ نے یہاں بیان فرمائی ہے۔

زحف کا لفظی معنی گھسٹ کر چلنا ہے۔ چھوٹے بچے کے لیے زحف الصبی بولا جاتا ہے کہ وہ پاؤں پر نہیں چل سکتا اور گھسٹ کر چلتا ہے اس سے مراد لشکر کا اکٹھا ہونا ہے۔ جب بہت بڑا لشکر مل کر چلتا ہے تو بھیڑ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے گھسٹ کر چل رہا ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ جب میدان جنگ میں تمہاری دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ ہو فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ تو تم اُن کی طرف پشتیں پھیر کر مت بھاگو بلکہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور کمزوری نہ دکھاؤ۔

بعض خواہشات کی ممانعت

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ یعنی دشمن کے ساتھ ٹکر لینے کی تمنا نہ کرو بَلْ سَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ بلکہ اللہ تعالیٰ سے خیر وعافیت کا سوال کیا کرو۔ فرمایا فَاِذَا لَقِیْتُمْ جب دشمن سے آمنا سامنا ہو ہی جائے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ الْجَنَّۃَ

تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ نوجوان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے جب تم پہ جنگ مسلط ہی ہو جائے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو اور پیٹھ نہ دکھاؤ۔
محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بیماریوں کے متعلق بھی یہی اصول ہے کوئی مومن بیماری کی خواہش نہ کرے اور اگر بیماری لاحق ہو جائے تو پھر صبر کرے، بیماری کو برداشت کرے اور جزع فزع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسی میں اجر عطا فرمائے گا۔ بہرحال فرمایا کہ جنگ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے تاہم اگر مسلط ہو جائے تو پھر پائے استقلال میں لغزش نہیں آنی چاہیے۔

مقابلے کے لیے معیار کا تقرر

اسلام کے ابتدائی زمانے میں کفار سے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان کے لیے حکم تھا کہ دشمن کی تعداد تم سے خواہ دس گنا بھی زیادہ ہو، تم نے پیٹھ نہیں دکھانی بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ پھر اللہ نے تخفیف فرما دی اور اس طرح حد بندی کر دی کہ اگر دشمن تم سے دگنی تعداد میں ہوں تو ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اور اگر اس سے زیادہ یعنی چار گنا یا دس گنا ہوں تو پھر جنگ سے کنارہ کشی اختیار کی جا سکتی ہے۔ یہ مضمون آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے کہ اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے۔ اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور ایک ہزار صابر مجاہدین دو ہزار کفار کے لیے کافی ہونگے۔
تو فرمایا جب کفار سے ٹکر ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔ کیونکہ یہ بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے بھی خدا تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی "رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا" اے اللہ! ہمیں صبر عطا کر اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلے میں مضبوط کر دے وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہمیں کفار پر نصرت عطا فرما۔
غرضیکہ ثابت قدمی جنگ کا پہلا قانون ہے۔

اسلامی فلسفہ جنگ

آگے اللہ نے جنگ کا اسلامی فلسفہ بھی بیان فرمایا ہے اہل ایمان کے لیے جنگ مقصود بالذات نہیں ہے۔ اغیار کی جنگ سے مراد ملک گیری، مال و دولت کا حصول یا لوگوں کو غلام بنانا ہوتا ہے، برخلاف اس کے مسلمانوں کا جنگ سے مقصد اقامت دین ہوتا ہے اس کا واحد مقصد کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا یعنی اللہ تعالیٰ کی بات کو بلند کرنا ہوتا ہے جس سے کافر مغلوب ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر بے عقل ہیں جو عصبیت کی وجہ سے جنگ کرتے ہیں برخلاف اس کے اہل ایمان صاحب عقل ہیں، جنگ سے اُن کا واحد مقصد غلبہ دین ہوتا ہے۔

پسپائی کی سزا

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران بھاگ کھڑے ہونا اکبر الکبائر یعنی بڑے گناہوں میں سے ہے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے پسپا ہونے والوں کے لیے سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرمایا وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ جو آدمی لڑائی کے دن کافروں کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ بیشک وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اللہ تعالیٰ بھاگنے والوں پر ناراض ہوگا اور ایسے لوگ یہود کی طرح مغضوب علیہ ٹھہریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہوگا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور جہنم لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔ لہٰذا میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں پھیرنی چاہیئے ورنہ آدمی جہنم میں پہنچ جائے گا۔

استثنا کی صورتیں

البتہ لڑائی سے بھاگنے کے لیے دو صورتوں میں استثنا بھی ہے۔ پہلی صورت یہ فرمائی اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ کہ کوئی شخص اس لیے بھاگ آیا ہے تاکہ لڑائی میں پینترا بدل سکے اور دشمن کو جھانسہ دے کر دوبارہ حملہ آور ہو، حضور کا فرمان ہے کہ لڑائی داؤ پیچ کا نام ہے لہٰذا داؤ پیچ کے طور پر

تو پیچھے ہٹ آنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرا استثناء اس صورت میں ہے اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ یا وہ اپنے گروہ کے پاس ٹھکانا پکڑنے والا ہو۔ عربی میں حیز مکان کو کہتے ہیں یعنی جس مقام پر اُس کے باقی ساتھی ہیں ان کے پاس پہنچ جائے تاکہ اُن کے ساتھ مل کر کوئی بہتر جنگی حکمت عملی اختیار کر سکے تو ایسی صورت میں بھی گنہگار نہیں ہوگا ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دستہ دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ لشکر کو وہاں کی صورت حال کے پیش نظر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ تاہم انہیں سخت پریشانی ہوئی کہ کہیں وہ اللہ کے ہاں اس کوتاہی پر سزا کے مستحق نہ ٹھہریں واپس آکر انہوں نے صورت حال حضور علیہ السلام کے گوش گزار کی اور ساتھ اپنی مذکورہ پریشانی کا بھی ذکر کیا آپ نے فرمایا، فکر نہ کرو اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ وَاَنَا فِئَتُکُمْ تم پیچھے بدل کر آنے والے ہو اور میں تمہارا گروہ ہوں۔ تمہیں واپس لوٹ آنے پر کچھ ملامت نہیں تم جہنم میں جانے والے نہیں ہو بلکہ اپنے گروہ کے پاس پہنچ جانے والے ہو تاکہ بہتر تدبیر نکالی جا سکے تو فرمایا ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کوئی مسلمان جنگ سے بھاگ آئے گا تو وہ خدا کے غضب کا نشانہ بنے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ اصل قانون یہی ہے اور باقی ساری ضمنی باتیں ہیں جو نمبروار آتی رہیں گی۔ بہرحال دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا بہت عظیم قانون ہے۔

بدر میں امداد غیبی

اب اللہ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کی فتح کی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ اے مسلمانو! جنگ بدر میں جو کفار کثیر تعداد میں قتل ہوئے اُن کو تم نے قتل نہیں کیا تھا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا۔ کفار کی شکست اللہ تعالیٰ کی امداد غیبی کی بناء پر ہوئی تھی۔ اس نے ایسے اسباب پیدا فرمائے جس کی وجہ

سے تمہیں فتح حاصل ہو گئی ورنہ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران) تم تو بہت ہی کمزور تھے، نہ تمہارے پاس جنگی ہتھیار، نہ سواریاں اور نہ افرادی قوت۔ برخلاف اس کے دشمن کے پاس سب کچھ تھا اور پھر انہیں پیچھے سے کمک پہنچنے کی امید بھی تھی مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی فتح امداد غیبی کی مرہون منت تھی۔

مٹھی بھر سنگریزے

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جب بدر کی لڑائی زوروں پر تھی تو جبرائیل علیہ السلام نے آکر حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک مٹھی بھر سنگریزے لیکر دشمن کی طرف پھینکیں۔ چنانچہ طبرانی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے سنگریزے اٹھانے کو فرمایا۔ انہوں نے دیئے تو حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کفار کی طرف پھینک دیئے اور زبان سے فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ یعنی کفار کے چہرے ذلیل و خوار ہو جائیں۔ خدا کی قدرت وہ سنگریزے ہر کافر کی آنکھ میں پڑے۔ وہ پریشان ہو کر آنکھیں ملنے لگے تو ادھر مسلمانوں نے فیصلہ کن حملہ کر کے کفار کی کمر توڑ دی۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص امداد تھی کہ مٹھی بھر کنکروں نے سارے کافروں کو پریشان کر دیا۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں یاد دلایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ اے پیغمبر! جو مٹھی بھر سنگریزے پھینکے تھے وہ در اصل آپ نے نہیں پھینکے تھے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى بلکہ وہ تو اللہ نے معجزانہ طور پر پھینکے تھے جس کی وجہ سے کفار کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ اور اس کارروائی سے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی مقصود تھا وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی طرف سے آزمائے بہت اچھی طرح آزمانا۔ اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان کی ثابت قدمی کی آزمائش بھی کرنا تھی اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا

ہے مسلمانوں کی ساری محنت، کوشش اور کاوش اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے

کفار کی کمزوری

فرمایا ذٰلِکُمْ یہ بات تو ہو چکی جس کو تم دیکھ چکے ہو وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْھِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔ وہ پورے ساز و سامان اور افرادی قوت کے ساتھ بدر کے میدان میں اترے تھے اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کی شکست اللہ تعالےٰ کی حکمت کے مطابق ہوئی اس میں مسلمان اپنا کوئی کمال نہ سمجھیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ کس طرح مسلمان اللہ رب العزت سے فریاد کرتے تھے، پھر اللہ نے اُن کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اللہ نے بشارت سنائی۔ فرشتے نازل فرمائے، دلوں کو تسکین بخشی، شدید خطرے کے دوران نیند طاری کر کے دلوں کو سکون بخشا، عین موقع پہ بارانِ رحمت کا نزول فرما کر مسلمانوں کے حق میں مادی اسباب پیدا کیے اور شیطان کے وسوسوں کو دور کیا اور اس طرح مسلمانوں کو فتح کے تمام اسباب مہیا کیے۔ پھر آخر میں حضور علیہ السلام کے ہاتھوں سے مٹی کی مٹھی پھینکوا کر کافروں کو پریشان کر دیا اور اس طریقے سے اہل ایمان کی فتح کے لیے راستہ ہموار کیا۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو سست، کمزور اور ناکام کرنے والا ہے۔

فیصلے کی گھڑی

یہاں تک تو مسلمانوں پر احسانات جتلا کر انہیں قانونِ خداوندی کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اب آگے روئے سخن کفار کی طرف ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا اے کفار کا گروہ! اگر تم فیصلہ چاہتے ہو مکی زندگی میں مشرکین اہلِ ایمان سے کہا کرتے تھے کہ تم کس کامیابی کی امید لگائے بیٹھے ہو؟ مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (السجدہ) اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تمہارے رب کا فیصلہ کب آئے گا؟ اسی

سوال کے جواب میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم فیصلہ طلب کرتے ہو۔ فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو وہ فیصلہ آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بربادی اور مسلمانوں کی کامیابی کا فیصلہ دے دیا ہے وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اگر تم اب بھی کفر، شرک سے باز آجاؤ، توبہ کرکے دین حق کو قبول کرلو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم اپنے باطل عقیدہ پر ہی پلٹ کر آؤ گے نَعُدْ تو ہم بھی پلٹ کر تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے۔ تمہیں ذلیل وخوار کریں گے اور مسلمانوں کو غالب کریں گے کیونکہ وہ صراط مستقیم پر ہیں۔ فرمایا، یاد رکھو! وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا تمہارا جتھہ، گروہ اور پارٹی تمہارے کسی کام نہ آئے گا وَلَوْ كَثُرَتْ اگرچہ وہ کتنی ہی کثیر تعداد میں کیوں نہ ہو۔

واضح بات یہ ہے وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ میری تائید ونصرت تمہارے ساتھ ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم سچے پکے ایماندار ہو۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر پورا فرمادیا اور کافروں کی ساز وسامان اور اسلحہ سے لیس کثیر تعداد کو مسلمانوں کی بے سر وسامان اور قلیل تعداد کے سامنے ذلیل وخوار کرکے رکھ دیا۔

یہ بات اچھی طرح نوٹ کرلینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ ایمان کے ساتھ مشروط فرمادیا ہے۔ اگر ایمان کمزور ہے تو پھر اللہ کی نصرت کی بھی زیادہ امید نہیں رکھنی چاہیے۔ آج لوگ پاکستان کا جشن آزادی منا رہے ہیں۔ ڈھول ڈھمکے اور باجے گاجے ہو رہے ہیں، ناچ گانے کا انتظام ہے فوجی پریڈ بھی ہو رہی ہے، مادی ترقی کے بھی بلند بانگ دعوے کیے جا رہے ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ اس ملکِ خداداد میں دین کے غلبہ کے لیے کام

کیا ہے؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہاں اسلامی قانون نافذ ہوتا، فتنہ فساد بند ہوتا ہر آدمی کی عزت اور مال محفوظ ہوتا، اعلیٰ وادنیٰ کا تفاوت مٹتا مگر یہاں تو وہی جھگڑے فساد، پارٹی بازی، جہالت، فرقہ بندی اور بد اخلاقی کا دور دورہ ہے۔ آپ نے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کیے تائید خداوندی کیسے حاصل ہوگی؟ تمہاری مشکلات کا مداوا کیسے ممکن ہے اور تمہیں سکون کی زندگی کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے تم نے تو زوال کے اسباب اکٹھے کر رکھے ہیں، ان سے ترقی کی امید کیسے لگائے بیٹھو ہو۔ اللہ تعالیٰ بیشک مومنوں کے ساتھ ہے، پہلے مومن بن کے دکھاؤ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا
عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا
سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ
عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ
عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ
لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مت پھرو اس سے اور تم سُنتے ہو (۲۰) اور نہ ہو ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُن لیا۔ حالانکہ وہ نہیں سُنتے (۲۱) بیشک بدترین جانور اللہ کے نزدیک بہرے اور گونگے وہ لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (۲۲) اور اگر اللہ جانتا اُن کے اندر بہتری کو تو اُن کو سُناتا اور اگر ان کو سُناتا ایسی حالت میں تو روگردانی کرتے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے (۲۳)

ربطِ آیات اس سے پہلے اہل ایمان سے اس طرح خطاب تھا کہ جب تم جنگ میں کافروں سے ٹکرا لو تو پشت نہ پھیرو بلکہ ثابت قدم رہنے کی کوشش کرو۔ اگرچہ دشمن کی تعداد تم سے دُگنی ہی کیوں نہ ہو۔ ان حالات میں استقلال اور ثبات سے کام لو، ہر کام من جانب اللہ ہوتا ہے۔ فتح و نصرت اُس کے ہاتھ میں ہے، تمہارا کام صرف یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کا یہ پہلا اصول بیان فرمایا ہے اس کے بعد بھی جہاد کے سلسلے میں بڑے بڑے اصول بیان ہو رہے ہیں۔ جن کی پابندی اہلِ ایمان پر لازم ہے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر ان اصولوں پر کاربند رہو گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مہربانی شامل رہیگی اور تمہیں عزت حاصل ہو گی۔

ثابت قدمی ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عام اصول کے برخلاف صرف دو صورتوں میں میدان جنگ سے بھاگنے کی اجازت ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی داؤپیچ کے طور پر جنگ میں پینترا بدلنے کی خاطر پیچھے ہٹ آئے یا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے گروہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے پلٹ آئے تاکہ اپنی جماعت کے ساتھ مِل کر نئی حکمت عملی کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہو سکے۔ اِن دو صورتوں کے علاوہ جو کوئی میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگے گا وہ سخت گناہ گار ہوگا، بلکہ ایسا شخص اکبر الکبائر کا مرتکب ہوگا۔ اس کے علاوہ غزوہ بدر کے سلسلے میں اللہ نے بعض ضمنی باتیں بھی بیان فرمائی ہیں اور پھر کافروں کی طرف بھی روئے سخن کیا ہے۔ فرمایا تم فتح چاہتے تھے تو لو فتح تو ہو گئی۔ مسلمانوں نے تمہیں میدانِ بدر میں شکست فاش دی ہے۔ تمہارے ستر سرکردہ ساتھی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ اگر تم اب بھی اسلام دشمنی سے باز آجاؤ، کفر اور شرک سے توبہ کر لو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اور اگر تم اس کے بعد بھی جنگ پر آمادہ رہے تو یاد رکھو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا سلوک ہی ہونا ہے گا جیسا جنگ بدر میں تمہارے ساتھ ہوا۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا دوسرا اصول بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اگر تم صلح و جنگ کے سلسلے میں کامیابی کے طلبگار ہو تو اس کے لیے

اصول یہ ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کہ اللہ اور اُس کے رسُول کی فرمانبرداری کرو۔ اِن کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور کی فرمانبرداری مت کرو کیونکہ ہر شخص کی خواہش الگ الگ ہوتی ہے مگر اہل ایمان کے سامنے صرف ایک بلند مقصد ہے کہ ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت ہو اور ہمیشہ یہی اصول مدنظر رہنا چاہیئے۔ فرمایا وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ اس اصول سے روگردانی نہ کرو۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ اور تم سنتے ہو۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہدایت اسی اصول میں ہے اور اسی کے ذریعے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے بھی اسی اصول کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ یاد رہے کہ اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ رسول چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور تبلیغ رسالت کا فریضہ اللہ نے اس کے ذمے لگایا ہے لہذا اُس کی اطاعت بھی مطلق فرض ہے کیونکہ وہ اللہ کا منشاء پورا کرتا ہے۔ اور باقی لوگوں کے لیے اطاعت الٰہی کا نمونہ ہوتا ہے۔ فرمایا تم سنتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے تو پھر تم اس سے روگردانی مت کرو۔

سماعت سے محرومی

فرمایا وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُن لیا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ اس میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا رد آ گیا، وہ بھی کہتے تھے سَمِعْنَا یعنی ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے۔ منافق لوگ بھی زبان سے کہتے تھے کہ ہم نے سُن لیا اور تسلیم کر لیا مگر حقیقت میں نہ سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مثال سورہ جمعہ میں بیان فرمائی ہے" مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا" فرمایا یہودیوں نے ذوق و شوق کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔ پھر جب

انہیں تورات عطا کی گئی تو وہ اپنی بے عملی کی وجہ سے کتاب کا حق ادا نہ کر سکے۔ اللہ نے فرمایا اِن لوگوں کی مثال اُس گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا گٹھا لاد دیا گیا ہو۔ جس طرح گدھا کتابوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود ان سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ اس طرح حاملین تورات اس کتاب سے اعراض کی وجہ سے اس سے بے بہرہ ہیں۔ گویا ان کا تورات کا پڑھنا اور سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ تو اللہ نے یہاں پہ اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم اہل کتاب یہود اور منافقین کی طرح نہ بن جانا جو اللہ کی بات کو سُنی اَن سنی کر دیتے ہیں معاملہ صلح کا ہو یا جنگ کا، موقع خوشی کا ہو یا غمی کا مسئلہ سیاسی ہو یا معاشی ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مقدم رہنی چاہیے کیونکہ فلاح کا دارو مدار اسی پہ ہے۔

بدترین جانور

اس کے بعد اللہ کی بات کو صحیح معنوں میں نہ سننے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے احکام کو سننے کے باوجود نہ اپنے عقیدہ کو درست کرتے ہیں اور نہ اُن احکام پر عمل کرتے ہیں بلکہ اپنی بات پر ہی اڑے رہتے ہیں۔ فرمایا إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ زمین پر چلنے والے بدترین جانور وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ دواب، دابہ کی جمع ہے جو زمین پہ چلنے والے ہر چھوٹے بڑے جانور پر بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا قیمتی جوہر عطا کیا ہے جو عام جانداروں کو حاصل نہیں۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان قانون کا پابند یعنی مکلف بنتا ہے۔ عقل ہی انسان کو قابل مواخذہ بناتی ہے ورنہ کوئی پاگل شخص مکلف نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ صاحب عقل ہو کر جو انسان عقل سے صحیح کام نہیں لیتے وہ اللہ کے نزدیک مویشیوں، درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ کیڑے مکوڑے عقل سے معذوری کی بنا پر غیر مکلف ہیں

مگر انسان عقل رکھتے ہوئے بھی اس سے مستفید نہیں ہوتا اور اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا لہذا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

انسان کی قدر و قیمت اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ہی ہے۔ فکر اور عقیدے کی درستگی ہی انسان کے شایانِ شان ہے۔ اگر کسی شخص کی فکر، اخلاق اور عمل درست نہیں ہے تو ایسا شخص اللہ کے ہاں کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ایسی ہی حالت کے متعلق سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" پھر ہم نے ایسے شخص کو نیچے سے بھی نیچے گرا دیا جب اُس نے ایمان کی دولت کو قبول نہ کیا، نیکی کا راستہ اختیار نہ کیا، خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیا تو وہ کیڑے مکوڑوں، کتے بلی، سانپ اور بچھو سے بھی ذلیل ہو گیا۔ انسان ایمان اور نیکی کی وجہ سے مرتبہ عروج تک پہنچا ہے اگر اس میں یہ چیز مفقود ہے۔ تو پھر زمین پر چلنے پھرنے والے جانور اُس سے بہتر ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ اعراف میں فرمایا ہے "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" کہ وہ مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے مویشی تو پھر بھی اپنا مقصد حیات پورا کرتے ہیں اور اپنے مالک کی اطاعت بجا لاتے ہیں مگر حضرت انسان اپنے مقصدِ حیات سے اعراض کرتے ہوئے اپنے مالک کی فرمانبرداری کو اپنے آپ پر لازم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا سورۃ بینہ میں ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے "اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ" ایسے لوگ انسانوں کا بدترین حصہ ہیں۔ فرمایا اس قسم کے اللہ کے نافرمان لوگ لَا یَعْقِلُوْنَ کچھ عقل نہیں رکھتے یعنی اللہ کی عظیم نعمت عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔

قرآن پاک سے اعراض

حاملینِ قرآن پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت

کرتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ اُسے سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں۔ جو لوگ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانذار وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں کہ حق بات کو سنتے ہی نہیں اور گونگے ہیں کہ حق بات کہتے ہی نہیں۔ دنیا کی اول فول تمام لغویات بڑے غور سے سنتے ہیں مگر حق کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ خدا کا کلام اور اس کا قانون سننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اسی طرح ہر قسم کی لغویات تو بولتے رہتے ہیں مگر حق کی حمایت میں ان کی زبان سے ایک لفظ ادا نہیں ہوتا۔ جب بولیں گے اُلٹا ہی بولیں گے یہاں پر بہرے کا ذکر پہلے کیا ہے اور گونگے کا بعد میں۔ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا سننا، بولنے سے زیادہ ضروری ہے۔ جب تک کوئی انسان کوئی چیز سنے گا نہیں وہ بول نہیں سکے گا۔ انسانی علم کا زیادہ تر حصہ سماعت پر موقوف ہے اس لیے سمع کی زیادہ اہمیت کی وجہ سے اسے بولنے پر مقدم رکھا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے بھی ہیں۔ اس سے مراد ظاہری آنکھیں نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے محروم ہونا ہے۔ ایسے لوگ حق و باطل کی بصیرت سے عاری ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو حق بات کو سنتے ہیں، نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نہ نیکی کی طرف لوٹتے ہیں، نہ دل کی آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہیں اور نہ حق کی حمایت میں بولتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں تاہم اس مقام پر صرف بہرے اور گونگے ہونے کا ذکر ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں بہتری کی کوئی چیز دیکھتا لَاَسْمَعَهُمْ تو ان کو حق بات ضرور سنوا دیتا۔ اور اس پر عقل و فہم کے ذریعے غور کرتے اور اس کو سمجھ کر اس

پر عمل پیرا ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایسے لوگ اس صلاحیت سے ہی محروم ہیں لہٰذا اُن کو سننے کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ یعنی ہر نو مولود فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے مگر بعد میں اس کا ماحول اُسے بگاڑ دیتا ہے اور وہ حق کی بجائے باطل کو قبول کر لیتا ہے۔ سورۃ روم میں بھی موجود ہے۔ "فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا" اُس دین حنیف پر جم جاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقرر کر دیا "فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا" خدا تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اس فطرت سے مراد خدا تعالیٰ کی توحید ہے یہی خدا کا دین ہے اور اسی توحید کو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں داخل کیا ہے۔ اگر کسی شخص کو پیدا ہوتے ہی اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور مشرکین اس کے دل میں مشرکانہ خیالات نہ ڈالیں تو کبھی شرک نہیں کرے گا کیونکہ وہ فطرت الٰہی یعنی توحید پر پیدا ہوا ہے۔

فرمایا اگر اللہ ان میں بہتری کی کوئی چیز جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا مگر وہ صلاحیت سے عاری ہیں۔ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ اور اگر انہیں اسی حالت میں سنواتا لَتَوَلَّوْا تو وہ منہ پھیر جاتے وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے۔ وہ حق بات کا بالکل انکار کر دیتے لہٰذا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُن کو سنوارنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

درس ہفتم ۷ آیت ۲۴ تا ۲۶

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسُول کا جب کہ وہ تمہیں بلائے اس چیز کی طرف جو تم کو زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ آڑے آتا ہے انسان اور اس کے دِل کے درمیان۔ اور (جان لو) کہ بیشک تم سب اُسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿۲۴﴾ اور بچو اُس فتنے سے کہ نہ پہنچے گا (صرف) اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص طور پر۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ سخت گرفت والا ہے ﴿۲۵﴾ اور یاد کرو (اس نعمت کو) جب تم تھوڑے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں۔ تم ڈرتے تھے کہ تمہیں اُچک لیں گے لوگ۔ پھر ٹھکانا دیا تم کو اور اُس نے تمہاری تائید کی اپنی مدد سے اور روزی

دی تم کو پاک چیزوں سے تاکہ تم (اللہ کی نعمتوں کا) شکریہ ادا کرو (۲۶)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت، پروگرام اور اُسے قائم کرنے کے لیے اس سورۃ میں بہت سے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر انسانوں کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اللہ نے پہلا اصولِ جنگ میں ثابت قدمی کو قرار دیا اور حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کے وقت میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار نہیں کرنا۔ پھر دوسرا اصول اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی معاملہ ہو، خواہ صلح و جنگ کا مسئلہ ہی کیوں نہ درپیش ہو، ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت لازمی ہے۔ فرمایا تم اُن اہلِ کتاب اور منافقین کی طرح نہ ہو جانا جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے حکمِ الٰہی سُن لیا، مگر درحقیقت وہ سُنتے ہی نہیں کیونکہ سُن کر بھی سُنی ان سُنی کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے احکامِ الٰہی کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگ بدترین جانور ہیں۔ جو بہرے، گونگے ہیں اور عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ اب تک یہ دو اصول بیان ہوئے ہیں۔

ابدی زندگی

پہلے اہلِ ایمان کو اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تیسرے اصُول کے طور پر فرمایا گیا ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے ایمان والو! اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں بلائیں۔ اور بلانے کی غرض یہ ہے لِمَا يُحْيِيْكُمْ اُس چیز کے لیے بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ چونکہ اِس سورۃ مبارکہ کا مرکزی موضوع جہاد اور اس کے اصول و ضوابط ہیں، اس لیے بادی النظر میں یہاں پر بلانے سے مراد جہاد کی طرف ہی بلانا ہے اور جہاد ایک ایسا فعل ہے جس میں اتلافِ جان عین ممکن ہے، بلکہ ایک سچّا مجاہد جب میدانِ جہاد میں اُترتا ہے تو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے اور اس جان کو جان آفرین کے سپرد کر دینا ہی اپنی آخری تمنّا سمجھتا ہے۔ بظاہر تو یہ موت کو خود دعوت دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہی وہ جذبہ شہادت ہے جو تمہیں ابدی زندگی بخشتا ہے۔ دُنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، کتنی بھی لمبی عمر

پالے، بالآخر اُسے یہاں سے رخصت ہونا ہے مگر جس زندگی کی طرف اللہ اور اس کا رسول بلا رہا ہے وہ ایسی زندگی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص راہِ حق میں شہادت کا درجہ پالیتا ہے اُسے کمال حاصل ہو جاتا ہے اُسے نہ صرف ذاتی کمال اور دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اُس کی قربانی کی بدولت اس کی جماعت اور اس کے مشن کو بھی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس زندگی کا تعلق مجموعی طور پر سب کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ مجاہدین کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اگر وقتی طور پر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو شکست بھی ہو جائے، پھر بھی جماعت اور ملت میں اُس شہادت کے اثرات ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ انہی شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ" (البقرۃ) اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مُردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو شعور نہیں ہے کہ انہیں کس قسم کی پُر راحت اور باعزت زندگی نصیب ہے عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں تم اُن کے بلند و بالا درجات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے شہداء کی تعریف میں یہ بھی فرمایا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ اللہ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنے والوں کو مردہ خیال بھی نہ کرو، بلکہ انہیں تو اعلیٰ درجے کی دائمی زندگی حاصل ہے۔ چنانچہ یہاں پر یہی فرمایا گیا ہے کہ اے اہلِ ایمان! اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہو جو تمہیں حقیقی اور ابدی زندگی کی طرف بلا رہا ہے

نبی کی دعوت اور نماز

یہاں پر اطاعتِ رسول کے ضمن میں ایک اور مسئلہ بھی آتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابی ابن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں حضور علیہ السلام نے اُن کا نام لے کر بلایا۔ انہوں نے جلدی جلدی نماز

ادا کی اور حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ آنے میں دیر کیوں ہوئی، تو عرض کیا حضور! میں نماز میں مصروف تھا، اس لیے تاخیر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قرآن پاک میں نہیں پڑھا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
اے ایمان والو، اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں بلائیں مقصد یہ کہ جب حضور علیہ السلام نے تمہیں آواز دی تھی تو نماز چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جانا چاہیئے تھا، اس آیت میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح اور علامہ بیضاوی رح اپنی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں کہ جب اللہ کا رسول کسی مومن کو بلائے تو اسے فوراً نبی کے پاس حاضر ہو جانا چاہیئے اور نبی کی دعوت کو نماز پر ترجیح دینی چاہیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص تعمیل حکم نبوی میں نماز درمیان میں چھوڑ دیتا ہے تو کیا ادا شدہ حصہ نماز باطل ہو جائے گا؟ مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی نماز باطل نہیں ہوئی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول کسی ایسی چیز کی طرف بلا رہا ہے جو نماز سے بھی ضروری ہے کیونکہ نماز تو بعض دوسری وجوہات کی بناء پر بھی قطع کی جا سکتی ہے جیسے کہیں آگ لگ جانے کا خطرہ ہو، کوئی موذی جانور حملہ کر دے، کوئی اندھا آدمی کنوئیں میں گر رہا ہو، کسی کی جان جا رہی ہو، مال کا ضیاع ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں نماز کا ادا شدہ حصہ باطل ہو جائے گا مگر رسول اللہ کا حکم، ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی تعمیل میں نماز بھی باطل نہیں ہو گی۔ نبی کی بات سن کر ایسا آدمی پھر وہیں سے نماز شروع کر سکتا ہے جہاں سے توڑی تھی۔ بہر حال یہ نبی کے حکم کی تعمیل کا قانون ہے خواہ کوئی آدمی نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ قطع نماز کتنے نقصان پہ ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مومن کا ایک درہم یعنی چار آنے کا نقصان بھی ہو رہا ہو تو نماز توڑ کر اس نقصان کو

بچا لینا چاہیئے جبکہ کوئی بڑا نقصان متوقع ہو۔ اس طرح نماز تو ٹوٹ جائے گی مگر نبی کی آواز پر حاضر ہونے سے نماز میں بھی خلل واقع نہیں ہوگا۔

دلوں کی تبدیلی

فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جان لو کہ بیشک تم سب اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں سستی دکھاؤ گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان حائل ہو جائے اور تم سے تعمیل حکم کی توفیق ہی سلب کر لے اور پھر تم نیکی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ انسان کا دل تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کے حکم پر آمادۂ تعمیل نہیں ہوتا تو وہ اس دل کو پلٹ بھی سکتا ہے۔ دل کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ انسان کے ارادے کا مرکز یہی دل ہے اور اس کے ذریعے انسان نیکی یا برائی کی طرف جاتا ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں سکھایا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ[1] اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم فرما۔ آپ نے یہ دعا بھی سکھلائی یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ[2] اے دلوں کے پھیرنے والے مولا کریم! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے کہیں یہ الٹ ہی نہ جائیں جس طرح اہل کتاب کے دل نافرمانیوں کی وجہ سے معکوس ہو گئے اسی طرح ہمارے دلوں سے بھی نیکی کی توفیق سلب نہ ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں غفلت نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے درمیان حائل ہو کہ اس کی کیفیت ہی بدل دے اور پھر تم ہمیشہ کے لیے تعمیل حکم سے محروم ہو جاؤ۔

پوری قوم سے مواخذہ

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک اور تنبیہ بھی کی ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

[1] ترمذی ص ۵۰۷ [2] حصن حصین ص ۴۷۳ (فیاض)

لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً اس فتنے سے بچ جاؤ جو خاص طور پر صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا بلکہ اس میں پوری کی پوری قوم ملوث ہو جائے گی۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ دین میں خرابی نہ پیدا کرو، شرکیہ رسوم اور بدعات کو رواج نہ دو کیونکہ اس کا وبال صرف بدعت کرنے والوں پر ہی نہیں بلکہ پوری ملت پر پڑے گا اسی طرح جب دنیا میں کھلے عام برائی کا ارتکاب ہوتا ہے اور پھر لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام نہیں دیتے تو پھر پوری قوم اور جماعت مبتلائے سزا ہو جاتی ہے اور اس میں نیک و بد کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا قتل ناحق، زنا، شراب نوشی، شرک اور بدعات ایسی بیماریاں ہیں جن کی سزا پورے معاشرے کو بھگتنا پڑتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس فتنہ سے بچ جاؤ جو نہ صرف برائی کے مرتکبین کے لیے بلکہ پوری قوم کے لیے وبال جان بن سکتا ہے۔

ریاست کا فتنہ

مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جن فتنوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے ان میں ریاست کا فتنہ بھی شامل ہے۔ جب تک مسلمان جہاد کرتے رہے، جماعت درست رہی۔ مگر جب جہاد کو ترک کر دیا تو ریاست کا فتنہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں شروع ہونے والا فتنہ آج تک قائم و دائم ہے یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب تک مسلمان عامل بالجہاد رہے ریاست کا نظم و نسق ٹھیک طور سے کام کرتا رہا مگر جونہی جہاد کا جذبہ کمزور پڑ گیا تو اسی جگہ حرص و لالچ نے لے لی، ہر فرد اور پارٹی دوسری پر غالب آنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی اور اس طرح آپس میں قتال شروع ہو گیا جس کی وجہ سے دیگر بے شمار بیماریاں قوم میں در آئیں۔ پہلے تو مذہبی فرقے وجود میں آئے اور پھر سیاسی پارٹیاں بن گئیں اور آپس میں سر پھٹول ہونے لگا۔ اس کی مثال خود اپنے ملک میں دیکھ

ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہر جماعت اقتدار کی بھوکی نظر آتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اپنا حق سمجھتی ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری قوم مشکلات و مصائب کی چکی میں پس رہی ہے۔ نہ سیاسی طور پر سکون ہے نہ معاشی حالت اچھی ہے۔ معاشرہ فتنہ و فساد کا گہوارہ بن چکا ہے۔ قوم روبہ تنزل ہے اور اس میں صرف فتنہ پرداز ہی شامل نہیں بلکہ پوری کی قوم دینی معاشرتی اور معاشی لحاظ سے دیوالیہ بن چکی ہے۔ فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کوئی قوم اس قسم کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ کی گرفت بھی آجاتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔

اہل ایمان پر انعامات

آگے اللہ تعالیٰ نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ اس وقت کو یاد کرو جب تم بالکل قلیل تعداد میں تھے اور حالت یہ تھی مُسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تم زمین میں کمزور خیال کیے جاتے تھے تمہیں مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں پہنچ رہی تھیں تیرہ سالہ مکی دور میں وہ کون سے مصائب ہیں جو اہل ایمان نے برداشت نہیں کیے۔ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ تم ہر وقت اسی خوف میں مبتلا رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اچانک اچک لے جائیں گے — ہر وقت دشمن کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا ان حالات میں فَاٰوٰىکُمْ تمہیں ٹھکانا دیا۔ مدنی زندگی میں مرکزیت عطا کی، اس مقام کو مرکز اسلام اور مرکز اہل ایمان بنایا، تمہارے سروں سے خوف کو اتارا وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ اللہ نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری

تائید فرمائی، تم اللہ کی رضا کا پروگرام لے کر اُٹھے تو اللہ نے تمہاری مدد فرمائی وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاک چیزوں کی روزی عطا کی اس میں مالِ غنیمت بھی شامل ہے۔ اور جس کے متعلق امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور بعض دوسرے اصحاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال تمہارے لیے حلال وطیب قرار دے دیا تاکہ اسے استعمال کر سکو۔ اس کے علاوہ حلال و پاکیزہ روزی کے دیگر بہت سے وسائل بھی مہیا فرما کر تم پر احسان فرمایا۔

شکرِ خداوندی

فرمایا ان تمام احسانات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اُس نے تمہیں امن والا خطہ ارضی عطا فرمایا۔ اس میں حکومت دی، حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں، لہذا تمہارا فرض تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے۔ اور اس کی ادائیگی حقوق ادا کرنے سے ہوتی ہے۔ اللہ نے حکومت دی ہے تو اس کے شکرانے کے طور پر ملک میں امن و امان قائم کرو۔ انصاف مہیا کرو، عوام کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرو اور ان کے لیے پاک روزی کا بندوبست کرو۔ اس کے کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو۔ لوگوں کو برائیوں سے روکو، نیکی کی تلقین کرو۔ عقیدے اور نسل کی اصلاح کرو، اُس مالک الملک کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ سے لے کر قریباً چھ سو سال تک مسلمان اپنے اصولوں پر قائم رہے۔ اپنے اوپر عائد فرائض کی بجا آوری سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ اُن پر انعام و اکرام کی بارش کرتا رہا۔ پھر جب خود مسلمان ان اصولوں سے ہٹ گئے اللہ کے دین کی بلندی اور "كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" کی بجائے خود پرستی اور کنبہ پروری شروع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی رحمت کا ہاتھ اٹھا لیا، آج دنیا میں پچاس اسلامی ریاستیں ہیں مگر ایک بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالےٰ کے قائم کردہ معیار پر پوری اترے، ناشکری کا نتیجہ ہمیشہ ذلت کی صورت میں

نکلتا ہے۔ آج مسلمانوں کے پاس نہ تعلیم ہے نہ فن ہے۔ ہر معاملہ میں دوسروں کے محتاج ہیں۔ اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے۔ تجارت میں بے ایمانی ہے کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں، سارا نظام ہی بگڑا ہوا ہے۔ یہ ناشکری کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے نعمت دی ہے تو اس کا شکر بھی ادا کرو۔ ناقدری کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ گے، اس کی گرفت بڑی سخت ہے، وہ مجرموں کو معاف نہیں کرتا۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا
اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ
اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ
لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! مت خیانت کرو اللہ تعالیٰ سے اور رسول سے اور مت خیانت کرو اپنی امانتوں سے اور تم جانتے ہو ﴿۲۷﴾ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد میں آزمائش ہے اور بیشک اللہ کے پاس اجرِ عظیم ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو ! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو بنا دیگا وہ تمہارے لیے فیصلہ کُن بات اور دور کردیگا تم سے تمہاری برائیاں اور معاف کردیگا تمہارے گناہ ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۲۹﴾

ربطِ آیات

یہ سورۃ اور اگلی سُورۃ توبہ دونوں جہاد کے سلسلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سُورتوں میں اللہ نے دشمن کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ سب سے پہلا اصول ثابت قدمی تھا۔ کہ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر میدانِ جنگ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ ثابت قدم رہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون

مقرر کر دیا کہ دشمن اگر تعداد میں دگنے بھی ہوں تو ان کے خوف سے بھاگنے کی اجازت نہیں ہے جو شخص پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا وہ اکبر الکبائر کا مرتکب ہو کر جہنم کا مستحق ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا دوسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ بے عقل اور ناسمجھ ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ فرمایا یہود اور منافقین کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے احکام سن لیے حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جب کہ وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں تمہارے لیے ابدی زندگی ہے تعمیل حکم میں سستی نہ کرو، ورنہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ تمہارے دل کی حالت کو بدل دے اور تم سے نیکی کی توفیق ہی سلب کر لی جائے اس کے علاوہ گذشتہ درس میں اللہ نے اپنے بعض احسانات بھی یاد دلائے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا چوتھا اور پانچواں اصول بیان فرمایا ہے جس کا تعلق خیانت اور تقویٰ کے ساتھ ہے

حقوق اللہ میں خیانت

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول سے وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اور مت خیانت کرو اپنی امانتوں میں۔ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرنے کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ جنگ کی صورت میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اور اس میں خیانت قطعاً روا نہیں۔ مالِ غنیمت کا مفصل قانون تو آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے تاہم اجمالی طور پر سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی فرمایا گیا ہے "قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی مالِ غنیمت تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے حکم

کے مطابق اُس کا بنی تقسیم کرے گا۔ مالِ غنیمت میں خیانت سے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے شی اک من الناد وشی اکان من النار اگر مالِ غنیمت میں ایک تسمہ یا دو تسمے بھی بغیر اجازت کے اٹھائے گا تو جہنم کا باعث ہوگا۔ ایک غلام کو کسی نے تیر مار کر ہلاک کر دیا، لوگوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں مبارکباد پیش کی کہ آپ کا غلام شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا خبردار! اس شخص نے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر چوری کی تھی جو جہنم کی آگ بن کر اس پر لپٹ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بنی نوعِ انسان پر قائم ہونے والے تمام حقوق اور انسان نے اللہ تعالیٰ سے جو بھی عہد و پیمان کر رکھے ہیں اور اس کی الوہیت کا جو اقرار کیا ہے، وہ سب امانت ہیں۔ جو شخص اُن میں سے، کوئی ایک حق بھی ادا نہیں کرے گا۔ وہ خیانت کا مرتکب ہوگا۔ اگر کوئی نماز ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا یا وضو اور غسل صحیح طریقے سے نہیں کرتا، وہ خیانت کا مجرم ہوگا۔ اسی طرح جو کوئی نبی کے احکام اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ بھی خیانت کا مجرم سمجھا جائیگا۔ تمام معاملات بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔ دھوکہ بازی، مکاری اور خیانت جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔

حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذرؓ کا واقعہ تفاسیر کی کتابوں میں مذکور ہے حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بنو قریظہ پر چڑھائی کی جو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے متعلق جو فیصلہ سعدؓ بن معاذ کریگا وہ تمہیں قبول کرنا ہوگا۔ ابولبابہؓ کا یہودیوں کے ساتھ تجارتی لین دین تھا اور وہ ایک دوسرے کے دوست تھے۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہؓ سے مشورہ لیا کہ کیا انہیں حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیئے۔ اس پر حضرت ابولبابہؓ نے گلے کی طرف اشارہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے منہ سے کوئی بات نہیں کی تھی تاہم اس کا مطلب یہ تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ تمہیں مروا دیگا لہٰذا

اس معاملہ میں محتاط رہو۔ یہ اشارہ تو کر بیٹھے مگر بعد میں انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے یہودیوں کے حق میں بات کر کے خیانت کا ارتکاب کیا ہے چنانچہ انہوں نے سزا کے طور پہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک اللہ کا رسول مجھے خود اپنے دست مبارک سے نہیں کھولے گا، میں یہیں بندھا رہ کر جان دے دونگا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرتے رہے حتیٰ کہ چھ دن گذر گئے اور آپ پر بیہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی تو حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست مبارک سے ابولبابہؓ کی رسیاں کاٹ کر آزاد کیا۔ بہرحال فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔

حقوق العباد میں خیانت

وَلَا تَخُونُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ میں بندوں کے حقوق میں خیانت کا تذکرہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ یعنی جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے، لہٰذا کسی کو غلط مشورہ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق صحیح صحیح مشورہ دینا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی کو غلط مشورہ دے گا تو وہ اس کے حق میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔

حقوق العباد کے سلسلے میں خیانت کی مثالیں عام طور پہ دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔ شراکت دار آپس میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مختلف انجمنیں بنتی ہیں اور پھر اُن کے حصہ داران یا کارکنان خیانت کے ذریعے مال کھاتے ہیں۔ مسجدوں اور مدرسوں کے فنڈ میں خیانت ہوتی ہے یہ سب معاملات کی خیانت ہے اور قطعی حرام ہے۔

بعض لوگ اپنے فرائض میں کوتاہی کر کے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر آٹھ گھنٹے کام کرنے کا معاہدہ ہے تو پانچ گھنٹے کام کر کے

تین گھنٹے چوری کر لیے۔ ڈیوٹی میں کمی کرنا خیانت ہے اور ایسی کمائی حرام ہے۔ ووٹ جیسی قیمتی امانت کسی غیر مستحق کے سپرد کر دینا بھی خیانت میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" (النساء) یعنی اپنی امانتیں اُن لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی عہدے پر متعین ہے اور وہ اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر انجام نہیں دیتا تو وہ خیانت کا مجرم ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ منافق کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے۔ بہر حال اپنے اختیارات سے تجاوز کرنا، احکام کی خلاف ورزی کرنا، مالی مفاد کی خاطر غلط مشورہ دینا سب خیانت میں داخل ہیں جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول اور آپس کے معاملات میں خیانت نہ کرو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فلاح اسی میں ہے۔ اگر کسی بھی معاملہ میں خیانت کے مرتکب ہو گے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، دُنیا میں ذلیل ہو جاؤ گے اور آخرت میں عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔

مال اور اولاد کا فتنہ

فرمایا، یاد رکھو! خیانت اکثر مال اور اولاد کی محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے اکثر لوگ اولاد کی خاطر مال کے حصول میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو کہ بہت بُری بات ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ تمہارے مال اور اولاد خدا تعالیٰ کی جانب سے فتنہ کا باعث ہیں۔ ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔ سورۃ تغابن میں ہے "اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ" تمہارے بیوی بچے تمہارے دشمن ہیں۔ اِن کی محبت میں مبتلا ہو کر اگر خدا اور رسول سے خیانت کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ بیوی بچوں کے ساتھ نیکی کرنے کا

حکم ہے مگر اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں فرمایا اسی چند روزہ زندگی میں حقیر مال میں خیانت نہ کرو وَاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ اجر عظیم تو اللہ کے پاس ہے اگر خدا تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھوگے۔ مال و اولاد کے معاملہ میں خیانت نہیں کروگے بلکہ اللہ کی حدود کو قائم کروگے تو اس کے ہاں بہت بڑا اجر پاؤگے بہرحال یہ کامیابی کا چوتھا اصول کہ اللہ اور اسکے رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کے معاملات میں خیانت کا ارتکاب کرو۔

تقویٰ کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صلح و جنگ یا زندگی کے دوسرے معاملات میں کامیابی کے لیے پانچواں اصول بیان فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے ایمان والو! اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات بنادیگا معرکہ بدر اس کی زندہ مثال ہے۔ اس موقع پر اہل ایمان نے اللہ کی بارگاہ میں عاجزی، اخلاص اور تقویٰ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم عطا فرمائی اور مسلمانوں کے حق میں ایسا فیصلہ کیا جو ہمیشہ کے لیے یادگار بن گیا۔ اسی طرح جس میدان میں بھی تقویٰ اختیار کروگے، اللہ تعالیٰ تمہیں مشکلات سے نکالتا رہے گا اور تمہارے لیے کوئی اشتباہ نہیں رہنے دیگا۔ اور ہمیشہ تمہارے سامنے حق و باطل میں فیصلہ کن چیز رکھے گا۔ تقویٰ سے عام فہم مراد خدا کا خوف، کفر و شرک معاصی اور بدعات سے بچنا۔ شریعت کا احترام کرنا، حدود اللہ کا خیال رکھنا اور شبہات سے بچنا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا تقویٰ کا اہم جزو ہے۔ لہٰذا اگر ان باتوں پہ عمل پیرا رہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہمیشہ فیصلہ کن معاملہ کرے گا۔

فرمایا تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ تمہارے حق میں یہ ہوگا وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو مٹادیگا۔ تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرمائے گا۔ نیز وَیَغْفِرْ لَكُمْ تمہارے گناہ

بخش دے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے نتیجے میں تین انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ تمہارے حق میں فیصلہ کُن بات کرے گا دوسرا تمہاری برائیاں مٹا دے گا۔ اور تیسرا یہ کہ تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا کیونکہ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے مگر اس کا فضل انہی لوگوں کے شاملِ حال ہو گا جو صاحبِ ایمان اور صاحب تقویٰ ہوں گے۔

کوئی فردِ واحد ہو یا جماعت یا حکومت، اگر تقویٰ کے اصول پر کاربند نہیں ہوں گے تو ہر معاملہ میں گڑبڑ ہی رہیگی، کوئی فیصلہ کُن بات سامنے نہیں آئیگی۔ آج دُنیا میں جھگڑے، فساد، بے اطمینانی، معاشی بدحالی اور سیاسی ناپائیداری کا سبب یہی ہے کہ عام لوگ اور خود پردازانِ حکومت تقویٰ سے عاری ہو چکے ہیں اور مشکلات میں گرفتار ہیں۔

درس نہم ٩ — آیت ٣٠ تا ٣٤

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ
يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ
لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾
وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ
فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا
لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾

ترجمہ:۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ مخفی تدبیر کر رہے تھے آپ کے متعلق کافر لوگ تاکہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا آپ کو (ملک سے) باہر نکال دیں۔ اور وہ بھی مخفی تدبیر کرتے تھے اور اللہ بھی مخفی تدبیر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر مخفی تدبیر کرنے والا ہے (٣٠) اور جب اُن پر پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں تو کہتے ہیں، ہم نے سُن لیا

ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہ دیں۔ نہیں ہے یہ مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۳۱) اور (وہ بات بھی قابلِ توجہ ہے) جب کہا انہوں نے اے اللہ! اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو پھر برسا دے ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب (۳۲) اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ سزا دے اُن کو جب کہ آپ اِن میں موجود ہیں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ اِن کو سزا دینے والا جب کہ وہ بخشش مانگتے رہیں گے (۳۳) اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کو سزا نہ دے جب کہ وہ روکتے ہیں مسجدِ حرام سے اور نہیں ہیں یہ متولی اُس کے۔ درحقیقت نہیں ہیں اس کے متولی مگر وہ جو متقی ہیں لیکن اِن میں سے اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے (۳۴)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح کے پانچ اصول بیان فرمائے ہیں۔ پانچواں اصول خوفِ خدا یعنی تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا اور اُسی کی ذات پر بھروسہ رکھنا ہے۔ اگر اہلِ ایمان اس اُصول پر کاربند رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اِن کے لیے ہر چیز کو فیصلہ کُن بنا دیگا اور یہ چیز اِن کے باطن کے لحاظ سے نورِ بصیرت ہوگی۔ اِن کے دلوں میں ایمان کی حالت راسخ ہو جائے گی، حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا ہوگا اور خارجی دُنیا میں ہر قسم کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ یہی تقویٰ کا نتیجہ ہے اور یہی مدارِ فلاح ہے اِن کے لیے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوگی جس کی بین مثال غزوہ بدر ہے۔ اس جنگ میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضروری اسباب پیدا فرمائے جن کا اشارہ گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔ اس مشکل موقع پر اہلِ ایمان نے بے مثال تقویٰ اور توکل پیش کیا تھا نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بھی انہوں نے اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ رکھا تقویٰ کے راستہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا، تو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔

اسلام کے پودے کی نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اہل ایمان کی جن جن ذرائع سے مدد فرمائی، اُن کا ذکر آ رہا ہے، چنانچہ آج کے درس میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں مشرکین کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا ذکر بھی ہے اور اہل ایمان کی کامیابی کا بھی۔

حضور علیہ السلام کے خلاف مشورہ

ارشاد ہوتا ہے وہ بات اپنے سامنے رکھیں وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا جب کہ کافر لوگ آپ کے متعلق مخفی تدبیر کر رہے تھے عربی زبان میں مکر کا معنی مخفی تدبیر ہوتا ہے اگرچہ اس سے داؤ پیچ ہی مراد ہوتا ہے تاہم لفظی معنی تدبیر ہی ہے اُردو میں مکر سے مراد دھوکہ اور فریب ہوتا ہے جس کا اطلاق عربی کے مکر پر نہیں ہوتا عربی مکر کا اطلاق انسانوں پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی چنانچہ اکثر مقامات پر قرآن پاک میں آتا ہے وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ انہوں نے بھی مخفی تدبیر کی اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ اور اللہ تعالیٰ بہترین مخفی تدبیر کرنے والا ہے یہی مضمون اس آیت میں آگے بھی آ رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کی ہجرت کے پس منظر کی طرف اشارہ ہے کہ کفار مکہ نے آپ کے خلاف مختلف تجاویز پر مشورہ کیا اور پھر ایک فیصلہ پر اتفاق کر لیا۔ مکہ میں حضور کے آباؤ اجداد میں سے قصی ابن کلاب کا ایک مکان تھا۔ جسے اہم مشورہ کے لیے اسمبلی ہال کی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا اسے دارالندوہ یعنی مشورے کا گھر کہا جاتا تھا۔ جب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی اور اکا دکا لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو مکے کے مشرکوں کو اپنی سیادت کی فکر لاحق ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسلمان تعداد میں بڑھتے رہے تو ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ مکہ کے قدیم باشندوں پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ وہ اسلام کے اس نرم و نازک پودے کو ابتدا ہی میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے انہوں نے

عام مسلمانوں خصوصاً ضعفا پر بڑے مظالم ڈھائے بعض کو قتل بھی کیا۔ مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے بالآخر کسی فیصلہ کے لیے بڑے بڑے کفار ومشرکین ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور ابوالاسود وغیرہ اسی دار الندوہ میں مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے تاکہ حضور علیہ السلام کی ذات کے متعلق کوئی آخری فیصلہ کر سکیں۔

قید کی تجویز

جب اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی تو ابوالبختری نے رائے دی کہ حضور علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انہیں کسی کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے نہ یہ باہر نکل سکیں گے اور نہ اسلام کی آبیاری ہو گی۔ امام سہیلیؒ اور دیگر سیرت نگار اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ دار الندوہ میں جمع تھے تو ایک اجنبی شخص نے آکر دروازے پر دستک دی۔ پوچھنے پر اُس نے اپنا تعارف شیخ نجدی کے طور پر کرایا اور کہا کہ میں بھی تمہارے مشورے میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شائد کوئی اچھی رائے پیش کر سکوں۔ چنانچہ اُس نووارد کو بھی مشورے میں شامل کر لیا گیا۔ یہ شخص در اصل ابلیس لعین تھا۔ اور اسلام دشمنی میں اپنا رول ادا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب ابوالبختری نے حضور علیہ السلام کو قید کر دینے کی تجویز پیش کی تو اُس نے اور بعض دوسرے مشیروں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ قید کی صورت میں آپ کے ساتھی آپ کو رہا کرانے کی کوشش کریں گے اور اس طرح یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ اس مقام پر اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب کافر لوگ آپ کے متعلق مخفی تدبیر کر رہے تھے لِيُثْبِتُوكَ تاکہ آپ کو قید میں ڈال دیں۔

جلاوطنی

جب مذکورہ تجویز پر اتفاق رائے نہ ہو سکا تو ابوالاسود نے مشورہ دیا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلاوطن کر دینا چاہیے باہر جو مرضی کرتے پھریں، الکم از کم ہم تو روز روز کی سر دردی سے محفوظ ہو جائیں

گئے۔ اس پر شیخ نجدی اور بعض دوسرے مشیروں نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبان کے بڑے میٹھے ہیں، یہ جہاں بھی جائیں گے لوگ ان کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب وہ طاقت جمع کر کے تم پر حملہ آور ہو جائیں۔ لہذا بہتر ہے کہ ان کو اس قسم کا موقع ہی نہ دیا جائے جو ہمارے لیے کسی آئندہ زمانے میں بھی خطرے کا باعث ہو لہذا یہ تجویز بھی ناکام ہو گئی۔ اَوْ یُخْرِجُوْكَ میں اسی تجویز کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ابوجہل نے آپ کے قتل کا منصوبہ پیش کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان کا انتخاب کیا جائے جو اعلیٰ درجے کی تلواروں سے مسلح ہوں اور پھر ایک مقررہ وقت پر حضور علیہ السلام پر حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیں۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ اس قتل میں تمام قبائل شامل ہوں گے اس لیے حضور علیہ السلام کے خاندان والے کسی ایک سے قصاص کا مطالبہ بھی نہیں کر سکیں گے، البتہ ہم سب مل کر انہیں دیت ادا کر دیں گے۔ ابلیس نے اس رائے کی حمایت کی، چنانچہ اس کام کے لیے تاریخ مقرر کر دی گئی کہ فلاں رات کو فلاں فلاں نوجوان مسلح ہو کر آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیں گے اور جونہی آپ باہر نکلیں گے آپ کو ختم کر دیا جائیگا۔ اَوْ یَقْتُلُوْكَ کا یہی مطلب ہے

قتل کا منصوبہ

اسی واقعے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَیَمْکُرُوْنَ ادھر کفار مخفی تدبیر کر رہے تھے اور ادھر وَیَمْکُرُ اللّٰہُ، اللہ تعالیٰ مخفی تدبیر کر رہا تھا۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے سامنے کسی دوسرے کی تدبیر نہیں چل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ آپ کے دشمن بھی آپ کے خلاف مخفی تدبیر کر رہے تھے وہ آپ کو سولی پر لٹکانا چاہتے تھے مگر ادھر اللہ کی مخفی تدبیر بھی کام کر رہی

اللہ تعالیٰ کی تدبیر

تھی۔ وہاں بھی یہی الفاظ ہیں "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ"۔

بہر حال کفار نے اپنی خفیہ تدبیر کے مطابق رات کو حضور علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصوبے سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا اور آپ کو راتوں رات وہاں سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پہ لٹا دیا اور فرمایا کہ صبح یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا کیونکہ میں تو جا رہا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ بھی حکم دیا کہ مٹی کی ایک مٹھی لے کر محاصرے پر موجود آدمیوں کے سروں پر پھینک دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور سورۃ یٰسین کی آیت "وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ" کی تلاوت کرتے ہوئے اُن کے سامنے سے گذر گئے مگر انہیں خبر تک نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اُن کے آگے پیچھے پردے ڈال دیے، اُن پہ غنودگی طاری ہو گئی اور وہ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کے بستر پہ پایا۔ پوچھا آپ کے صاحب کدھر گئے حضرت علیؓ نے کہا مجھے کیا پتہ ہے۔ کافروں نے بڑی سختی سے پوچھنے کی کوشش کی مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

غارِ ثور میں قیام

حضور علیہ السلام اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ اُن کو ساتھ لیا اور مکہ سے پندرہ کلومیٹر دُور غارِ ثور میں راتوں رات پہنچ گئے۔ صبح کے وقت جب کفار کو آپ کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے مختلف راستوں پہ آدمی دوڑا دیئے تاکہ آپ کو روکا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے حضور علیہ السلام تین دِن تک غارِ ثور میں مقیم رہے اور پھر ایک غیر معروف

راستے پہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔ ابن ہشام اور دیگر مؤرخین نے اس راستے کی بھی نشاندھی کی ہے ۔ جس پر حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ کا سفر اختیار کیا ۔ یہ سب اللہ کی مخفی تدبیر تھی ۔ بدر کے مقام پر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا مگر اللہ نے وہاں بھی اپنی مخفی تدبیر کے ذریعے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا ۔

آیات قرآنی کا انکار

آگے اللہ تعالیٰ نے کفار کی ایک اور خصلت کا ذکر فرمایا ہے ۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں ۔ قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے تو تعصب اور عناد کی بنا پر کہتے ہیں ۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا کہ ہم نے سن لیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں ۔ نضر بن حارث کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایران میں کافی عرصہ تک رہ چکا تھا اور وہاں کے رستم و اسفندیار کے قصے خوب جانتا تھا ۔ جب حضور علیہ السلام لوگوں کے سامنے پرانی قوموں سے متعلق قرآنی آیات پیش کرتے تو نضر کہتا کہ محمد تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتا ہے ، آؤ میں تمہیں اس سے بہتر کہانیاں سناتا ہوں ۔ چنانچہ یہ شخص ایرانیوں کے پرانے قصے کہانیاں لوگوں کو سنایا کرتا تھا تاہم مشرکین کی اکثریت ایسی تھی جو قرآن پاک کی کسی بھی آیت کی مثال لانے سے عاجز تھی ، لہٰذا وہ آیات الٰہی کو سننے کے بعد یوں کہہ دیتے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو بس پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ۔ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اس کا معنی کہانی (STORY) ہوتا ہے ۔

مشرکین اپنے عقائد باطلہ پر بڑے راسخ تھے ، اپنی خود ساختہ چند رسوم

کو دین ابراہیمی سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے آپ کو حق پہ سمجھتے تھے۔ وہ الٹا مسلمانوں کو صابی کہتے تھے کہ انہوں نے آباؤ اجداد کے دین کو خراب کر دیا ہے۔ اکثر انبیاء کے متعلق اُن کی امتیں ایسا ہی گمان رکھتی تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کو یہی کہا تھا "یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (سورۃ ہود) اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے اُس واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہے، جب وہ بدر کی طرف نکلے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ جب انہوں نے کہا اے اللہ! اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ اگر محمد کا دین تیرے نزدیک برحق ہے، تو ہم تو اسے نہیں مانتے۔ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے۔ گویا کہ وہ لوگ اپنے عقیدے پر اتنے پکے تھے کہ خود اپنے لیے بد دعا کر رہے تھے۔ بعض دیگر انبیاء کی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ فرعون اور ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سَاحِرٌ كَذَّابٌ کہا، مشرکین نے حضور کا معجزہ دیکھ کر کہہ دیا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہ یہ چلتا ہوا جادو ہے۔

سزا کا خدائی قانون

فرمایا کہ مشرک تو اپنی زبان سے سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا قانون محض کسی کے طلب کرنے پر عذاب بھیج دینا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ دو وجوہات کی بنا پر عذاب کو ٹالتا رہتا ہے اور جب یہ وجوہات باقی نہیں رہتیں تو عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ عذاب سے بچے رہنے کی پہلی وجہ یہ ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ یعنی اے پیغمبر! جب تک آپ ان کافروں کے

درمیان موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کریگا۔ یہ نبی کی برکت ہوتی ہے کہ اس کی موجودگی میں عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا۔ پہلی قوموں میں بھی ایسا ہی ہوا ہے، جب نبی کو قوم سے الگ کیا گیا تو پھر ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق فرمایا "وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" (سورۃ ہود) جب حکم آگیا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچا لیا اور نافرمانوں کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں بڑی تکالیف برداشت کیں مگر جب تک آپ وہاں مقیم رہے کفار پر کوئی عذاب نہیں آیا۔ پھر جب آپ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تو صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں انہیں بدر کے مقام پر ایسی سزا دی جس میں ان کے ستر سرکردہ لیڈر مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خصوصیت عطا کی ہے کہ ان پر کوئی ایسا اجتماعی عذاب نہیں آئے گا جس میں پوری امت ہلاک ہو جائے، تاہم جزوی طور پر چھوٹی موٹی سزائیں آسکتی ہیں۔ سابقہ انبیاء کی قوموں کو مجموعی عذاب میں بھی مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ قوم عاد کی تباہی کے متعلق آتا ہے کہ ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل تیز ہوا چلتی رہی اور وہ لوگ اس طرح ہلاک ہوئے پڑے تھے جیسے کھجور کے بڑے بڑے تنے ہوں۔ فرمایا "فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ" (الحاقۃ) ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا بلکہ پوری قوم تباہ ہو گئی۔ قوم ثمود کا ابو رغال مسجد حرام میں ٹھہرا ہوا تھا، جب اس قوم پر عذاب آیا، ساری قوم اپنے مقام پر ہلاک ہو گئی اور یہ حرم میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ پھر جب یہ حرم سے نکل کر طائف کی طرف

جا رہا تھا تو اس پر بھی وہی عذاب آیا جو باقی قوم پہ آیا تھا اور یہ شخص راستے میں ہی ہلاک ہو گیا۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ پہلی پوری کی پوری قوموں پر عذاب نازل ہوا مگر میری امت پہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا مجموعی عذاب نازل نہیں کرے گا۔

فرمایا نافرمان قوموں پہ عذاب کے ٹلتے رہنے کی دوسری وجہ یہ ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو سزا نہیں دے گا جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے مشرک لوگ اپنے تمام تر شرک کے باوجود اپنی زبان سے غُفْرَانَكَ کہتے تھے یعنی اے اللہ! ہمیں معاف فرما دے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے انہیں سزا نہیں دی جائے گی البتہ جب استغفار ترک کر دیں گے تو سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

فرمایا وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کو سزا کیوں نہ دے وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو حرم شریف میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اس کے بعد ۶ھ میں جب حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے آئے تو مشرکین نے آپ کو راستے ہی میں روک دیا اور مسجد حرام میں عمرہ نہیں ادا کرنے دیا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ جب ان کے عناد کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے گھر میں اس کی عبادت سے روکتے ہیں تو پھر ان پہ عذاب آنے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

تولیت مساجد کا قانون

فرمایا یہ مسجد حرام سے روکتے ہیں وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ حالانکہ یہ لوگ مسجد حرام کے حقیقی متولی نہیں ہیں۔ یہ تو متسلط ہیں جنہوں نے اللہ کے گھر پہ زبردستی قبضہ کر رکھا ہے فرمایا اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

درحقیقت مسجد حرام کے متولی تو متقی لوگ ہیں جن میں حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضا، عمر فاروق رضا اور ان کے دیگر ساتھی ہیں مسجد حرام کے متولی فاسق، فاجر اور مشرک کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت سے عام مساجد کی تولیت کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کسی بھی عبادت خانے کا متولی وہ ہو سکتا ہے جو متقی ہو۔ مگر آج اکثر مساجد میں فاسق لوگ مسلط ہیں۔ نہ تو وہ خود نمازی ہوتے ہیں اور نہ ہی تولیت کے اہل۔ مساجد کی انجمنیں اکثر ایسے ہی ممبران پر مشتمل ہوتی ہیں، ہر کوئی زبردستی متولی بننے کی کوشش کرتا ہے جس کا نتیجہ فتنہ فساد کی صورت میں ہی نکلتا ہے اور تولیت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ بہرحال فرمایا! کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں، یہ لوگ تولیتِ مسجد کا حق نہیں رکھتے بلکہ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ان میں سے اکثر بے علم اور ناسمجھ ہیں۔ یہ لوگ محض اولاد ابراہیم علیہ السلام کے استحقاق کی بناء پر مسجد حرام کے متولی بنے بیٹھے ہیں حالانکہ اس کے صحیح حقدار وہ ہیں جو اصل دینِ ابراہیم پر قائم ہیں۔

احترام مساجد

آج کل اکثر لوگ مساجد کا احترام نہیں کرتے۔ دنیا کی باتیں اور شور وغل ہوتا ہے۔ گمشدگی کے اعلانات ہوتے ہیں۔ تجارتی بھاؤ بیان کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور نے فرمایا جو شخص گمشدگی کا اعلان کرتا ہے اس کے لیے بددعا کرو کہ خدا تمہاری چیز نہ لوٹائے۔ اسی طرح جو تجارت کے لیے اعلان کرتا ہے، اس کے لیے کہو کہ خدا تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ چھوٹے بچوں کو مسجد میں آنے سے اسی لیے روکا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے مسجد کا احترام پامال ہوتا ہے۔ پاگلوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے مسجد میں حد وغیرہ جاری کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے مسجدوں کا احترام باقی نہیں رہتا بہرحال مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد کا احترام ازحد ضروری ہے۔

لے قرطبی صفحہ ۲۸۲ ج ۱۱ (فیاض)

درس دہم ١٠ آیت ٣٥ تا ٣٧

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ
يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾
لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ
بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ
ع ۱۸ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ ع

ترجمہ :- اور نہیں ہیں اِن (مشرکینِ مکہ) کی نمازیں بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا (فرمایا اللہ تعالےٰ نے) پس چکھو سزا اس کے بدلے جو کچھ تم کفر کرتے تھے ﴿٣٥﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ، وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو تاکہ روکیں اللہ کے راستے سے۔ پس وہ خرچ کریں گے ، پھر ہوں گے (وہ مال) اُن پر حسرت کا باعث ، پھر یہ (بالآخر) مغلوب ہوں گے ۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ، اُن کو جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائیگا ﴿٣٦﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ جدا کر دے خبیث کو پاک سے اور رکھے خبیث کے بعض کو بعض پر ۔ پس اکٹھا کریگا اس سب کو پس کر دے گا اس کو جہنم میں ۔ یہی لوگ

ہیں نقصان اٹھانے والے (۳۷)

رابطِ آیات

گذشتہ درس میں حضور علیہ السلام کے واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ تھا جب کہ کفارِ مکہ آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مخفی تدبیر کو ناکام بنا دیا، اور حضور علیہ السلام کی حفاظت کے لیے ایسی مخفی تدبیر بنائی کہ آپ اُن کی آنکھوں میں مٹی ڈالتے ہوئے اُن کے درمیان سے نکل گئے۔ گذشتہ درس ہی میں اللہ نے مشرکین کے تعصب اور عناد کا ذکر بھی فرمایا اور یہ بھی کہ یہ لوگ فوری سزا کے مستحق ہیں مگر انکی سزا دو وجہ سے رُکی ہوئی ہے ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ کا پیغمبر اُن کے درمیان موجود ہے اور جب تک کسی بھی قوم کا پیغمبر ان میں موجود ہوتا ہے وہ قوم سزا سے بچی رہتی ہے اور پھر جب پیغمبر علیحدہ ہو جاتا ہے تو قوم سزا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اللہ نے مشرکین سے سزا کے ٹلے رہنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نازل نہیں کریگا۔ معافی کا قانون یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے ساتھ استغفار کرتا رہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کافر بھی ایسا کریں گے تو اُن کو بھی فوری سزا نہیں ملتی۔ اللہ نے مزید فرمایا کہ مشرکین مکہ خانہ کعبہ کے بزور متولی بنے ہوئے ہیں حالانکہ حقیقت میں بیت اللہ کے متولی وہ ہونے چاہئیں جو متقی اور پرہیز گار ہوں۔ مشرکین مکہ تو کفر اور شرک میں مبتلا ہیں، لہٰذا وہ بیت اللہ شریف کے متولی کیسے ہو سکتے ہیں؟ اتقا کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور بد عقیدگی سے محفوظ رہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ کبیرہ معاصی سے بچے اور تیسرا درجہ اتقاء کا یہ ہے، کہ انسان مکروہ، مشکوک اور شبہات سے بھی بچتا رہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ خانہ کعبہ کے متولی تو وہ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔ عام مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔ اِن کے متولین بھی متقی لوگ ہونے چاہئیں مگر آجکل اکثر مساجد کے منتظمین فاسق، فاجر، بے نماز اور شرائع الٰہیہ سے بے نیاز لوگ ہی ملتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اب لوگوں میں جذبۂ خدمت کی بجائے ذاتی مفاد پیش نظر ہے۔

مشرکین کی عبادت

اَب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عبادت کا ذکر فرمایا ہے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً
نہیں ہے اُن کی نماز بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے عبادت کے لیے خود ساختہ طریقے ایجاد کر رکھے تھے جو بذات خود آداب مسجد کے خلاف تھے۔ مثلاً اُن کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں ان کپڑوں کے ساتھ ہم بیت اللہ جیسے پاک مقام کا طواف کیسے کر سکتے ہیں؟ چنانچہ جن لوگوں کو قریش مکہ اپنے کپڑے عاریتاً دے دیتے تھے، وہ اُن کپڑوں کے ساتھ طواف کر لیتے تھے اور باقی حاجیوں کی غالب اکثریت اپنے کپڑوں میں طواف کرنے کی بجائے بالکل برہنہ طواف کرنے کو ترجیح دیتی تھی۔ چنانچہ مرد دن کے وقت بیت اللہ کا طواف کرتے اور عورتیں رات کے وقت۔ وہ بدبخت اس شنیع فعل کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ ہم اُس کے حکم سے ایسا کرتے ہیں حالانکہ گزشتہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ تو اس بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ ایسے عمل کو اللہ تعالیٰ یا شریعت کی طرف منسوب کرنا تو بہت بڑی زیادتی کی بات ہے۔

آداب مساجد

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب خود حضور علیہ السلام یا آپ کا کوئی صحابی بیت اللہ شریف کے پاس نماز کے لیے کھڑا ہوتا تو مشرک لوگ دخل اندازی کے لیے سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے تھے جو کہ نہایت ہی بے ادبی اور گستاخی کی بات تھی۔ مسجدوں کے آداب کے متعلق سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ اللہ تعالیٰ نے تو مساجد کو بلند رکھنے اور اُن میں اُس کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ وہاں سیٹیاں بجاتے

اور تالیاں پیٹتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو وہاں پر عبادت سے روک سکیں

جب بیت اللہ شریف کی عمارت حضرات ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی تو اللہ نے اپنے دونوں انبیاء سے وعدہ لیا "اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" (البقرہ) کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں گے۔ اس حکم میں ظاہری طہارت بھی آتی ہے کہ اللہ کا گھر ظاہری نجاست سے بالکل پاک صاف ہو اور باطنی طہارت بھی کہ وہاں پر کفر، شرک، بے ادبی اور گستاخی کی کوئی بات نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنے گھر میں بھی جو جگہ نماز کے لیے متعین کی جائے وہ بھی مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اس کو بھی پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔

صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے صحن میں پیشاب کر دیا حضور علیہ السلام کے صحابہ اُسے مارنے کے لیے دوڑے مگر آپ نے اُس پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ پھر اُس شخص کو اپنے پاس بلا کر بات سمجھائی کہ اللہ کے گھر اس لیے نہیں ہوتے کہ یہاں گندگی پھینکی جائے، یہ مقام تو اللہ کی عبادت، نماز اور ذکر کے لیے ہوتے ہیں۔ آپ نے بڑی نرمی سے سمجھایا، پھر مسجد کو صاف کرایا غرضیکہ مسجد میں تالیاں بجانا، سیٹیاں مارنا، دوڑنا، گندگی پھیلانا سب آداب کے خلاف ہے۔ اسی طرح پتنگ اڑانا، لڑائی جھگڑا کرنا، سامان بیچنا اور گمشدگی کا اعلان کرنا بھی خلاف ادب ہے حتیٰ کہ مسجد میں ہتھیار برہنہ کرنے اور حدود جاری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مسجد کا ادب اور خاص طور پر بیت اللہ شریف کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

سیٹیاں اور تالیاں

اللہ نے فرمایا کہ مشرکین کی نماز یہ ہے کہ بیت اللہ کے نزدیک

سیٹیاں اور تالیاں بجائی جائیں حضرت سعید ابن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ تصدیۃ سے مراد وہ آواز ہے جو ہاتھ مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تالیاں بجانے سے منع فرمایا ہے۔ اور صد کا معنیٰ روکنا بھی ہوتا ہے۔ ۶ھ میں مشرکین مکہ نے عمرہ کے لیے آنے والے مسلمانوں کو مکہ سے باہر ہی روک دیا تھا اور شہر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اِسی طرح مکاد کا معنیٰ منہ میں انگلی ڈال کر آواز نکالنا یا بنی ہنائی سیٹی بجانا ہے۔ مکاء اس پرندے کو بھی کہتے ہیں جو سیٹی کی سی آواز نکالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے اسباب تو ایسے جمع کر رکھے ہیں کہ یہ فوری سزا کے مستحق ہیں مگر دو وجوہات سے ان پر عذاب رکا ہوا ہے جب تک حضور علیہ السلام مکے میں موجود ہے اور جب تک مشرکین استغفار کرتے رہے اُن کی سزا رُکی رہی۔ پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر اُن پر عذاب نازل فرمایا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے انہیں ذلیل وخوار کیا۔ کفار کے سترستر کردہ آدمی قتل ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے جنہیں فدیہ لے کر چھوڑا گیا۔ اللہ نے فرمایا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۔ اب سزا کا مزا چکھو جو کہ تمہارے کفر کا بدلہ ہے۔

اللہ کے راستے میں رکاوٹ

جب کفار مکہ کو بدر کے میدان میں شکست فاش ہوئی تو اُن میں غیظ و غضب کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ ابوسفیان پچاس ہزار دینار مالیت کا سامان تجارت لے کر آیا تھا۔ مشرکوں نے کہا کہ اس قافلے کی حفاظت کے نام پر ہم پر وبال آیا ہے لہذا انہوں نے عہد کیا کہ یہ سارا مال مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی وہ اسلام کو مغلوب کرنے کے لیے مال خرچ کرتے رہتے تھے۔ اسی ضمن میں یہاں فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ ط یعنی کافر لوگ اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر غریبوں کی ہمدردی یا رفاہِ عامہ کا کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگ اس لیے کثیر مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جا سکیں اور یہ آگے نہ بڑھ سکے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ عرب کا ایک بہت بڑا شاعر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر کفار اُسے محض اس لیے آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے کہ اگر اُس نے اسلام کے مشن سے متاثر ہو کر کوئی قصیدہ کہہ دیا تو سارا عرب اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔ چنانچہ مشرکوں نے سو اونٹ اناج کے عوض اُس شاعر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روک دیا۔

یہود کا بھی یہی حال ہے۔ نصاریٰ آج کروڑوں روپے اسلام دشمنی پر خرچ کر رہے ہیں تاکہ دین کا راستہ روکا جا سکے۔ کہیں تعلیم کے نام پر روپیہ صرف ہو رہا ہے، کہیں ہسپتال قائم کر دیئے ہیں اور کہیں کثیر تعداد میں لٹریچر شائع کر کے پڑھے لکھے لوگوں تک مفت پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے غیر مسلم افراد، پارٹیاں اور حکومتیں بے دریغ روپیہ خرچ کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے تبلیغی مراکز قائم ہیں جہاں سے افریقہ جیسے پس ماندہ ممالک میں تبلیغی مشن بھیجے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں یہ جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے زمانہ میں ہر مسلمان اپنے اندر جذبہ ایمان رکھتا تھا اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔ انڈونیشیا، جاوا اور سماٹرا وغیرہ میں اسلام مسلمان تاجروں کی بدولت پھیلا۔ وہ تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا کام بھی کرتے تھے مگر اب یہ ذمہ داری حکومتوں پر ڈال دی گئی ہے

اور اُن کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ حکومتوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں ارتداد کو بھی نہیں روک سکیں۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا تو اس وقت یہاں کتنے عیسائی تھے اور اب اس تعداد میں کتنے گنا اضافہ ہو چکا ہے، کسی نے آج تک اس طرف توجہ نہیں دی۔ کسی نے ارتداد کو روکنے کی کوشش نہیں کی، یہ تبلیغ دین کا کام کیا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کافر لوگ لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ شکیب ارسلان نے اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں لکھا ہے کہ یورپ کی عیسائی مشنریوں نے اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع کر کے تقسیم کی ہیں تاکہ کسی طرح قرآن پاک کا پروگرام آگے نہ بڑھنے پائے۔ اور حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ لوگوں کے سامنے مشتبہ حالت میں آئے۔ ذرا غور فرمائیں کہ مسلمان حکومتیں اور عوام اس ضمن میں کتنی کوشش کر رہے ہیں اور کتنا مال صرف کر رہے ہیں؟ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی کاوش ایک دو فیصدی سے زیادہ نہیں ہے حالانکہ دین کی تعلیم اور تبلیغ اتنی عام ہونی چاہیے جس سے قرآنی پروگرام دنیا کے چپے چپے میں متعارف ہو جائے۔

اسلام کا تبلیغی مشن

تیسری صدی کے حالات کے مطابق جو جنگی قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آتے تھے انہیں اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں کی حفاظت اور امداد کے ساتھ رہیں اور چاہیں تو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ جب لوگ مسلمانوں کے ساتھ رہنا پسند کرتے تھے تو اہل ایمان کو بڑی خوشی ہوتی تھی برخلاف اس کے جو لوگ اپنے دین پر پلٹ جانا چاہتے ان پر مسلمانوں کو بڑا دکھ ہوتا تھا مگر آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ جب کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتا ہے تو کسی مسلمان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ارتداد کے اسباب کا جائزہ لینا اور پھر اس کا سد باب کرنا تمام مسلمانوں کی مشترکہ ذمہ داری

ہے مگر حکومتیں یہ ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں میں بیماریں کے علاج اور محتاجوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیماری اور غربت سے تنگ آکر لوگ عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل موجود ہیں مگر یہ انہیں بروئے کار نہیں لاتے۔ تبلیغ دین کے لیے مسلمانوں کی مساعی ایک دو فیصدی سے زیادہ نہیں ہے تبلیغی جماعتیں اپنے طور پر حتی المقدور تبلیغ کا کام کر رہی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے میوات جیسے پس ماندہ علاقے میں پچیس سال تک تبلیغِ دین کا کام کیا اور اس جذبہ کو دنیا میں پھیلانے کی سعی کی۔ آپ انتہائی درجے کے خدا پرست انسان اور بڑا بلند جذبہ رکھنے والے تھے۔ ان کی کوششوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ تبلیغی مشن کامیابی کی منازل طے کر رہا ہے۔ ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے بھی اس کام کے لیے زندگی وقف کر دی۔ ان بزرگوں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہ مشن مفید کام انجام دے رہا ہے، ورنہ حکومتی سطح پر یہ کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ عام لوگ جو تبلیغی مشن پر روانہ ہوتے ہیں انہیں دوسروں کی نسبت اپنی اصلاح کی زیادہ فکر کرنی چاہیئے۔ اسلام میں ذاتی اصلاح اور پھر اصلاحِ عالم دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا کے لوگ اسلام کے پرچم تلے جمع ہو کر جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ یہ اسلام کا عالمی پروگرام ہے۔

کفار کی حتمی ناکامی

بہرحال اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اسلام کا راستہ روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں فَسَيُنْفِقُونَهَا پھر وہ خرچ کریں گے ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً پھر وہ اُن کے لیے حسرت کا باعث ہوگا اور بالآخر وہ حق کے مقابلے میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اس دنیا میں چند روزہ

مہلت مل جائے اور یہاں انہیں جلدی سزا نہ ملے مگر اللہ کی مصلحت یہی ہے کہ ثُمَّ يُغْلَبُونَ آخر کار وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔ فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ وہ سب جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ جہاں انہیں اپنے کیے کا کا بھگتان کرنا ہو گا۔

فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہو گا لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے ممتاز کر دے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیگا۔ سب کے اچھے اور بُرے اعمال سامنے آجائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے پاک لوگوں کو اُن کے مرکز حظیرۃ القدس میں اور ناپاک لوگوں کو اُن کے مرکز جہنم میں پہنچائے گا۔ نیک اعمال کے اثرات جنت میں ظاہر ہوں گے اور بُرے اعمال کے نتائج کا ظہور جہنم میں ہو گا۔ اسی لیے فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے ممتاز کر دے۔ اور ساتھ یہ بھی ہو گا۔ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ اور اللہ تعالیٰ ڈال دے گا بعض خبائث کو بعض پر یعنی انسانوں کے تمام بُرے اعمال کو ایک دوسرے پر ڈال دے گا فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا پھر اُن سب کو ڈھیر بنا دے گا، اکٹھا کر دیگا۔ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ اور کر دیگا اُن کو جہنم میں مطلب یہ ہے کہ آخر کار وہ وقت بھی آجائے گا جب اللہ تعالیٰ تمام کفار، اُن کے معبودانِ باطلہ، اُن کے اعمالِ سیئہ اور اُن کے اموال کو جہنم رسید کر دیگا۔

فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ حقیقت میں نقصان اٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔ یہ خود کفر کے پروگرام پر چل رہے ہیں اور اسی کو دُنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں تاکہ یہ آگے نہ بڑھ سکے۔

پاک و ناپاک
میں امتیاز

یہ کامیابی کا پانچواں اصول تھا کہ "اے ایمان والو! اگر تقویٰ کی راہ اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے فیصلہ کن بات رکھے گا، اس کی بعض ذیلی باتیں بھی آج کے درس میں بیان ہوگئی ہیں۔ جب مسلمان ان مسلمہ اصولوں پر قائم تھے تو انہیں دُنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوئی جیکی اولین مثال میدانِ بدر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کے لیے اسباب پیدا فرمادیے اور کفار ومشرکین ذلیل وخوار ہوئے۔"

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ
سَلَفَ ۚ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ
كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ
بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾

ترجمہ :۔ (اے پیغمبر) آپ کہ دیں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ، اگر وہ باز آجائیں تو معاف کر دیا جائے گا جو پہلے ہو چکا ہے ۔ اور اگر وہ پلٹ کر کریں گے (وہی بات) پس تحقیق گزر چکا ہے دستور پہلے لوگوں کا ﴿۳۸﴾ اور (اے اہل ایمان!) لڑو اُن (کفر و شرک کرنے والوں) سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے اطاعت سب کی سب اللہ کے لیے ۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اُسے دیکھتا ہے ﴿۳۹﴾ اور اگر وہ رو گردانی کریں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا آقا ہے ۔ وہ بہتر آقا ہے اور بہتر مددگار ﴿۴۰﴾

ربطِ آیات گذشتہ درس میں اس بات کا ذکر کیا گیا تھا کہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے خرچ کرتے ہیں ۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کا خرچ کیا

ہوا یعنی مال ان کیلئے حسرت کا باعث بن جائے گا۔ یہ لوگ دنیا میں بھی اسلام کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں اُن کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے گا اور پھر ہر ایک کو اپنے اپنے مرکز اور ٹھکانے تک پہنچا دے گا۔ خبیث انسان ہو یا مال یا اُن کے عقائد سب کو ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

معافی کی گنجائش

اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا آپ ان کافروں سے کہہ دیں اِنْ يَّنْتَهُوْا اگر یہ کفر اور شرک سے باز آجائیں۔ دین کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور فتنہ و فساد کو ترک کر دیں يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ تو اُن کی سابقہ غلطیاں معاف کر دی جائیں گی۔ یہ لوگ پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ اگرچہ عداوت اور سرکشی کا سلوک کرتے رہے ہیں تاہم اللہ تعالیٰ ایمان لانے کی بدولت اُن کے سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ حضور علیہ السلام کا بھی فرمان ہے اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ سچے دل سے ایمان لانا سابقہ غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر یہ کفار و مشرکین اب بھی باز آجائیں اسلام کی مخالفت ترک کر کے اُسے قبول کر لیں تو اُن سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

سرکشی کا وبال

فرمایا وَاِنْ يَّعُوْدُوْا اگر یہ لوگ پلٹ کر اسی طرح لوگوں کو اسلام کے راستے سے روکیں گے، جنگ و جدال کا بازار گرم کریں گے، فساد فی الارض کے مرتکب ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ کہ پہلے لوگوں کا دستور گزر چکا ہے۔ یعنی اس سے قبل بھی جن لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور اُن کے ساتھ عداوت رکھی وہ بالآخر ذلیل و خوار ہوئے، اسی طرح یہ لوگ بھی اگر اپنی حرکات پر مصر رہے تو اللہ کی گرفت سے نہ بچ نہیں سکیں گے بلکہ کسی نہ کسی سزا میں ضرور مبتلا ہو کر

رہیں گے۔ یہی سنت اللہ اور یہی ایام اللہ ہے۔ اللہ نے نافرمان لوگوں کا قرآن پاک میں بار بار تذکرہ کر کے خبردار کیا ہے کہ جو کوئی اُن کے راستے پر چلے گا، خدائی دستور کے مطابق اس سے ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔

فساد کی بیخ کنی

آپ کو یاد ہوگا کہ جہاد کا پانچواں اصول یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے فیصلہ کن بات ظاہر کر دے گا، تمہیں غلبہ نصیب ہوگا اور تمہارے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ اسی اصول کی جزئیات کے طور پر ارشاد ہوتا ہے وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ "کفار و مشرکین سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔ فتنہ سے متعلق پیچھے تیسرے رکوع میں بھی گزر چکا ہے وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی یاد رکھو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ کا لغوی معنی سونے کو کٹھالی میں ڈال کر پگھلانا ہے تاکہ اس کی میل کچیل صاف ہو جائے اور یہ چیز آزمائش کا باعث ہوتی ہے، چنانچہ انسان کا مال اور اس کی اولاد اس کے لیے آزمائش کا باعث ہوتے ہیں۔ انسان ان دو چیزوں کی وجہ سے کئی قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اولاد کی خاطر دھوکہ، فریب اور چوری کا ارتکاب کرتا ہے اور مشتبہ اور حرام مال کے حصول سے بھی اجتناب نہیں کرتا۔ مال اس لحاظ سے آزمائش ہے کہ اسی کی وجہ سے انسان میں غرور و تکبر اور سرکشی آتی ہے۔ البتہ اہل ایمان کے لیے حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے ونعم صاحب المسلم هو لمن اعطى منه المسكين واليتيم وابن السبيل مال مسلمان کے لیے اچھا صاحب ہے مگر اس کے لیے جو یتیم اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کرتا ہے۔ چونکہ اکثر لوگ مستحقین کا حق ادا نہیں کرتے لہٰذا وہ مال کے فتنہ میں مبتلا رہتے ہیں۔

فتنہ سے مراد شرک ہے

حضرت امام حسن بصریؒ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ آپ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ آپ غلام اور لونڈی زادے تھے آپ نے ام المؤمنین ام سلمہؓ کا دودھ پیا۔ آپ بڑے عالم، زاہد اور متقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا اعزاز بخشا، حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے درمیان حسن بصری موجود ہوں تو کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے، انہی سے تمام مسائل دریافت کیا کرو۔ بزرگوں کے تمام سلاسل چشتیہ، قادریہ وغیرہ کی انتہا حضرت حسن بصریؒ پر ہوتی ہے اور یہ سلسلہ حضرت علی اور حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ بہرحال حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس مقام پر فتنہ سے مراد شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اس طرح ہے کہ کفار و مشرکین سے جنگ جاری رکھو حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ حتیٰ کہ شرک کا غلبہ باقی نہ رہے۔

جزیہ کا مسئلہ

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کفار و مشرکین سے جزیہ قبول کر کے انہیں اسلامی حکومت کی پناہ میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عرب کے کفار و مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ یا تو ایمان قبول کر لیں یا وہ اسلام کا مرکز یعنی عرب کا خطہ چھوڑ جائیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر انہیں ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مرکز دین میں دو دین اکٹھے نہیں چل سکتے۔ البتہ عجم کے غیر مسلموں سے جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بطور وصیت ارشاد فرمایا کہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ پھر آپ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں فرمایا اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ یعنی یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرو، حضرت عمرؓ نے اس وصیت

پر عمل کرتے ہوئے خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا جو تیما اور فلسطین وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے اور اس طرح عرب کا خطہ ان سے پاک ہو گیا۔ بہر حال شرک کفر سے بھی بڑا فتنہ ہے کیونکہ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (سورۃ لقمان) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور کافروں کے متعلق وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ کفر کا معنیٰ اللہ کے دین اور شریعت کا انکار کرنا اور شرک سے مراد اللہ کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ہے فرمایا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، لہذا جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ یہ باقی نہ رہے

فتنہ سے مراد بدامنی ہے

بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر فتنہ سے مراد فساد، سرکشی، بغاوت اور بدامنی ہے۔ لہذا جب تک دنیا میں امن وامان قائم نہ ہو جائے اُس وقت تک کفار و مشرکین سے برسر پیکار رہو اسلام کے راستے میں رکاوٹ بھی سمجھا فساد اور بدامنی کا پیش خیمہ ہے، لہذا آیت کریمہ کا یہ مطلب بھی ہے کہ اُس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک تبلیغ دین کے راستے میں کوئی بھی رکاوٹ موجود ہو جب دین کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، اسلام کی تبلیغ کا راستہ روکنے والا کوئی باقی نہ رہے تو اس وقت جہاد کو موقوف کرنے کی اجازت ہے امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اخلال بالشرائع یعنی اللہ کے دین اور شریعت میں خلل ڈالنے کا نام فساد فی الارض ہے۔ اگر کسی جگہ اللہ کے دین کی عملداری نہ ہو تو وہاں پر ایسے قانون کے نفاذ کے لیے جہاد ضروری ہو جاتا ہے۔ جہاد ہی ایسا عمل ہے جو چوری، ڈاکہ، زنا، قتل ناحق اور فتنہ و فساد کا قلع قمع کریگا لہذا جہاد ایک ضروری عمل ہے۔ اگر قانونِ الہیٰ کی خلاف ورزی اندرونِ ملک سے ہوتی ہے تو اُسے تعزیر کے ذریعے درست کیا جائیگا۔

اور اگر قانونِ الٰہی کی مزاحمت بیرونِ ملک سے ہو تو پھر ایسی طاقتوں کے خلاف جہاد فرض ہوتا ہے۔ مقصد بہرحال یہی ہے کہ دُنیا سے فتنہ فساد، کفر شرک، بغاوت و سرکشی کا دور دورہ ختم ہو کر اللہ کی زمین امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔

دین کی سربلندی

فرمایا جہاد کی ایک غرض تو یہ ہے کہ زمین پر فتنہ باقی نہ رہے اور دوسری یہ کہ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ اور اطاعت سب کی سب اللہ کے لیے ہو جائے۔ جب کسی قوم، سوسائٹی یا ملک میں اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دوسرا قانون نافذ ہو گا۔ تو یہ غیر اللہ کی اطاعت ہو گی اور اللہ تعالےٰ کی مکمل اطاعت نہیں ہو گی۔ اس وقت پاکستان میں انگریز کا قانون رائج ہے تو یہ انگریز کی اطاعت ہے اور اگر مارشل لاء کا ضابطہ ہے تو یہ بھی غیر اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اُس وقت ہو گی جب مکمل طور پر اللہ کے دین کی حکمرانی ہو گی اور ملک میں شریعت مطہرہ کو بالادستی اور سربلندی حاصل ہو گی۔ جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اُس وقت تک جہاد کا حکم باقی ہے۔

سورۃ انفال اور توبہ میں صلح و جنگ سے متعلق کل تیرہ اصول اور کچھ ضمنی باتیں بیان کی گئی ہیں اور ان تمام کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ آگے بتایا جائیگا کہ جہاد سے مراد ملک گیری نہیں، نہ محض لونڈیاں اور مال و دولت حاصل کرنا ہے اور نہ کسی قوم کا محض خاتمہ مطلوب ہے، بلکہ جہاد کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین سربلند و غالب ہو اور اللہ کی بات ہی اونچی ہو۔ اس کے مقابلے میں شیطان اور غیر اللہ کی بات پست ہو جائے۔ اس لحاظ سے جہاد ایک عبادت بھی ہے اور جملہ پانچ عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد میں ایک ہے آگے مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ بھی آئے گا مگر یہ بھی ضمنی بات ہے اصل چیز یہی ہے کہ اللہ کا

دین سر بلند ہو جائے اور اطاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ جب تک اہل اسلام جہاد پر عمل پیرا رہیں گے، ان کو دنیا میں عزت و وقار حاصل رہیگا، جب جہاد کو ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔

اچھی تعلیم و تربیت

تاریخ شاہد ہے کہ جب سے مسلمانوں پر تنزل کی فضا چھائی ہے ان کا دین رہا نہ اخلاق۔ ان کی تربیت ہی ختم ہو گئی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے بچے کو مختلف مواقع پر انعامات دیتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب کی ایک بات سکھلا دے یہ اُس کے لیے ایک صاع اناج صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے کیونکہ اس سے محتاجوں کی حاجت براری ہوتی ہے۔ لیکن ادب کی ایک بات اس سے بھی بہتر ہے، شرح السنۃ میں یہ حدیث موجود ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ والدین سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی اولاد کی کیسی تربیت کی۔ اور اولاد سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے والدین کی کہاں تک اطاعت کی۔ لہٰذا چھوٹی عمر یعنی چودہ سال تک بچے کی تربیت والدین پر لازم ہے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائے اور سوسائٹی کا ممبر بن جائے تو خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ والدین کے علاوہ جماعت اور سوسائٹی پر بھی لازم ہے کہ وہ لوگوں کی اچھی تربیت کا انتظام کرے۔ یہ ذمہ داری حکومت پر بھی عائد ہوتی ہے کہ نظام تعلیم ایسا ہو کہ جس میں بچے کی تعلیم و تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔ مگر یہاں تو ذریعہ تعلیم ہی انگریزی ہے جو کہ شیطانی طریقہ ہے اور سکولوں اور کالجوں میں یہی رائج ہے۔ اس سے اچھے معاشرے کی تشکیل کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اس نظام تعلیم کے ذریعے تو نظام حکومت چلانے والے بیوروکریٹ ہی پیدا ہوں گے حالانکہ اسلامی طرز حکومت کے لیے اسلامی طرز تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے جس کو اپنانے کے لیے ہر حکومت گریزاں رہی ہے ہمارے سامنے

اولیاء اللہ کی مثالیں موجود ہیں جن کی تربیت اچھے لوگوں نے اچھے طریقے سے کی لہذا وہ خود اخلاق کی بلندیوں تک پہنچے اور دوسروں کے لیے لائحہ عمل چھوڑ گئے۔ بہرحال فرمایا کہ کفر و شرک سے لڑتے رہو یہاں تک کہ اطاعت پوری کی پوری اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔

کارساز و مددگار

فرمایا فَإِنِ انتَهَوْا اگر کافر و مشرک لوگ کفر و شرک سے باز آجائیں فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ تو ان کے ہر کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کس شخص میں کتنا خلوص اور کتنا نفاق ہے اور وہ کفر و شرک سے باز آگیا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی اور بیرونی حالات سے واقف ہے۔ فرمایا وَإِن تَوَلَّوْا اگر وہ اللہ کی بات سے روگردانی کریں گے فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ تو جان لو کہ تمہارا کارساز اور آقا اللہ ہی ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ کوئی معمولی کارساز نہیں بلکہ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وہ بہترین کارساز ہے وَنِعْمَ النَّصِيرُ اور بہترین مددگار ہے۔ اگر تم دین کی مدد کے لیے آگے بڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی تائید، اقامت دین اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے لیے کمربستہ ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور تمہارے شامل حال ہو گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ :- اور اچھی طرح سے جان لو کہ بیشک جو تم نے حاصل کیا غنیمت میں سے پس بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور اللہ کے رسول کے لیے ، اور اللہ کے رسول کے قرابتداروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جس کو ہم نے اتارا اپنے بندے پر فیصلے کے دن ، جس دن کہ دو جماعتیں آپس میں ملیں ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۴۱﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں جہاد کی غایت بیان کی گئی کہ اس سے مقصود فتنہ و فساد کو مٹانا ہے تاکہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور زمین میں اسکے دین کو غلبہ حاصل ہو۔ اگر اہل ایمان اس نیت اور ارادے کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُن کی مدد کرے گا اور انہیں کامیابی سے ہمکنار کرے گا کیونکہ نِعْمَ الْمَوْلٰى اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھا آقا وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اور بہت ہی

اچھا مدد کرنے والا ہے۔

انفال غنیمت اور فئے

جہاد کے ضمن میں غنیمت کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیت یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ میں بھی مالِ غنیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہاں پر صرف جماعتی نظم و نسق کے اعتبار سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تقسیمِ غنیمت کے معاملہ میں اہلِ ایمان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جس طرح چاہے اس کا فیصلہ کرے۔ جماعت المسلمین کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔ اب آج کے درس میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآنِ پاک میں مالِ غنیمت کے متعلق تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سورۃ میں انفال اور غنیمت کے الفاظ ہیں جب کہ سورۃ حشر میں فئے کا لفظ آیا ہے۔ جو مال دشمن کے ساتھ جنگ کر کے حاصل کیا جائے وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال صلح و صفائی کے ساتھ کسی معاہدہ کے تحت حاصل ہو اُسے فئے کہتے ہیں اور انفال کا اطلاق دونوں قسم کے اموال پر ہوتا ہے۔

سابقہ امتوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اس قسم کے جمع شدہ مال کو ٹھکانے لگانے کا طریق کار یہ تھا کہ اسے کسی خاص مقام پر ڈھیر کر دیا جاتا جسے غیبی آگ آکر جلا ڈالتی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہماری امت میں ایسے مال کا حکم یہ ہے فَلَمَّا رَاَی ضُعۡفَنَا وَعَجۡزَنَا پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھا تو مالِ غنیمت کو ہمارے لیے حلال و طیّب قرار دے دیا، لہٰذا یہ آخری امت اس مال سے استفادہ کر سکتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا قانون بیان فرما دیا ہے۔ مالِ فئے چونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس میں مجاہدین کا حصّہ

نہیں ہوتا بلکہ وہ سارے کا سارا اجتماعی رفاعی امور میں استعمال کیا جاتا ہے ایسے امور میں جہاد بھی شامل ہے، غرباء و مساکین کی امداد بھی معاشرے کی مجموعی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ مساجد و مدارس کی تعمیر ہسپتال، مسافر خانے اور پانی کی بہم رسانی وغیرہ پر بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

مال غنیمت کا سخت حکم

مال غنیمت کی تقسیم کا قانون اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکم بڑا سخت ہے اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کوئی شخص اپنی مرضی سے ایک سوئی یا جوتے کا تسمہ بھی نہیں لے سکتا۔ یہ حرام ہے۔ مال غنیمت میں خیانت کرنے کو چوری سے بھی سخت جرم قرار دیا گیا ہے۔ مال غنیمت کی چوری کرنا جہنم کا نشانہ بننا ہے فرمایا کہ مال غنیمت کا ایک دھاگہ یا سوئی بھی کسی کے پاس ہو تو وہ لاکر رکھ دے فانہ عار وشنار یوم القیمۃ کیونکہ ایسی معمولی سی خیانت بھی شرم کی بات ہوگی اور اس کا بڑا وبال پڑے گا حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے شراك من النار وشراكان من النار مال غنیمت میں سے جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی اٹھائے ہیں تو وہ جہنم میں لے جائیں گے۔ ایک موقع پہ ایک شخص نے مال غنیمت میں سے کوئی معمولی سی چیز اٹھالی۔ اس کے بعد مال تقسیم ہوگیا، اس شخص کو بعد میں خیال آیا کہ اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے چنانچہ وہ چیز حضور کی خدمت میں لے آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا اب میں اس کا کیا کروں، یہ تو جہنم کا مال ہے حضور علیہ السلام نے اونٹ کی اُون سے ایک بال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مال میں میرا تو اتنا بھی حق نہیں یعنی میرا ذاتی کوئی اختیار نہیں، یہ مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم ہوتا ہے

حضور علیہ السلام کا ایک غلام جہاد میں مارا گیا، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دی کہ آپ کا غلام دشمن کے تیر سے ہلاک ہوگیا۔ آپ نے

فرمایا کلاّ وہ شہید نہیں ہے بلکہ وہ تو جہنم میں پڑا ہے کیونکہ اُس نے مال غنیمت سے ایک چادر چوری کر لی تھی۔ اب وہی چادر جہنم میں آگ کے شعلے بن کر اُس کے جسم کے گرد لپٹ رہی ہے۔ یہ سُن کر لوگ بڑے خوفزدہ ہوئے اور اس کے بعد کسی شخص نے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز بلا اجازت و تقسیم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

تقسیم مال سے پہلے کوئی چیز حاصل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ چیز امیر لشکر یا حاکم وقت کی اجازت سے حاصل کی جائے۔

مالِ غنیمت کے حصص

مالِ غنیمت کا مسئلہ سب سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا یہ قانون بیان فرمایا۔ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ خوب جان لو! تمہیں جو چیز بھی غنیمت میں حاصل ہو، اسلحہ ہو یا اشیائے خورد و نوش یا دیگر سامان فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اُس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی نیاز ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کل مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے چار حصے تو جہاد میں شریک ہونے والے غازیوں میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ ان مدات پر خرچ کیا جائے گا۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن حصہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام سرفہرست ہے مگر یہ محض تبرک کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ ہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور اسے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کے حصے سے مراد ہے کہ اسے نیکی کے کاموں پر صرف کیا جائے۔ اس حصہ مال کو خانہ کعبہ پر خرچ کیا جائے کہ وہ اللہ کا گھر ہے اور خانہ کعبہ دور ہو تو دیگر مساجد پر خرچ کر دیا جائے تاہم زیادہ تر فقہائے کرام اس طرف گئے ہیں کہ فی الحقیقت اس مال میں اللہ کا حصہ نہیں ہے اور یہاں اس کا ذکر

محض تبرک کے طور پر کیا گیا ہے۔

فرمایا اس خمس میں اللہ کا حصہ ہے وَلِلرَّسُوْلِ اور اللہ کے رسول کا حصہ ہے۔ رسول اللہ کا نائب ہے جو اس کے احکام مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ لہذا ایک حصہ اُس کے ذاتی مصارف کے لیے رکھا گیا ہے۔ وَلِذِی الْقُرْبٰی ایک حصہ رسول کے قرابتداروں کا ہے۔ آپ کے قرابت داروں میں سے دو خاندان بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب مراد ہیں۔ یہ دونوں خاندان اسلام کے دور سے پہلے بھی آپ کے ساتھ متفق تھے اور اسلام آنے کے بعد بھی متفق رہے ہے، لہذا اُن کا حصہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان خاندانوں کے بعض لوگ ایمان نہ لائے مگر وہ آپ کی مدد کرتے تھے خمس میں حضور علیہ السلام کے قرابتداروں کا حصہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اُن کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں حضور کا ارشاد مبارک ہے ان الصدقۃ لا تحل لمحمد ولا لآل محمد یعنی زکوٰۃ خیرات نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کی آل کے لیے۔ اور آل میں یہی دو خاندان آتے ہیں۔ جو اہل بیت کہلاتے ہیں۔ تاہم قرابت داروں کا حصہ اسی صورت میں روا ہوگا جب کہ وہ آپ کی مدد کرتے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا ایک ایک حصہ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ یعنی یتیموں اور مسکینوں کا ہے اور ایک حصہ وَابْنِ السَّبِیْلِ یعنی مسافروں کا ہے۔

غرضیکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کل مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کو ان حصہ داروں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اللہ، اس کا رسول، رسول کے قرابتدار، یتیم، مسکین اور مسافر۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ کا نام تو محض تبرک کے لیے ہے، البتہ اللہ کا رسول اپنے ذاتی مصارف کے لیے اس میں سے اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہوا کہ خمس کے آگے پھر پانچ حصے ہوں گے اور مذکورہ مدات پر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

خمس کے ساقط شدہ حصص

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا حصہ اور آپ کے قرابتداروں کا حصہ تو آپ کی زندگی تک تھا۔ آپ کے وصال کے بعد ان حصوں میں کیا کیا جائے گا؟ تو اس ضمن میں امام شافعیؒ اور بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ ان حصوں کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ جو عوام کی اجتماعی ضروریات پر صرف ہوگا۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا حصہ آپ کی حیات تک ہی تھا، آپ کے وصال کے بعد وہ ساقط ہو گیا ہے۔ اسی طرح آپ کے قرابتداروں کا حصہ بھی آپ کی معاونت کے ساتھ مشروط تھا۔ چونکہ آپ کے بعد یہ علت بھی ختم ہو گئی لہذا قرابتداروں کا حصہ بھی ساقط ہو گیا، اور اب صرف تین مدات رہ گئیں یعنی یتیم، مسکین اور مسافر البتہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں سے اگر کوئی آدمی یتیم، مسکین اور مسافر کی مدات میں آئے گا تو وہ حقدار ٹھہرے گا اور مذکورہ تین مدات میں آئے گا۔

مجاہدین کے لیے طریق تقسیم

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ کل مال غنیمت کا خمس نکال کر باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اس کی واضح مثال خیبر کی ہے جہاں سے وصول ہونے والا مال پندرہ سو مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ بہر حال مجاہدین میں تقسیم کا اصول یہ ہے کہ پیدل آدمی کو ایک حصہ اور گھوڑ سوار کو دو حصے ملیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ اور بعض باقی آئمہ کے مطابق گھوڑ سوار کے لیے تین حصوں کا ثبوت بھی موجود ہے۔
امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عام قانون یہی ہے کہ ایک حصہ پیدل کو اور دو حصے گھوڑ سوار کو دیے جائیں گے، تاہم اگر حالات کی مناسبت سے حاکم وقت مناسب سمجھے تو سوار کو تین حصے بھی دے سکتا ہے۔ اس میں

جھگڑے کی کوئی بات نہیں ہے، صرف حدیث کے مطلب کو سمجھنے کی بات ہے بعض لوگ امام صاحب کو بدنام کرتے ہیں کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے حالانکہ اصل چیز حدیث کے مفہوم کو سمجھنا ہے۔ امام صاحب صحیح حدیث کا مطلب اخذ کر کے اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں بہر حال قانون یہی ہے۔

عورتوں بچوں اور غلاموں کا حصہ

بعض اوقات عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوتی تھیں مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو غنیمت میں سے پورا حصہ نہیں دیا۔ اسی طرح اگر بچہ یا غلام جنگ میں شریک ہوا ہے تو ان کا حق بھی تسلیم نہیں کیا۔ البتہ عورتوں، بچوں اور غلاموں کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ نہ کچھ انہیں بھی دے دیا جاتا۔ جو لوگ میدان جنگ میں کمک کے طور پر بعد میں آتے ہیں، ان کا مسئلہ الگ ہے۔ اگر مجاہدین کی امداد کو آنے والے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے مجاہدین کے ساتھ آملیں تو ان کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملیگا اگرچہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔ خیبر کی لڑائی میں ایسا ہوا کہ جو لوگ تقسیم غنیمت سے پہلے پہنچ گئے حضور علیہ السلام نے ان کو حصہ دیا۔

اللہ اور فرشتوں پر ایمان

فرمایا مالِ غنیمت کی تقسیم کا اصول بیان کر دیا گیا ہے، اس کی پابندی کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔ اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی یَوْمَ الْفُرْقَانِ فیصلے کے دن یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ جس دن دو جماعتیں آپس میں ملیں یعنی مڈبھیڑ ہوئی اور اس سے مراد جنگ بدر ہی کا دن ہے۔ اسی دن حق و باطل کا آمنا سامنا ہوا تھا اور وہی فیصلہ کن دن ثابت ہوا۔ تو فرمایا اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو اللہ نے اس دن نازل فرمائی۔ ظاہر ہے کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ

نے فرشتوں کو نازل فرما کر مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی اس کا ذکر قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آچکا ہے یعنی بدر کے دن اللہ نے ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ پھر تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر بھی آچکا ہے۔ تو مطلب یہی ہوا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ فرشتوں پر ایمان رکھتے ہو تو غنیمت کے احکام کی پابندی کرو۔ ظاہر ہے کہ اگر ایمان ہوگا تو انسان اللہ کے احکام پر عمل بھی کرے گا اور اگر ایمان ہی نہیں ہے تو عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو بے سروسامانی کی حالت میں اقلیت کو اکثریت پر غالب کر دے اور چاہے تو سامانِ ضرب و حرب سے لیس کثیر فوج کو شکست سے دوچار کر دے۔ یہ سب اس کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے کرشمے ہیں۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى
وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي
الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ
وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِي
مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ أَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ
وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي
أَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ
ع ۵ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :۔ اور جس وقت تھے تم اِدھر والے کنارے پر اور وہ (کافر) پرلے کنارے پر تھے اور قافلہ نیچے کی طرف اُتر گیا تھا تم سے ۔ اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو خلاف کرتے وعدے میں ، لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے اس بات کا جو طے شدہ ہے ۔ تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہوتا ہے کھلی دلیل کے بعد ۔ اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے کھلی دلیل کے بعد ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۴۲﴾ جب وہ دکھاتا تھا تمہیں اُن لوگوں کو

آپ کے خواب میں تھوڑے کر کے ۔ اور اگر دکھاتا تمہیں وہ زیادہ تو تم کمزور ہو جاتے اور جھگڑا کرتے معاملہ میں ، لیکن اللہ نے بچا لیا ، بیشک وہ سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے (۴۳) اور جب کہ دکھاتا تھا تم کو وہ تمہاری آنکھوں میں تھوڑے جب کہ تم نے ٹکر لی ۔ اور تمہیں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا ان کی آنکھوں میں تاکہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اس بات کا جو طے شدہ ہے ۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام معاملات (۴۴)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ضمن میں حاصل ہونیوالے مالِ غنیمت کے حصص کا تذکرہ فرمایا کل مال کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے چار حصے تو غازیوں میں تقسیم ہو جائینگے اور پانچواں حصہ یعنی خمس پھر آگے پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا ۔ پھر ان میں سے ایک ایک حصہ (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) آپ کے قرابت داروں (۳) یتیموں (۴) مسکینوں (۵) مسافروں میں تقسیم کر دیا جائیگا ۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کا اور آپ کے مددگار قرابتداروں کا حصہ عملاً ختم ہوگیا اور اب خمس کا مال صرف تین قسم کے مستحقین میں ہی قابلِ تقسیم ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابتدار وہ ہیں جن کا تعلق بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے ہے ۔ آپ کے بعد ان کا علیحدہ حصہ تو ختم ہوگیا البتہ اگر ان میں سے کوئی یتیم ، مسکین اور مسافر کی فہرست میں آتا ہے تو اس مال سے لینے کا حقدار ہوگا ۔

فرمایا اگر تم اللہ اور فرشتوں پر یقین رکھتے ہو جو تمہاری مدد کے لیے میدان بدر میں نازل ہوئے تو پھر مالِ غنیمت کے قانون پر پابندی ضروری ہے ۔ اور جب قوانین الٰہیہ کی پابندی کرو گے تو خود قانون والا تمہاری مدد اور نصرت فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس کے اختیار اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں ۔

مقام کا نقشہ

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ والے دن مقامِ بدر کا نقشہ پیش کیا اور ان اسباب اور انعامات کا ذکر کیا ہے جو اس نے اہلِ ایمان کے حق میں مہیا فرمائے ۔

ارشاد ہوتا ہے اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اہل ایمان کو میدانِ جنگ کا نقشہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ جب تم میدان کے اس کنارے پر تھے اور دشمن پرلے کنارے پر تھا عدوۃ کنارے کو کہتے ہیں اور عدوۃ الدنیا سے مراد قریب والا کنارہ یعنی میدانِ جنگ کا وہ حصہ جو مدینہ شریف سے قریب ہے اور اسی مقام پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ عدوۃ القصوٰی کا معنیٰ دور والا کنارہ ہے اور میدان کا یہ حصہ جس پر مشرکین قابض تھے نسبتاً مدینہ سے بھی دور تھا اور مکہ معظمہ کا تو فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اس زمانے میں اونٹوں کی سواری کے سفر کے لحاظ سے بدر کا مقام مدینے سے چار منزل پر اور مکہ سے آٹھ منزل پر ہے مقام بدر قدرے اونچی جگہ پر ہے جب کہ اس سے پرلا حصہ جو کہ ساحل سمندر کی طرف واقع ہے نسبتاً نشیبی علاقہ ہے چونکہ اس میدان میں مشرکین پہلے پہنچے تھے۔ اس لیے انہوں نے نشیبی علاقہ کو پسند کیا کیونکہ وہاں پانی بھی تھا اور زمین بھی سخت تھی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں نے جس حصہ میدان میں پڑاؤ کیا وہ نسبتاً بلندی پر اور ریتلا علاقہ تھا جس میں سواری کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور نقل وحمل میں مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس صورتِ حال کی بنا پر مسلمانوں میں قدرے تشویش بھی پائی جاتی تھی، تاہم اللہ نے اس موقع پر اپنا احسان فرمایا کہ جنگ کی رات کو بارش نازل فرما دی جس سے ریتلا علاقہ پختہ ہو گیا۔ مجاہدین کو پانی بھی میسر آ گیا اور وہ تازہ دم ہو گئے۔ اُدھر مشرکین کے حصہ میں بارش کی وجہ سے دلدل پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے انہیں نقل وحمل میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی انعام فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں کا نزول فرمایا، جنہوں نے اہلِ ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا مسلمانوں پر تسکین نازل فرمائی اور ان کی پریشان خیالی کو دور کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ

نے راتوں رات ایسے اسباب مہیا فرما دیے جو اہل ایمان کے حق میں تھے چنانچہ اگلی صبح جب کفار مکہ کے ساتھ مقابلہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح عطا کی، کافروں کے بڑے بڑے سردار جنگ میں کام آئے اور ان کے ستر آدمی قیدی بھی بنے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے انہی احسانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یاد رہے کہ مقام بدر قدیم زمانے کے کسی شخص کے نام پر مشہور ہے۔ اب وہاں بسوں کا اڈا ہے، مسافروں کی سہولت کے لیے اشیائے خورد و نوش میسر ہیں۔ میدان کے سامنے پہاڑ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں میں تانبا پایا جاتا ہے جب ہوا ان پہاڑوں سے ٹکراتی ہے تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی چیز کے تانبے کے ساتھ ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔

بدر پر اتفاقی اجتماع

فرمایا تم میدان کے ایک کنارے پر تھے اور کافر دوسرے کنارے پر وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ اور اس دوران قافلہ نیچے اتر گیا تھا یعنی ساحل سمندر کی طرف چلا گیا تھا۔ اسی سورۃ کے درس سوئم میں جنگ بدر کا پس منظر اور اس تجارتی قافلے کا ذکر ہو چکا ہے جو جنگ بدر کی وجہ بنا۔ قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا مسلمانوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ سردار قافلہ ابوسفیانؓ کو مسلمانوں کے منصوبے کا علم ہو گیا، چنانچہ اس نے ایک تیز رفتار سوار مکے بھیج کر امداد طلب کر لی اس طرح مسلمانوں کا لشکر تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکلا جب کہ لشکر کفار قافلے کو بچانے کے ارادے سے نکلا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ایسا ہی تھا کہ دونوں لشکر بدر کے مقام پر اتفاقاً اکٹھے ہو گئے۔ ابتدا میں جنگ کا ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا مسلمان تو اس ارادے سے بالکل نہ نکلے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس نہ تو عام سازوسامان تھا اور نہ ہی آلات ضرب و حرب۔ البتہ مشرکین ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما

ہونے کے لیے پوری تیاری سے نکلے مگر جب پتہ چلا کہ قافلہ ساحل سمندر کی طرف سے بچ کر نکل گیا ہے تو اُن کے بعض لوگوں نے رائے دی کہ اب واپس چلے جانا چاہیے۔ مگر ابُوجہل جو اپنی طاقت پر مغرور تھا کہنے لگا کہ اب مٹھی بھر مسلمانوں کا خاتمہ ہی کر کے جائیں گے۔ بہر حال ان حالات میں مسلمانوں اور کفار کے لشکر بدر کے مقام پر محض اتفاق سے آمنے سامنے ہوگئے اور جنگ کی نوبت آگئی۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے کارفرمائی کی اور جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے، ایسے اسباب پیدا کر دیے جو اہل ایمان کی فتح مبین پر منتج ہوئے۔

جنگ کے لیے خدائی حکمت

اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر سے متعلق اپنی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرتے مقصد یہ کہ مدینہ سے چلتے وقت اگر تم جنگ کے ارادے سے نکلتے تو تم میں سے بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے کیونکہ بظاہر مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور اُن کے پاس جنگی سامان بھی نہیں تھا اور پھر یہ بھی کہ اگر جنگ میں حصہ لینے کا وعدہ کر بھی لیتے تو کفار کی کثرت تعداد کو دیکھ کر وعدے کا خلاف بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ بھی کہ تمہیں جنگ کے ارادے سے نہ نکالے بلکہ محض تجارتی قافلے کے تعاقب کے لیے آمادہ کرے چنانچہ ایسا ہی ہُوا، لوگ قافلے کے تعاقب کے لیے نکلے مگر اللہ نے انہیں بدر کے میدان میں لاکھڑا کیا۔ اور ادھر کفار قافلے کو بچانے کی نیت سے آئے مگر وہ بھی بدر میں پہنچ گئے۔ اس اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا تاکہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کا فیصلہ کر دے جو طے ہو چکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ بات ابتدا ہی میں طے ہو چکی تھی کہ اہل ایمان اور کفار کو آمنے سامنے کھڑا کر کے مسلمانوں کو غالب اور کفار کو مغلوب کرنا ہے اس فیصلے سے

اللہ تعالیٰ کی مراد یہ بھی تھی لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ تاکہ وہ شخص ہلاک ہو جائے جو ہلاک ہوتا ہے واضح دلیل کے بعد وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ اور وہ شخص زندہ ہو جائے جو زندہ ہوتا ہے واضح دلیل کے بعد یہ مطلب یہ کہ جنگ کے اسباب اللہ نے اسلیے پیدا فرمائے کہ کفار اچھی طرح دیکھ لیں کہ پورے سازو سامان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسی شکست دی اور مسلمان بھی دیکھ لیں کہ بے سروسامانی کی حالت میں فتح سے ہمکنار کرنے والی ذات وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ فرمایا وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ سُننے والا اور جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات کو سنتا ہے اور ہر ایک کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کے غرور و تکبر اور سامانِ ضرب و حرب پر بھروسے کو بھی جانتا ہے اور مسلمانوں کے خلوص، ایمان، اُن کی بے سروسامانی اور دعاؤں کو بھی جانتا ہے۔ اُس نے جنگ بدر میں جو فیصلہ کیا وہ فریقین کے ایمان اور خلوصِ نیت کی بنا پر کیا۔

قلت و کثرت کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ایک حکمت تو فریقین کے میدانِ جنگ میں پہنچ جانے کی یہ بیان فرمائی اور دوسری حکمت دونوں لشکروں کی قلت و کثرت کی اس طرح بیان فرمائی ہے۔ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا جب کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو کافروں کی تعداد کم کر کے دکھائی جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خواب میں بمقابل کفار کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی حالانکہ وہ مسلمانوں کی تعداد سے تین گناہ زیادہ تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی حکمت یہ تھی وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم میں بزدلی پیدا ہو جاتی وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ اور تم اس معاملہ میں جھگڑا کرتے ایسی صورت میں تمہیں لازماً اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوتا جس کی وجہ سے

مسلمانوں کے درمیان نزاع پیدا ہو جاتا جو مزید کمزوری کا باعث بنتا اور یہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور نہیں تھی وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ط بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچالیا۔ اس نے خواب میں کفار کی تعداد کم دکھا کہ تمہیں بزدلی جھگڑے اور پھر شکست سے بچالیا۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ وہ مسلمانوں کے نیک ارادوں کفار کے غرور و تکبر کو جانتا تھا۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کو غالب کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خواب میں کافروں کی تعداد کو کم کر کے دکھایا

خواب پیغمبر کی صداقت

لعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی کو خواب میں کفار کی تعداد کم دکھائی گئی جو کہ واقعہ کے خلاف ہے اور پیغمبر کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے مگر یہاں پر خلاف واقعہ بات کیوں ہوئی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب بلاشبہ سچا ہوتا ہے اور یہاں جو کفار کی تعداد کم دکھائی گئی، وہ بھی حقیقت پر مبنی تھی کیونکہ میدانِ بدر میں مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہونے والوں میں سے اکثر بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور فی الحقیقت کافروں کی تعداد کم ہی تھی۔ اسی طرح اہل ایمان کو اگر زیادہ دکھایا گیا تو وہ بات بھی حقیقت سے خالی نہیں تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی مگر اس کے بعد قریبی زمانہ میں اُن کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ اور وہ ایک عظیم طاقت بن کر ابھرے، لہٰذا نبی علیہ السلام کا خواب خلاف واقعہ نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت تھا۔

میدان جنگ میں قلت و کثرت

خواب کی بات تو ہو چکی، اب میدان جنگ میں دونوں لشکروں کی قلت و کثرت کی حکمت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا اور جب کہ ٹکرا جانے کے دن یعنی میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ تمہیں دشمن کی تعداد کو کم کر کے دکھاتا تھا وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ

اور تمہیں کم کر کے دکھاتا تھا۔ اُن کی نظروں میں۔ گویا میدانِ جنگ میں صورتحال یہ تھی کہ مسلمان کافروں کو تعداد میں کم نظر آ رہے تھے اور کافر مسلمانوں کو کم دکھائی دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو کم پاکر لڑائی پر تیار ہو گئے۔ ہر فریق یہی سمجھنے لگا کہ اُن کی تعداد زیادہ ہے اور وہی غالب آئے گا، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نے اپنے ساتھی مجاہد سے کہا کہ میرے خیال میں دشمن کی تعداد ستر کے قریب ہوگی، وہ کہنے لگا، نہیں سو کے قریب ہوں گے۔ مقصد یہ کہ کفار اتنے تھوڑے نظر آ رہے تھے حالانکہ حقیقت میں اُن کی تعداد تقریباً ایک ہزار افراد کی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ کوئی فریق جنگ سے راہِ فرار اختیار نہ کرے اور آج حق و باطل کا فیصلہ ہو ہی جائے۔

طے شدہ امر

آگے اسی بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ کی اس حکمت سے یہ مقصود تھا لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ تاکہ اللہ تعالیٰ طے شدہ بات کا فیصلہ کر دے، اور اللہ کے نزدیک طے شدہ امر یہی تھا کہ مسلمانوں کو کفار پر فتح مبین عطا کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنگ سے قبل اور مڈبھیڑ کے وقت ایسے اسباب مہیا فرما دیے، جنکی بنا پر مسلمانوں کی بے سروسامان قلیل تعداد کافروں کی اسلحہ سے لیس کثیر تعداد پر غالب آگئی۔ اللہ نے بڑے بڑے ائمۃ الکفر کو اس مقام پر ختم کرنا تھا اور دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھی، لہٰذا اُسنے اپنی حکمت کے مطابق مقررہ کام کو انجام دے دیا۔

فرمایا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اُس کی مشیت، ارادے اور حکمت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اُسی نے اہل ایمان کے حق میں اسباب پیدا فرمائے اور اُن کی مدد اور نصرت فرمائی۔ اِن احسانات کو یاد کرانے کا مطلب یہ ہے

کہ اے اہل ایمان! جنگ بدر میں فتح کو تم اپنا کمال نہ سمجھو اور نہ اسے اپنے فنِ ضرب وحرب کا مرہون منت سمجھو، بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوا کیونکہ کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ فرمایا مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون بھی اسی مالک الملک کا نازل کردہ ہے جس نے کمال مہربانی سے تمہیں بدر کے مقام پہ فتح سے ہمکنار کیا اور مالِ غنیمت بھی تمہارے مقدر میں کر دیا۔ لہٰذا اب اس کی تقسیم بھی اسی کے حکم کے مطابق کرو اور آپس میں مت جھگڑو۔ قانونِ خداوندی کی اطاعت میں ہی تمہاری بہتری اور کامیابی ہے۔

درس چہاردہم ۱۴ آیت ۴۵ تا ۴۶

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تمہاری ٹکر ہو (کسی دشمن کے) گروہ سے، پس ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۴۵﴾ اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، پس کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۴۶﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ کی ابتداء سے قانونِ صلح و جنگ بیان ہو رہا ہے اور اب تک پانچ اصول بیان ہو چکے ہیں۔ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب کفار سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے "فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ" تو پشت پھیر کر مت بھاگو۔ پھر دوسری بات یہ فرمائی کہ ایمان والو! "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور دیدہ دانستہ روگردانی نہ کرو۔ اللہ نے تیسرا اصول یہ فرمایا کہ اللہ اور رسول کی بات کو قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں، اسی میں تمہاری حیات ہے۔ پھر چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! نہ تو اللہ سے خیانت کرو اور نہ رسول سے اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پانچواں اصول یہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ اگر ایسا

کرو گے تو تمہارے سامنے ہر وقت فیصلہ کُن بات رہیگی، اس کے تحت آگے بہت سی باتیں بیان ہوئیں۔ اب آج کے درس میں چھٹا اصول ثابت قدمی کا بیان ہو رہا ہے اور پھر اس کے تحت مزید سات باتیں اس رکوع میں بیان ہوئی ہیں جن پر عمل کرنا کامیابی کی دلیل ہے۔ ان سات باتوں میں سے چھ باتیں آج کے درس میں آرہی ہیں اور ساتویں بات اگلے درس میں آئے گی۔

ثابت قدمی

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا اے ایمان والو! جب تمہاری دشمن گروہ کے ساتھ ٹکر ہو تو ثابت قدم رہو۔ جب بھی کافروں یا مشرکوں سے آمنا سامنا ہو تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ثابت قدم رہو، ڈھیلے نہ پڑو، سستی نہ دکھاؤ بلکہ جرأت اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہیں فلاح نصیب ہو گی حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اے لوگو! عام حالات میں سل اللّٰہ العافیۃ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی مانگتے رہو کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں جو کسی کو نصیب ہو لہٰذا اپنے ایمان مال، جان اور اولاد کی سلامتی طلب کیا کرو، اللہ تعالیٰ سے آزمائش کی خواہش نہ کرو۔ البتہ لقیتم العدو جب دشمن سے ٹکر ہو جائے واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف تو پھر جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے کے نیچے ہے دشمن کے مقابلہ میں بزدلی نہ دکھاؤ بلکہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرو کیونکہ جہاد تمہیں جنت کا حقدار بنا دے گا۔

خاموشی بہتر ہے

فرمایا دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت شور شرابہ مت کرو بلکہ خاموشی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں دو الفاظ آتے ہیں ایک یہ کہ دشمن کے ساتھ ٹکر کی خواہش نہ کرو بلکہ سلامتی مانگو اور اگر آمنا سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

تین مواقع پہ خاموشی کو پسند کرتا ہے پہلا موقع وہ ہے جب قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی ہو تو خاموشی اختیار کرو۔ مسند احمد کی روایت میں بھی آتا ہے لایجھر بعضکم علی بعض ایک دوسرے کے سامنے قرآن پاک بلند آواز سے نہ پڑھو۔ تو فرمایا ایک تو تلاوت کے وقت خاموشی اختیار کرو اور دوسرے عند الزحف لڑائی کے وقت بھی خاموش رہو اور تیسرے جنازے کے موقع پہ خاموشی سے چلو شور وشرابا نہ کرو۔ اگر ذکر بھی کرو تو پست آواز سے ہونا چاہیئے۔ نعرے لگانا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ شور شرابا کرنا دوسرے لوگوں کا کام ہے، ہمارا یہ دستور نہیں ہے۔

بہرحال یہاں پہ پہلا اصول ثابت قدمی کا بیان فرمایا، کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو، اگر موت آگئی تو جنت حاصل ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائیں گے۔ سب سے پہلے اصول میں یہ بتایا گیا تھا اگر دشمن تم سے دگنی تعداد میں ہو، تب بھی مقابلے سے نہ گھبراؤ اور نہ پشت پھیر کر بھاگو۔ ایسی حالت میں بھاگنے والا سخت گنہگار ہوگا اور جہنم میں جائیگا۔ وہاں پہ اللہ نے اہل ایمان کو تسلی دی کہ مقابلے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے وہ تمہاری تھوڑی جماعت کو بڑی جماعت پہ غالب کر سکتا ہے) لہٰذا ڈٹ کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو اور اللہ پر مکمل بھروسہ رکھو۔

ذکر الٰہی کی کثرت

آج کے درس میں جہاد کے سلسلے میں پہلی بات یہ تھی کہ ثابت قدم رہو اور دوسری یہ کہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا اللہ کا کثرت سے ذکر کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ کی یاد جس قدر خلوص کے ساتھ ہوگی، دل اسی قدر مضبوط ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ ظاہری جسم کی مضبوطی دل کی مضبوطی پہ موقوف ہے۔ دل مضبوط ہے تو جسم مضبوط ہے اطمینان قلب کا نسخہ سورۃ رعد میں بھی بیان فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اہل ایمان کے

دِل ذکرِ الٰہی سے ہی چین اور سکون پکڑتے ہیں۔ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے اُس وقت بھی یاد کرتا ہے جب وہ اپنے دشمن کے ساتھ ٹکرا رہا ہوتا ہے۔

ذِکرِ الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو محدود ہے مگر ذکر کے لیے کوئی تحدید نہیں۔ اس کے متعلق یہی حکم ہے کہ کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ ذکر کی عام صورت لسانی یعنی زبانی ذکر ہے۔ انسان تلاوت کرتا ہے تسبیح، تحمید یا استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے، یہ سب زبانی ذکر ہے، تاہم ذکر بھی اللہ کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ عام قانون یہ ہے خَیرُ الذِّکرِ الخَفِیُّ وَخَیرُ الرِّزقِ مَا یَکفِی بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کر جائے۔ اگر رزق زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالتا ہے تو وہ بہتر نہیں ہے۔ بہرحال یہ دو باتیں ہوگئیں ایک ثابت قدمی اور دوسری اللہ کا ذکر۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

تیسرے اور چوتھے نمبر پہ فرمایا وَاَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور اس کے رسول کی بھی۔ اس کا ذکر پہلے سورۃ کے ابتدائی حصہ میں بھی ہو چکا ہے اور اب پھر تاکید کی جارہی ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت ہر حالت میں مدِنظر رہنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات، فرامین اور احکام ہر اہلِ ایمان کے لیے قابلِ اتباع ہیں۔ سورۃ حشر میں ہے" مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَھٰکُم عَنہُ فَانتَھُوا" یعنی جو بات اللہ کا رسول کہہ دے اُس پہ عمل کرو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے رُک جاؤ۔ سورۃ نور میں ہے وَاِن تُطِیعُوہُ تَھتَدُوا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُولِ اِلَّا البَلٰغُ المُبِینُ اگر اللہ کے رسول کی اطاعت

کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمے تو احکام الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔
یہاں پہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اور سورۃ نساء میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ بھی آیا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بعد حاکم وقت یا امیر لشکر کی اطاعت بھی کرو۔ البتہ امیر کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ اگر امیر معروف بات کا حکم دیگا تو اس کی اطاعت ہوگی ورنہ نہیں۔ غلط بات کا حکم دے تو فرمایا فلا سمع ولا طاعۃ نہ اس کی بات سنی جائے گی اور نہ مانی جائیگی۔ جائز کام میں ہر حالت میں فرمانبرداری ہو گی خواہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں اگر اطاعت ہوگی تو تنظیم DISCIPLINE بھی ہوگا۔ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تنظیم بہت بڑا اصول ہے اور تنظیم اللہ، رسول اور امیر کی اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔

جھگڑے کی ممانعت

آج کے درس کا پانچواں اصول یہ بیان فرمایا فَلَا تَنَازَعُوا آپس میں جھگڑا تنازعہ نہ کرو۔ اتفاق و اتحاد قائم کرو کیونکہ اتحاد کامیابی کا ذریعہ ہے۔ البتہ اتفاق و اتحاد انہی اصولوں پر ہوگا جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ کسی غلط بات پہ اتحاد کا کچھ مطلب نہیں۔ کفار کے ساتھ اتحاد کیسے ہو سکتا ہے وہاں تو معاملہ بالکل صاف " لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" میں ان کی عبادت نہیں کر سکتا جن کی تم کرتے ہو اُن کا تو نقطہ نگاہ ہی الگ ہے۔ آپس کے تنازعہ کے متعلق قرآن پاک میں یہ اصول بھی موجود ہے "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" (النساء) ایسے تنازعہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اُن کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ اور باہمی جھگڑے کو ختم کر دو۔ فرمایا اگر جھگڑا کرو گے فَتَفْشَلُوْا تو بزدل بن جاؤ گے، کمزور ہو جاؤ گے وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمہاری سلطنت ختم ہو جائیگی یعنی تَذْهَبَ دَوْلَتُکُمْ حکومت چلی جائیگی اور تم اغیار سے مغلوب ہو جاؤ گے۔ تاریخ

شاہد ہے کہ اسلامی سلطنتیں محض آپس کے جھگڑے کی وجہ سے ضائع ہوئیں۔ سپین اور کابل کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ فلسطینیوں کے ساتھ کیا ہوا جب اختلافات پیدا ہوئے تو ہوا اکھڑ گئی۔ پھر کسی قوم نے سپین پر قبضہ کر لیا اور کوئی قوم برصغیر پر مسلط ہو گئی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے اپنے دور میں چار مسلمان بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے جو آپ کے "سیاسی مکتوبات" میں موجود ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہو جب کہ انگریز اوپر چھا رہا ہے۔ انہوں نے اس نصیحت سے کچھ اثر نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کو دو سو سال تک انگریز کی غلامی میں جانا پڑا۔ ایران اور عراق کی باہمی لڑائی آپس کے جھگڑے کی وجہ سے ہے۔ اس کا فائدہ اغیار کو پہنچتا ہے جو پہلے تو اسلحہ فروخت کرتے رہتے ہیں اور پھر جب متحارب ملک بالکل کمزور ہو جاتے ہیں تو ان پر قابض ہو جاتے ہیں۔ امریکہ، روس، یہودی اور اشتراکی ممالک اسی داؤ میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے تو وہ بزور قبضہ کر لیں۔ تو فرمایا آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے، تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور تم غلام بن کر رہ جاؤ گے۔ یہ پانچواں اصول ہو گیا۔

صبر کا دامن

چھٹی بات یہ فرمائی وَاصۡبِرُوۡا صبر کا دامن تھام لو۔ جہاد بڑا مشکل کام ہے۔ یہ سفر تمام سفروں سے مشکل ہے کیونکہ اس سفر میں مال اور جان کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ جہاد کا مقصد صبر کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے صبر ہمارے دین اور ملت ابراہیمیہ کا اہم اصول ہے۔ اللہ کا ذکر، اسکی واحد نسبت کو پانا، تعلق باللہ کا نباہ، نماز کی ادائیگی، شعائر اللہ کی تعظیم اور صبر ہماری ملت کے اہم ترین اصول ہیں۔ عبادت و ریاضت اور مشکلات میں صبر کرنا، تکالیف کو برداشت کرنا بہت بڑا اصول ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ میں یہ تمام صفات پائی

جاتی تھیں حضور علیہ السلام کی بعثت سے لے کر پچاس سال تک مسلمان آدھی دنیا پر چھا چکے تھے حتیٰ کہ مسلمانوں سے ٹکر لینے والی کوئی طاقت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ صبر اور دیگر اہم اصولوں کا نتیجہ تھا۔ فرمایا اگر صبر کرو گے، تو یاد رکھو! اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس کی تائید و نصرت ہمیشہ صابرین کے ساتھ ہوتی ہے بہر حال فرمایا کہ دین کے بتلائے ہوئے ان اصولوں پر کاربند ہو گے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور اگر آپس کے جھگڑے تنازعے کا شکار بن گئے تو نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلے گا۔ یہ چھ اصول بیان ہو گئے ساتواں اصول جو نیت اور اخلاص سے متعلق ہے اگلی دو آیتوں میں بیان ہو گا۔

درس پانزدہم ۱۵ آیت ۴۷ تا ۴۸

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع ۲

ترجمہ :- اور (اے اہل ایمان) نہ ہو تم اُن لوگوں کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اور وہ روکتے تھے اللہ کے راستے سے۔ اور اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے جو کچھ وہ کام کرتے ہیں ﴿٤٧﴾ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب مزین کیا اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو اور کہا اُس نے نہیں غالب آنے والا آج کے دِن تم پر کوئی بھی لوگوں میں سے اور بیشک میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب آمنے سامنے ہوئے دو گروہ، پلٹ گیا وہ الٹے پاؤں اور کہا میں تو بیزار ہوں تم سے۔ بیشک میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے ﴿٤٨﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اُن چھ باتوں کا ذکر ہو چکا ہے جو دشمن سے مقابلے کے

وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔ وہاں پر فرمایا تھا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں اترو تو پھر ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ پھر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تلقین کی گئی کہ یہ ہر حالت میں ضروری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اہلِ ایمان کو آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے ورنہ وہ کمزور ہو جائیں گے اور اُن کی ہوا اکھڑ جائیگی اور چھٹی بات یہ تھی کہ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب ساتویں بات کا ذکر اِن آیات میں آرہا ہے۔

فرمایا اگر ان اصولوں پر عمل پیرا رہو گے تو دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکو گے اور تمہیں غلبہ حاصل ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ میں یہ تمام خواص پائے جاتے تھے۔ اُن میں جرأت و بہادری اور ثابت قدمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ بے مثال تھا۔ وہ لوگ میدانِ جنگ میں اللہ کا کثرت سے ذکر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالےٰ انہیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرماتا تھا۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے تھوڑے سے عرصہ میں نہ صرف بہت سے ملک فتح کیے بلکہ وہاں کے باشندوں کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں کفار ساری دنیا پہ چھائے ہوئے تھے مگر اللہ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی ایسی بے مثال نصرت فرمائی کہ رومی، فارسی، ترکی، سسلی، بربر، مصری وغیرہ سب مغلوب ہو کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو دُنیا کے کونے کونے میں راسخ کر دیا۔ یہ مذکورہ اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ تھا۔

اکڑ اور ریا کی ممانعت

چھ باتوں کا ذکر گذشتہ درس میں ہوا تھا اب ساتویں بات یہ فرمائی کہ اے ایمان والو! وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ نہ ہو تم اُن لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ

اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ فرمایا اے اہل ایمان! تم میں غرور و تکبر اور ریاکاری کی بجائے اخلاص اور عاجزی پائی جانی چاہیئے۔ مشرکین مکہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب وہ بدر کے لیے نکلے تھے تو نہایت غرور و تکبر کے ساتھ اپنی طاقت پر اتراتے ہوئے۔ وہ لوگوں کو اپنی شان و شوکت دکھا رہے تھے کہ ہم جلدی ہی مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے اور دنیا پر اپنی طاقت کا سکہ جما دیں گے۔ ابوجہل کے لشکر کے ساتھ باجے بج رہے تھے۔ گانے والی عورتیں ہمراہ تھیں ان کا پروگرام یہ تھا کہ ہم بدر کے چشمے پر پہنچ کر خوشی کی محفلیں منعقد کریں گے شرابیں پئیں گے۔ اونٹ ذبح کر کے کھائیں گے اور اس طرح داد عیش دیں گے۔ اللہ نے فرمایا تم ان کی مشابہت اختیار نہ کرنا بلکہ عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کرنا۔ اور جو بھی کام کرو خلوص نیت سے کرنا، نہ اس میں اکڑ ہو اور نہ دکھاوا ہو۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

کفار بڑی شان و شوکت کے ساتھ اور بڑے بڑے منصوبوں کے ساتھ میدان بدر میں پہنچے تھے مگر جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو نقشہ ہی بدل گیا اور کفار کی تمام حسرتیں ان کے دلوں میں ہی دم توڑ گئیں انہیں عیش و نشاط کی محفل جمانے کی بجائے موت کا پیالہ پینا پڑا اور خوشی کے گیت گانے کی بجائے نوحہ اور ماتم کی مجلسیں برپا کرنا پڑیں۔ بڑے بڑے ائمۃ الکفر مارے گئے۔ مٹھی بھر مسلمان نہ صرف کفار پر غالب آئے بلکہ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اور جنگ بدر مسلمانوں کی کامیابی کا سنگ میل بن گیا۔ اللہ نے ایسی کامیابی عطا کی جو ہمیشہ کے لیے یاد رکھی جائے گی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! کافروں کی طرح اکڑ اور ریاکاری کا اظہار نہ کرنا بلکہ خلوص اور عاجزی کو اختیار کرنا، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر یہ دعا بھی سکھائی اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتٰبِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَھَازِمَ

لـه ابوداؤد، ص ۱۰۳ (فیاضی)

الْاَحْزَابِ اِهْزِمْهُمْ اے کتاب کو اتارنے اور بادلوں کو چلانے والے اور کافروں کو شکست دینے والے ہمیں ان کے مقابلے میں فتح نصیب فرما کیونکہ ہم تیری کتاب کے پروگرام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں اور تیرے دین کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جو غرور و نخوت کے ساتھ اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

اللہ کے راستے میں رکاوٹ

اللہ نے فرمایا تم اُن لوگوں کی طرح بھی نہ ہونا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں یعنی لوگوں کو اسلام میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ ابوجہل اور دیگر اکابر مشرکین کا یہی مشن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ توحید کو نہ مانیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت سے دست کش ہو جائیں۔ اللہ کے راستے سے روکنے کا یہ مطلب ہے۔ اللہ نے فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ تعالےٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے تکبر غرور اور اکڑ کو توڑ کر رکھ دیا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ ناکامی اور تباہی اُن کا مقدر بن گئی۔ اور جو لوگ بچ گئے اُن کی اکثریت آگے چل کر حلقۂ بگوش اسلام ہو گئی اور اس طرح کفر کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ فرمایا تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہی ہر چیز کو گھیرنے والا ہے لہذا اللہ نے کفار کی تدبیر کو ناکام بنا کر انہیں مغلوب کر دیا۔ اگرچہ ظاہری حالات اُن کے حق میں تھے۔

شیطان کی طرف سے حوصلہ افزائی

فرمایا اُس بات کو دھیان میں لاؤ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ جب شیطان نے کفار کے اعمال کو اُن کے لیے خوشنما بنا دیا۔ بنی کنانہ جیسا وسیع قبیلہ قریش کے خلاف تھا اور قریش ہمیشہ اس قبیلے کی طرف سے خائف رہتے تھے۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ بنی کنانہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ اُن کے اس

خدشہ کو دور کرنے کے لیے شیطان بنی کنانہ کے سردار سراقہ ابن مالک کی شکل میں ابوجہل کے پاس آیا اور اس کو حوصلہ دیا کہ وہ قریش کی مخالفت نہیں کریں گے۔ لہٰذا وہ اُن کی طرف سے بے فکر رہیں۔ یہی نہیں بلکہ اُن کی بوقت ضرورت مدد کا وعدہ بھی کیا۔ ابوجہل اُسے سراقہ سمجھ کر مطمئن ہو گیا کہ بنی کنانہ کی طرف سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ مگر عین جنگ کے وقت جب سراقہ کا ہاتھ ابوجہل کے ہاتھ میں تھا تو سراقہ یعنی شیطان نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ ابوجہل نے کہا، اب کیا بات ہے کیوں بھاگتے ہو؟ تو شیطان کہنے لگا کہ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے اور مجھے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ہلاک ہی نہ کر دیا جاؤں۔ دراصل شیطان حضرت جبرائیل اور میکائیل کو مسلمانوں کی حمایت میں دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا اُس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ کفار کے دلوں میں وسوسہ اندازی چھوڑ کر میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔

شیطان کی چلبازی

غرضیکہ شیطان نے کفار کے اعمال کو اُن کی نظروں میں مزین کر کے دکھایا وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں آئے گا، بلکہ تمہی غالب ہو گے وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔ چونکہ وہ سراقہ کی شکل میں متشکل ہو کر آیا تھا۔ اس لیے ابوجہل نے اُسے اپنا حمایتی ہی سمجھا مگر فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ جب اُس نے دونوں گروہوں کو آمنے سامنے دیکھا۔ جب دونوں لشکر جنگ کے لیے میدان میں اُتر آئے نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ تو شیطان اُلٹے پاؤں پھر گیا وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ میں اللہ سے ڈرتا ہوں مفسرین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ سے نہیں ڈر رہا تھا، یہ اُس کا جھوٹ محض ہے۔ اگر اسے اللہ کا ڈر ہوتا تو وہ فوراً تائب ہو جاتا مگر

ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُسے قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے تاہم اُسے خوف یہ تھا کہ کہیں قیامت ہی برپا نہ ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے
دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان نے اپنے خوف کے متعلق جھوٹ بولا ہو، کیونکہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے۔ وہ ہمیشہ انسانوں کو دھوکا دیتا ہے۔ سورۃ نساء میں موجود ہے "یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا" شیطان لوگوں کو وعدے دلاتا ہے اور اُمیدیں دلاتا ہے اور شیطان جو کچھ وعدے دیتا ہے وہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ سورۃ حشر میں ہے "كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ" جیسا کہ شیطان انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے "فَلَمَّا كَفَرَ" پھر جب وہ کفر کرنے لگتا ہے "قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ" تو شیطان کہتا ہے میں تم سے بیزار ہوں "إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِينَ" مجھے تو اللہ تعالیٰ کا خوف آ رہا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں اس طرح ہے کہ جب قیامت کے دن شیطان کے پیروکار اُسے گھیر لیں گے تو وہ کہے گا "إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ" کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا "وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ" اور میں تمہیں جھوٹے دلاتا رہا، میں تم پر غلبہ تو نہیں رکھتا تھا صرف برائی کی طرف دعوت دیتا تھا، تم نے انبیاء کی دعوت کو قبول نہ کیا مگر میری دعوت کو مان کر کفر و شرک اور معصیت میں مبتلا ہوئے "فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم" لہٰذا آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپکو ملامت کرو کہ تم نے خدا تعالیٰ کے سچے وعدے کو چھوڑ کر میرے جھوٹے وعدے پر اعتبار کیا، لہٰذا اب خدا تعالیٰ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اللہ نے فرمایا "وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ" اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، لہٰذا آج اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔

افشائے راز — مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں آکر کفار کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اس نے دارالندوہ میں حضور علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کے وقت بھی ایسا ہی کیا تھا کہ کمزور تجویزوں کو رد کرتا رہا اور جب آپ کے قتل کا منصوبہ پیش ہوا تو اس سے اتفاق کر گیا۔ اس موقع پر بھی اس نے شیخ نجدی کی صورت میں کفار کو دھوکا دیا تھا۔ اور جنگ بدر کے موقع پر سراقہ بن مالک کی صورت میں آکر پھر دھوکا دیا۔ اور اُدھر حقیقت تھی کہ اصل سراقہ کو اس بات کا علم تک نہ تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب اس واقعہ کی مشہوری ہوئی اور بات سراقہ بن مالک تک پہنچی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میں تو بدر کے میدان میں گیا ہی نہیں اور نہ میں نے ابوجہل سے کوئی بات کی اور نہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس پر یہ بات واضح ہوئی کہ مقام بدر پر سراقہ نہیں بلکہ شیطان نے کفار کو دھوکا دیا تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان مشرکین کے ساتھ دھوکہ کر رہا تھا جس نے انہیں ہلاکت کے گڑھے میں اتار دیا اور انہیں شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم کافروں کی مشابہت اختیار نہ کرنا یعنی نہ تو غرور تکبر کی بات کہنا اور نہ ہی کوئی دکھاوے والی بات کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی شیطان کے دھوکے میں آجاؤ گے۔ شیطان کے یہی ہتھیار ہوتے ہیں جو وہ انسانوں پر آزماتا ہے اور جو اس نے مشرکین مکہ پر بھی آزمائے۔ ابتدا میں وہ جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ لوگوں کو دھوکے میں ڈالتا ہے اور بعد میں بیزاری کا اظہار کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گمراہ ہو کر جہنم کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ بہر حال اللہ نے ناتواں اصول یہ بیان فرمایا کہ جنگ کے دوران عاجزی اور انکساری اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعائیں کرو اور دکھاوا نہ کرو۔ اگر ان باتوں پر عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ دشمن پر غلبہ عطا کرے گا۔

درس شانزدہم ١٦ آیت ٤٩ تا ٥٤

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ
دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾
وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ
وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ
كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ
اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ
مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا
بِأَنْفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَأْبِ اٰلِ
فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ
كَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ :- جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے دھوکہ دیا ہے ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے اور جو شخص بھروسہ کریگا اللہ تعالیٰ پر تو اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے (٤٩) اور اگر دیکھے تو (اے مخاطب) جب کہ وفات

دیتے ہیں کافروں کو فرشتے تو مارتے ہیں اُن کے مونہوں پر اور
اُن کی پشتوں پر اور (کہتے ہیں) چکھو جلانے والا عذاب (۵۰)
یہ وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بیشک اللہ تعالیٰ
ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا بندوں پر (۵۱) اِن کی عادت مثل
آلِ فرعون کی عادت کے ہے اور اُن لوگوں کی جو پہلے گزرے
ہیں اُن سے۔ کفر کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ، پس
پکڑا اُن کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کے بدلے۔ بیشک اللہ
تعالیٰ قوی (زور والا) اور سخت سزا دینے والا ہے (۵۲) یہ اس وجہ
سے کہ اللہ تعالیٰ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جو اُس نے
انعام کی ہو کسی قوم پر، یہاں تک کہ وہ خود تبدیلی پیدا کریں جو کہ
اُن کے نفسوں میں ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور
جاننے والا ہے (۵۳) اِن کی عادت مثل عادت آلِ فرعون کی
ہے اور اُن لوگوں کی طرح جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ جھٹلایا
انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو، پس ہم نے ہلاک کیا ان
کو اُن کے گناہوں کے بدلے۔ اور ہم نے غرق کر دیا آلِ فرعون
کو۔ اور تھے یہ سب کے سب ظلم کرنے والے (۵۴)

ربط آیات / منافقین کے منافق

گذشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کے اصول بتلائے گئے تھے۔ پھر اُن کی سازشوں اور نافرمانیوں اور اُن کو دی جانے والی سزا کا ذکر فرمایا کہ دُنیا میں اُن کی ذلت و خواری ہوئی اور آخرت میں وہ دائمی سزا کے مستحق ہوں گے۔ اب اسی ضمن میں منافقوں کے کردار کا ذکر بھی ہو رہا ہے۔ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پر تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک قسم تو وہ صحابہ کرامؓ تھے جو آپ پر ایمان لا کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ تھے جو غیر جانبدار

تھے، وہ نہ مخالفت کرتے تھے اور نہ موافقت۔ البتہ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جو ظاہر میں تو ایمان لے آئے مگر اُن کے دِل کفر پر اڑے رہے اِن میں زیادہ تر یہودی اور بعض دوسرے لوگ بھی تھے۔ یہ منافقین کہلائے کہ بظاہر کلمہ بھی پڑھا، ظاہری طور پر ارکانِ اسلام بھی ادا کرتے تھے مگر در پردہ دین کے دشمن تھے اور اس کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے تھے بدر کے موقع پر حضور علیہ السلام ۳۱۳ تا ۳۱۹ صحابہؓ کی ایک قلیل جماعت کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اُس نے دونوں گروہوں کو اتفاقی طور پر بدر کے مقام پر اکٹھا کر دیا مسلمان بے سر و سامانی کی حالت میں تھے جب کہ کفار ایک ہزار کی تعداد میں اسلحے سے مکمل طور پر لیس تھے۔ جب منافقین مدینہ کو اس معرکے کا علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں پر طعن کیا کہ دیکھو مسلمانوں کی تعداد بالکل قلیل ہے اور اُن کے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے۔ مگر یہ طاقتور اور مسلح جماعت سے ٹکر لے رہے ہیں۔ دراصل اِن کو اِن کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ اِن کو اللہ تعالیٰ کی مدد آئیگی، اور یہ اتنی طاقتور جماعت پر غالب آجائیں گے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اسی طعن کا جواب دیا ہے اور اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے

منافقین کا طعن

ارشاد ہوتا ہے اِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اس بات کو دھیان میں لاؤ جب منافقین اور دِل کے روگی لوگوں نے کہا غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ اِن مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ کہ ہم صداقت پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور اپنی نصرت سے ہمیں غالب کریگا۔ یہ وہی منافق تھے جنہوں نے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا تھا مگر اِن کے دلوں پر ابھی تک تالے پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا منافقین کا یہ طعن بے سمجھی، نادانی اور غلطی پر مبنی ہے۔ اہلِ ایمان کو اُن کے دین نے ہرگز دھوکہ نہیں دیا،

بلکہ وہ اللہ کے بھروسے پر اعلائے کلمۃ الحق کے لیے میدانِ جہاد میں اترے ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریگا فَاِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ تو اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ وہ چاہے تو اپنی قدرت تامہ سے مٹھی بھر جماعت کو کثیر تعداد پر غالب کردے۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے مایوس نہیں کرتا بلکہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

سزا بوقت موت

آگے منافقین اور مشرکین کی اس حالت کا ذکر فرمایا ہے جو بوقتِ موت اُن پر طاری ہوتی ہے۔ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓی اور اگر تو دیکھے اے مخاطب اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ جب کہ فرشتے کافروں کو موت دیتے ہیں یعنی اُن کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ اللہ نے موت کا منظر بیان فرمایا کہ اس وقت فرشتے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ اب جلانے والا عذاب چکھو۔ فرمایا اگر موت کی اس حالت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی شخص کفر، شرک اور نفاق میں مبتلا نہ ہو۔ چہروں اور پشتوں پر مارنا بڑی ہی ذلت ناک سزا ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ اس وقت اللہ کے فرشتے کہتے ہیں کہ اے شخص! تیرے پاس اللہ کے رسول آئے اس کی کتابیں آئیں، اللہ نے ہدایت کے سارے سامان مہیا کر کے تجھے سمجھانے کی کوشش کی مگر تم اس وقت کہاں تھے۔ اب تمہارے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔

فرمایا ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ یہ وہی کچھ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی یہ سزا تمہارے اپنے ہی اعمال بد کا نتیجہ ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ اور بدر کے میدان میں مشرکین اور کافرین

کا یہی حال ہوا۔ فرمایا یاد رکھو! وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس کی رحمت تو بڑی وسیع ہے مگر یہ خود انسان ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اس کی رحمت سے حصہ نہیں پاتے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا عَلَیْکُمْ یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں ہم نے شمار کر رکھا ہے۔ لوگ غلط کام کر کے بھول جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو نہیں بھولتا۔ خدا کے فرشتے انسانوں کے تمام اعمال کو اپنے رجسٹروں میں درج کر رہے ہیں، تمام حرکات و سکنات ہر شخص کے نامہ اعمال میں بھی درج ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ کے علم میں بھی محفوظ ہیں۔ اور پھر قیامت کے دن یہ منظر بھی دیکھنے میں آئے گا۔ "وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ (بنی اسرائیل) ہر انسان کا اعمال نامہ (بوقت مرگ) اس کے گلے میں لٹکا دیا جائیگا (اور پھر قیامت کو اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا)

"وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا" (الکھف) اور وہ اپنا ہر عمل اس میں پالیں گے۔ وہ ایسا دفتر ہوگا کہ انسان کہے گا "مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا" (الکھف) یہ کیسی کتاب ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی بھی چیز احاطہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔ انسان حیرت زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے ہر عمل کا ریکارڈ موجود ہے بہر حال یہ تو آگے کی منزل ہے، موت کے وقت ہی انسان کو اپنے کیے کا علم ہو جائیگا اور جب فرشتے اس کے چہرے اور پشت پر ماریں گے تو ساتھ کہا جائیگا کہ یہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے باطل نظریات اور پروگرام کا آل فرعون کے ساتھ تقابل فرمایا ہے۔ فرمایا موجودہ زمانے کے کفار و مشرکین

کفار اور آل فرعون میں مماثلت

کے عادات وخصائل کَدَأبِ آلِ فِرعَونَ وَالَّذِینَ مِن قَبلِهِم آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی عادات وخصائل کی طرح ہیں۔ وہ لوگ بھی ضدی، عنادی، ہٹ دھرم، مخالفین انبیاء اور کمزوروں پر ظلم کرنے والے تھے اور یہ بھی ایسے ہی ہیں۔ قوم فرعون اور ان سے پہلے لوگوں نے کَفَرُوا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا۔ خدا تعالیٰ کے احکام اور دلائل کو تسلیم نہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَهُمُ اللّٰہُ بِذُنُوبِهِم اللہ نے ان کو گناہوں کے بارے میں پکڑ لیا خدا تعالیٰ کی گرفت آئی اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیدُ العِقَابِ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست قوت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے۔ جس طرح پہلے لوگ خدا کی گرفت میں آکر عذاب کے مستحق ٹھہرے اسی طرح آج کے منکرین بھی اس عذاب میں مبتلا ہو کر رہیں گے۔ فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَم یَكُ مُغَیِّرًا نِّعمَةً اَنعَمَهَا عَلٰی قَومٍ یہ اس لیے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عطا کردہ نعمت کو تبدیل نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو واپس نہیں لیتا حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنفُسِهِم یہاں تک کہ وہ خود تبدیل نہ کریں جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی طرف سے کسی نعمت کی واپسی خود انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم اللہ کی طرف سے انعام واکرام پاکر بھی ناشکری کرتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی نعمت کو اٹھا لینے پر بھی قادر ہے۔ فرمایا وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیعٌ عَلِیمٌ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے دلوں کی بات، نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے۔ اور پھر اسی کے مطابق جزا دیتا ہے۔

نعمت کی تبدیلی

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک انسان میں حق وصداقت کا جذبہ موجود نہ ہو، خدا تعالیٰ ہدایت بھی نصیب نہیں کرتا۔ اپنے آپ میں

تبدیلی کا جذبہ موجود ہو۔ معصیت کو ترک کرنے اور خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی تڑپ موجود ہو تو اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے بھی کھول دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک انسان کا اندرونی نظام فاسد نہیں ہوتا، اُس سے کوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔ جب اعتقاد بگڑتا ہے تو نعمت بھی چھن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ راحت کی بجائے تکلیف میں ڈال دیتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں اللہ کا فرمان ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے انعام کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اُتارا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اہل مکہ کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم نعمت عطا کی مگر انہوں نے قدر نہ کی بلکہ ناشکری کی اور ہمع قوم جہنم رسید ہو گئے۔ یہاں پر بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکے والوں نے اس نعمت کی ناقدری کی اور حضور علیہ السلام کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی خدا کی گرفت آئی اور انہیں تباہ کر کے رکھ دیا۔ جب مکے والوں کی نیت بدل گئی تو اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی آگئی۔

گنہگاروں کی ہلاکت

آگے پھر وہی آیت مکرر آئی ہے كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اُن کی عادت قوم فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کی عادات جیسی ہے كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور آل فرعون کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا۔

امام رازیؒ اس مقام پر یہ نکتہ اُٹھایا ہے کہ حصہ آیت كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کو دوبارہ لانے سے کیا مقصود ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ دراصل دوسرا جملہ پہلے جملے کی تفصیل ہے۔ پہلے جملہ میں یہ تھا

کہ جو آدمی کفر شرک یا معصیت کا ارتکاب کریگا وہ پکڑا جائے گا اور دوسرے جملہ میں یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ چنانچہ آلِ فرعون کو اللہ نے بحیرہ قلزم میں غرق کر دیا۔ باقی نافرمان اقوام میں سے بھی کسی پر پتھروں کی بارش کی، کسی کو زمین میں دھنسا دیا، کسی پر زلزلہ اور کسی کو چیخ نے آلیا۔ اسی طرح مکہ والوں کو اللہ نے بدر کے مقام پر گرفت میں لے لیا۔

کفر اور تکذیب

دونوں جگہ پر اس آیت میں یہ فرق بھی ہے کہ پہلی آیت میں کفر کا ذکر ہے کہ آلِ فرعون اور دوسرے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات، نشانات اور دلائل کا انکار کیا جب کہ دوسرے مقام پر کذبوا ہے یعنی انہوں نے اپنے رب کے دلائل کو جھٹلا دیا۔ پہلی آیت میں کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ہے یعنی انہوں نے معبودِ برحق اللہ کی آیات کا انکار کر دیا اور دوسری آیت میں کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب کی۔ یعنی جس پروردگار نے انہیں ہزاروں، لاکھوں نعمتیں عطا کیں، اُس رب کے دلائل (واحکام) کو جھٹلایا اور اِن نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو فرمایا پہلی آیت میں انکار کیا تو ان پر گرفت آگئی اور جب دوسری آیت میں تصدیق کی بجائے تکذیب، شکر کی بجائے ناشکری کی، اللہ کے احسانات کی ناقدری کی تو اُن پر ہلاکت آگئی اور وہ نیست و نابود ہو کر رہ گئے۔

اہلِ ایمان کے لیے تسلی

اس کے بعد اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ رکھو، خدا تمہارے دشمنوں کو خود سنبھال لے گا۔ جب فرعون جیسے سرکش اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے تو مشرکین مکہ کی تو حیثیت ہی کچھ نہیں، یہ کیسے بچ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر ہے کہ ان کو تو ہم نے پہلوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا، پھر یہ کس بات پر اترا رہے ہیں۔ آلِ فرعون کو پانی میں ڈبو دیا وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ وہ سب کے سب ظالم لوگ تھے۔ ظلم کا حشر ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ اِن کو مہلت تو ملتی رہتی ہے

مگر جب وہ مدت پوری ہوجاتی ہے تو اللہ کا عذاب اچانک آجاتا ہے مکے والوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کیے اور آخر کار وہ اپنے اعمال کی پاداش میں پکڑے گئے اور ذلیل و خوار ہو کر میدانِ بدر سے لوٹے۔

درس ہفدہم ۱۷ آیت ۵۵ تا ۵۸

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ
عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۵۶﴾
فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ
خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن
قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا
ع ۱۰/۳ يُحِبُّ الْخَآئِنِينَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ :- بیشک سب جانداروں میں بُرے اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۵۵﴾ وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے اُن میں سے، پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر مرتبہ اور وہ نہیں ڈرتے ﴿۵۶﴾ پس اگر آپ قابو پالیں اُن پر لڑائی میں، پس (اُن کو عبرتناک سزا دیکر) بھگا دیں اُن کو جو اُن کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿۵۷﴾ اور اگر آپ خوف کھائیں کسی قوم کی طرف سے خیانت کا، پس پھینک دیں اُن کی طرف (اُن کے عہد کو) برابر سرابر۔ بیشک اللہ تعالےٰ نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والوں کو ﴿۵۸﴾

ربط آیات اللہ تعالیٰ نے جہاد سے متعلق سات اہم اصول بیان کر دیے ہیں۔ منافقوں کا حال بھی بیان ہوا ہے کہ جب مسلمان بدر کی طرف روانہ ہوئے تو منافق کہنے لگے

کہ مسلمانوں کو اُن کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ دھوکہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے۔ جو کوئی اللہ کی ذات پہ بھروسہ کریگا تو اللہ تعالیٰ اسے غلبہ نصیب فرمائے گا۔ پھر اللہ نے منافقوں اور مشرکوں کی عادت کو آلِ فرعون کی عادت سے تشبیہ دی جنہوں نے کفر پہ اصرار کیا اور دینِ حق کی مخالفت کی، وہ اپنے گناہوں کے بدلے میں پکڑے گئے اور اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں، وہ اُن کو چھوڑتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو اس دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور آخرت کی سزا تو اُن کے لیے بہرحال ہے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے مخالفین یہودیوں کا ذکر کیا ہے جو بار بار عہد کو توڑتے تھے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، پھر اللہ نے انہیں سزا بھی خوب دی۔

میثاقِ مدینہ

جب زمانے میں حضور علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اُس وقت مدینہ کے اردگرد یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ تجارت پیشہ اور زراعت پیشہ تھے۔ ان کے بڑے بڑے باغ تھے۔ صاحبِ علم سمجھے جاتے تھے، سودی کاروبار بھی کرتے تھے اور اس طرح انہیں اس علاقے میں علمی اور معاشی برتری حاصل تھی۔ اِن کے بڑے قبیلے بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ مدینے پہنچ کر حضور علیہ السلام نے اردگرد کا جائزہ لیا تو اس سرزمین میں اسلام کے پودے کی پرورش کے لیے حالات کو قدرے سازگار پایا۔ تاہم آپ نے مدینہ اور اس کے اطراف کے تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس معاہدہ میں سارے یہودی اور دیگر قبائل بھی شامل تھے۔ معاہدہ یہ تھا کہ تمام قبائل اور خاندان اپنے دین اور مذہب پہ قائم رہیں گے اور کسی کو دین تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اگر کوئی طاقت باہر سے مدینہ پہ

حملہ آور ہو گی تو معاہدے میں شریک تمام لوگ مدینہ کا مشترکہ دفاع کریں گے
اس معاہدہ پر مدینے کے مشہور یہودی کعب بن اشرف، بنی قینقاع،
بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بھی دستخط کئے۔ تاہم یہودی عام طور پر عہد کی خلاف ورزی
کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مشرکین مکہ کو ہتھیار فراہم کیے،
جب پوچھا گیا تو عذر لنگ یہ پیش کیا کہ ان کو معاہدہ یاد ہی نہیں تھا۔ یہ لوگ
مکہ والوں کے ساتھ بھی ساز باز رکھتے تھے۔ اور دوسرے قبائل کو آپس میں لڑانے
کی منصوبہ بندی بھی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں
ان کا معمول بن چکا تھا۔ اللہ نے ان کا حال بیان فرما کر ان کو سخت سزا دینے
کا حکم دیا ہے۔

بدترین جاندار

اللہ تعالیٰ نے شر پسند یہودیوں کی مثال بدترین جانداروں کے ساتھ دی
ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
زمین پر چلنے والوں میں بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار
کیا ہے۔ دواب، دابہ کی جمع ہے جس کا معنیٰ زمین پر چلنے پھرنے والا
جاندار ہوتا ہے۔ زمین پر لاکھوں جاندار ہیں جس میں انسانوں کے علاوہ درندے
کیڑے مکوڑے ہیں جن کی مختلف قسمیں اور مختلف صورتیں ہیں، ہر ایک
کی الگ الگ بولی، رنگت اور سامان حیات ہے۔ انسان بھی انہی میں
سے ایک جاندار ہے مگر ان سب جانداروں میں سے بدترین جاندار وہ
انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے، نبی کی مخالفت
پر کمر بستہ ہے۔ توحید کو مٹا کر کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتا ہے۔ ایسے
لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ سورۃ بینہ میں ایسے لوگوں کو "شَرُّ الۡبَرِيَّةِ"
یعنی مخلوق کا بدترین حصہ کہا گیا ہے اور اہل ایمان کو "خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ" یعنی مخلوق
خدا کا بہترین حصہ قرار دیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں یہ نکتہ بیان کیا ہے

کہ کافر لوگ عام جانوروں اور کیڑے مکوڑوں سے بھی کیوں بدتر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کا ہر جاندار اپنے مقصدِ حیات کو پورا کرتا ہے۔ اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اپنے مالک اور مربی کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے حتیٰ کہ بیل، گھوڑے، گدھے اور بھینس بھی اپنے مالک کی بات سنتے ہیں اور اس کی خدمت بجا لاتے ہیں مگر یہ کافر اور مشرک انسان ہیں جو اپنے مالک کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش کو مقدم رکھتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ پوری مخلوق میں سے بدترین حصہ ہیں۔ سورۃ اعراف میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے "كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" کہ وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ جانور تو اپنا مقصدِ حیات پورا کرتے ہیں مگر یہ اتنا بھی نہیں کرتے، لہٰذا یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان میں کافر، مشرک اور یہودی سب آجاتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر یہودیوں کی خاص طور پر مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یہی لوگ ہیں جو ایمان سے خالی ہیں۔

عہد شکن لوگ

فرمایا یہ وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ کہ آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ پھر وہ ہر بار اپنے معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں، اس پر پورا نہیں اترتے وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ اور وہ ذرا بھی خوف نہیں کھاتے۔ معاہدہ کی پابندی تو بہر حال ضروری ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد و پیمان کے متعلق باز پرس ہوگی۔ عہد کی خلاف ورزی کرنا اور غداری کرنا منافقوں کی علامت ہے جماعتی اور حکومتی نظام کو درست رکھنے کے لیے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے اسلام میں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ جو مسلمان ہے وہ تو عہد کو پورا کرے گا۔ البتہ غیر اقوام کا حال مختلف ہے۔ پہلی جنگ عظیم FIRST GREAT WAR میں چار کروڑ سے

زیادہ انسان مارے گئے۔ ترکوں اور جرمنوں کے خلاف انگریزوں نے یہ بڑی زبردست جنگ لڑی۔ اس جنگ میں جب انگریزوں کے وزیر جنگ WAR MINISTER لائڈ جارج سے کہا گیا کہ آپ نے معاہدہ کیا تھا اب اُس کو پورا کیوں نہیں کرتے، تو کہنے لگا عہد و پیمان پورا کرنے کے لیے نہیں کیے جاتے۔ یہ تو محض وقت گزاری کے لیے ہوتے ہیں، انگریزوں جیسی قوم کا نظریہ حیات یہ ہے۔ اسلام میں اس کو غداری کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اگر کوئی معاہد فریق اپنے معاہدہ کو برقرار نہیں رکھنا چاہتا تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے فریق کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ یہ معاہدہ قائم نہیں رہ سکتا تاکہ دوسرا فریق اپنا مناسب انتظام کرلے۔ خود معاہدے پر عمل نہ کرنا اور دوسرے کو دھوکہ میں رکھنا نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے۔ جو عہد کیا ہے اس کو بہر حال پورا کرنا چاہیئے یا علی الاعلان توڑ دینا چاہیئے۔

عہد شکنی کی سزا

آگے عہد شکن لوگوں کی سزا کے متعلق فرمایا فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ پس اگر آپ قابو پالیں اُن پر دوران جنگ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ تو اُن پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ اُن کے پیچھے آنے والوں کو بھی بھگا دیں۔ اگر لڑائی میں حصہ لینے والوں کو شکست فاش دے دی جائے تو اُن کی حمایت میں آنے والوں کے حوصلے ویسے ہی پست ہو جاتے ہیں اور وہ شکست خوردہ لشکر کی امداد پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی لیے فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والے غداروں کو ایسی عبرتناک سزا دیں کہ اُن کی کمک کے طور پر آنے والے بھی تتر بتر ہو جائیں تشرید کا معنی بکھر جانا یا تتر بتر ہو جانا ہے فرمایا اُن کو ایسی مار ماریں لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور جان جائیں کہ انہیں باطل کی حمایت نہیں کرنی چاہیئے۔ چنانچہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حجت بازی کرتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں کے دو قبیلے جلا وطن کر دیے گئے۔ اُن کی

زمینوں اور دیگر جائداد پر قبضہ کر لیا گیا۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ تو یہ سلوک ہوا تیسرا بڑا قبیلہ بنی قریظہ زیادہ خبیث تھا۔ اُس نے غزوہ احزاب میں بھی سازش کی تھی اور جنگ اُحد میں بھی۔ وہ مشرکین کے ساتھ مل گئے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت ترین سزا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُن کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا گیا۔ معاہدہ شکن اور خوف خدا سے عاری لوگ ایسی ہی عبرت ناک سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

معاہدے کی منسوخی

فرمایا کہ معاہدہ ہو جانے کے بعد اگر کوئی فریق اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس معاہدے کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً اگر آپ کو کسی معاہد قوم کی طرف سے معاہدے میں خیانت کا ڈر ہو فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ پس پھینک دیں اُن کی طرف برابر برابر یعنی معاہدے کی منسوخی کا اعلان کر دیں اور پھر اُن کے خلاف جو کارروائی مناسب سمجھیں کر گزریں۔ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی معاہدہ کارآمد ہو اُس کی خلاف ورزی کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ اور پوری دیانتدارانہ کوشش کے باوجود جب معاہدہ کی پاسداری نہ کی جا رہی ہو تو پھر اِس کو توڑ دینا ہی بہتر ہے تاکہ فریقین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کر سکیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب معاہدہ کرو تو اس کو نبھاؤ وَلَا تَغْدِرُوْا اور غداری نہ کرو اور اگر نہیں نبھا سکتے تو اس کو منسوخ کر دو۔

امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔ ابھی معاہدہ ختم ہونے میں چند دن باقی تھے کہ آپ نے فوجوں کو سرحد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُن کے خیال کے مطابق اپنی سرحدوں کے اندر رہ کر فوجی نقل و حمل کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام کے صحابی عمرو ابن عبسہؓ نے اس کارروائی کو پسند نہ کیا وہ سواری پر دوڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور نعرہ لگاتے ہوئے کہا وَفَاءٌ وَّلَا غَدْرٌ یعنی عہد کی وفا

ہونی چاہیئے اور خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیئے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کی حدیث پیش کی کہ اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کیا ہے تو اس کے اختتام تک اس کی وفا کرو اور زیادتی نہ کرو۔ فوجوں کی نقل وحرکت روک دو۔ جب معاہدے کی تاریخ گزر جائے تو پھر جو چاہے کرو۔ یہ احتیاط کی بات تھی جو مسلمانوں کا شعار ہے ورنہ اپنی سرحدوں پہ فوجوں کو منتقل کرنا معاہدے کی خلاف ورزی نہ تھا۔

بہرحال فرمایا کہ اگر معاہدے میں خیانت کا خطرہ ہو تو معاہدے کو توڑ دو کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں یعنی معاہدہ شکن لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ترمذی شریف کی روایت میں بھی آتا ہے لَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ جو تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔ تم مومن ہو، اپنے اصول پر قائم رہو، عہد وپیمان کی پابندی کرو اور غدار نہ بنو۔

درس ہژدہم ۱۸ آیت ۵۹ تا ۶۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ :- اور نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ سبقت کر جائیں گے (بھاگ جائیں گے) بیشک وہ نہیں عاجز کر سکتے ﴿۵۹﴾ اور (اے ایمان والو) تیاری کرو ان (دشمنوں) کے مقابلے میں جو کر سکتے ہو طاقت سے اور باندھے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس کے ساتھ تم ڈرا سکو اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور کچھ دوسروں کو ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿۶۰﴾

کفار کی خام خیالی

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان ہوا تھا کہ سازشی یہودیوں کو ایسی عبرتناک سزا دو کہ اُن کے پیچھے آنے والوں کو بھی اس سے عبرت ہو۔ مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اِس سے مسلمانوں کے دلوں میں

یہ خدشہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ہماری اس سادہ لوحی سے کافر لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ ہمیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ دیانتداری اور اصول کی پابندی مسلمانوں کا شعار ہے اور اسی پہ مدار فلاح ہے اور اگر کافر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ اللہ نے خبردار کیا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ سبقت کر جائیں گے یعنی وہ مسلمانوں کو اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے کمزور کر کے کہیں بھاگ جائیں گے۔ فرمایا وہ ایسا گمان نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے وہ کافروں کی کوئی تدبیر نہیں چلنے دیگا۔ اور وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کے شاملِ حال ہے لہٰذا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ کفار اہل ایمان کو عاجز نہیں کر سکتے کہ انہیں دھوکہ دیکر کہیں بھاگ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے

مکمل جنگی تیاری

فرمایا اصول کی پابندی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اپنی جگہ تیاری نہ کریں بلکہ اِن آیات میں تیاری کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ اور تیاری کرو اُن (دشمنوں) کے مقابلے میں جس قدر ہو سکے مِّنْ قُوَّةٍ طاقت سے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم محض ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے رہو بلکہ دشمن کے خلاف مکمل جنگی تیاری کرو۔ اسلحہ جمع کرو۔ چھاؤنیاں قائم کرو۔ مجاہدین کی تربیت کا انتظام کرو۔ اور ہر وقت مستعد رہو۔ قوت کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے منبر پر چڑھ کر فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ خبردار! طاقت تیر میں ہے۔ اُس زمانے میں تیر کا ہتھیار بڑا کارگر تھا۔ جو دشمن کو دور سے ہی نشانہ بنا سکتا تھا لہٰذا حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی اہمیت بیان فرمائی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے خود بھی تیر کمان رکھا، تلوار اور نیزہ بھی

استعمال کیا۔ آپ نے جنگی مقاصد کے لیے اونٹ، گھوڑے، خچر بھی استعمال کئے۔ آپ نے تیر اندازی کی ترغیب دی فرمایا خود بھی سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ اور پھر اس کی مشق بھی جاری رکھو تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔

امام ابوبکر جصاص رح نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ والدین پہ لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دے یعنی کتاب اللہ کی تعلیم، تیراکی اور تیر اندازی۔ شاہ اسماعیل شہید رح شدید گرمی میں بھی مشق کے لیے برہنہ پا چلتے تھے اور دریائے جمنا میں تیراکی کی مشق کیا کرتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ان میں احیائے اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کی تحریک خود مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے عملاً ناکام ہو گئی مگر اس کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔ انہوں نے جہاد میں عملی حصہ لے کر بتا دیا کہ جذبہ اور اطاعت ایسی ہوتی ہے اور دشمن سے مقابلہ اس طرح کیا جاتا ہے۔ اگلی سورۃ میں بڑے بڑے مضامین آرہے ہیں فرمایا ہے "فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ" کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور لیڈروں سے لڑو۔ ان کو تہ تیغ کرو۔ جب تک پوری قوت کے ساتھ ان کے ساتھ نہیں ٹکراؤ گے۔ یہ اپنی سازشوں سے باز نہیں آئیں گے۔ فرمایا اس کام کے لیے اپنے اندر قوت پیدا کرو۔ سائنسدان پیدا کرو اور سامان ضرب و حرب اکٹھا کرو تاکہ تم اپنا دفاع کر سکو اور کفار و مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچا سکو۔

امام ابوبکر جصاص رح فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو تیر اندازی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد محض تیر اندازی نہیں بلکہ وقت کے جدید ترین ہتھیاروں کا استعمال ہے۔ حضور کے زمانہ مبارک میں تیر اندازی ہی جنگ کے لیے بہترین ہتھیار سمجھا جاتا تھا مگر آج اس سے ہر قسم کی بندوق، توپ، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں فضا سے فضا اور زمین سے فضا میں مار کرنیوالے میزائل

جنگی کشتیاں اور تباہ کن بحری جہاز، ہوائی جہاز، راکٹ اور آبدوزیں ہیں۔ مقصد تو یہ ہے کہ دشمن کا صفایا کیا جائے اور ہر وہ ہتھیار استعمال کیا جائے جو ضروری ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دشمن کے پاس جدید قسم کے ہتھیار موجود ہوں گے تو مسلمان صرف تیر اور تلوار پر ہی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھ سکتے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے اگر ناخن بھی کام دے سکتا تو بیشک ناخنوں کو بڑھالو۔ حالانکہ عام حالات میں ناخن کاٹنے کا حکم ہے تو مقصد یہ کہ دشمن کے خلاف تیاری کے لیے تمام آلات حرب اور تمام وسائل بروئے کار لانا لازمی ہے۔ مِنْ قُوَّةٍ میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

مالی جہاد کی ضرورت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مالی جہاد ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، دشمن کے مقابلے کے لیے وسائل مہیا کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے وسیع مالی ذرائع کی ضرورت ہے توپ کے ایک چھوٹے سے گولے کے لیے تین ہزار روپے کی ضرورت ہے جب کہ بڑا گولہ سات ہزار روپے میں بنتا ہے ایک ٹینک لاکھوں روپے میں بنتا ہے اور بمباری کرنے والا ہوائی جہاز تو کروڑوں میں آتا ہے۔ جنگی تیاری کے لیے بڑے وسیع سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے جو مسلمان فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

دیگر عبادات کی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت ہر مرد و زن پر فرض ہوتی ہے اور کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ جہاد ہر عاقل، بالغ اور صحت مند مسلمان پر بلامعاوضہ فرض ہے۔ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت میں سے کچھ آدمی اس میں شریک ہو جائیں تو فرض ادا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عام حالات میں مجاہدین کی ایک جماعت ہمیشہ مستعد رہتی ہے البتہ جب نفیرِ عام کا وقت آتا ہے تو جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے

جب قوم کو ضرورت ہو تو پھر کوئی فرد واحد بھی پیچھے نہیں رہ سکتا صرف نابینا، لنگڑا، بیمار اور بہت بوڑھا عملی جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے لیے بھی شرط ہے اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ جبکہ وہ اللہ اور رسول کے حق میں خیر خواہ ہوں۔ کوئی غلط پراپیگنڈا نہ کریں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں اچھی بات کریں جس سے دوسرے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو اور اسلام کو تقویت پہنچے۔

مسلمانوں کی غفلت

امام ابوبکر جصاصؒ چوتھی صدی کے مفسر قرآن ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں کی کمزوری کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اور اس زمانے میں دیکھ رہے تھے کہ مسلمان عیاشی میں پڑ گئے ہیں اور ملکی سرحدیں کمزور ہو رہی ہیں۔ یہ تو اُس زمانے کی بات ہے جو مسلمان اُس وقت پھسلنا شروع ہوئے تھے، وہ آج کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور مسلسل ضعف کی طرف جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام برحق ہے۔ نبی کا فرمان سچ ہے۔ دین سچا ہے۔ اس کے اصول درست ہیں مگر کمی ہے تو صرف عمل کی آج مسلمان دُنیا بھر میں اپنی بے عملی کی وجہ سے ذلت کا شکار ہیں۔ عمل کرنے کے لیے جان اور مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے، بڑے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے مگر آج مسلمان عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں کھیل تماشے میں مصروف ہیں۔ مسلمان بھی اہل یورپ کے پیچھے لگ کر اپنے مشن کو بھول چکے ہیں۔ تبلیغ دین، تصنیف و تالیف اور جہاد فرض ہے نئی پود کی تربیت انہی چیزوں سے ہوتی ہے اگر تعلیم و تربیت ہی ختم ہو جائے تو فرائض کی ادائیگی کیسے ہو سکے گی، لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی اپنی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے خیر خواہی کا ثبوت مہیا کرے۔ یہ جہالت کا نتیجہ ہے کہ آج کسی کو نکاح طلاق کی مبادیات سے بھی واقفیت نہیں اور پھر افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ سیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے عام

دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر طلاق کی نوبت آجائے تو ایسی تحریر کریں گے جس سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں۔ حلال وحرام کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں ایک عام مسلمان کے سیکھنے کی ہیں مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

وسائل سے استفادہ

دنیائے اسلام اس وقت قدرتی وسائل سے مالامال ہے صرف ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اقتصادی لحاظ سے دنیا میں تیل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ امن کی حالت میں بھی اس کے بغیر گزارہ نہیں مگر جنگ کی حالت میں تو تیل ایک مؤثر ہتھیار ہے مسلمانوں کے پاس یہ چیز وافر مقدار میں موجود ہے دیگر معدنیات کی بھی کمی نہیں مگر اس کے باوجود ان کو دنیا میں عزت و وقار حاصل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے عطا کردہ وسائل سے استفادہ نہیں حاصل کر پاتے۔ ان میں صلاحیت موجود ہے مگر محنت اور قربانی کا جذبہ مفقود ہے۔ عرب ممالک پچاس ساٹھ سال سے تیل پیدا کر رہے ہیں مگر اس کے لیے ماہرین ابھی تک امریکہ اور جرمنی سے آتے ہیں۔ آج تک اپنے انجینئر پیدا نہیں کرسکے، کہیں نقص پڑ جائے تو اسے درست نہیں کرسکتے۔ اس کے لیے بھی ماہرین درآمد کرنا پڑتے ہیں۔ خود تعلیم حاصل کریں۔ تجربات کریں اور کم از کم اپنے کام میں تو خودکفیل ہوجائیں اور بیرونی ماہرین کو ادا کی جانے والی بڑی بڑی رقمیں بچا سکیں۔ یہ پستی کی نشانی ہے۔ آرام طلب ہوگئے ہیں اور محنت سے جی چراتے ہیں حالانکہ محنت اور جذبے کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جس قدر ہوسکے اپنے اندر قوت پیدا کرو، وسائل کو بروئے کار لاؤ، اسلحہ تیار کرو۔ مجاہدین کی بہترین تربیت کرو تاکہ تم دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکو۔

مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں خوب محنت کی۔ ان میں قربانی

کا جذبہ اور غلبہ دین کی تڑپ تھی۔ جن کے اثرات سات سو سال تک دنیا میں موجود رہے۔ اور اسلام کی عالمگیر حیثیت دُنیا میں قائم رہی۔ تمام دُنیا پر اہل اسلام کی سیاست چلتی تھی۔ مگر جب انحطاط شروع ہُوا تو تمام وسائل کے موجود ہونے کے باوجود مسلمان دُنیا میں تیسرے درجے کے باشندے بن گئے ہیں دنیا میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس زمانے میں بھی اہل ایمان میں بڑے بڑے قابل دماغ ہیں۔ باصلاحیت نوجوان موجود ہیں مگر حکومت اور قومی اداروں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ لائق نوجوان کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں مگر ان سے استفادہ حاصل نہیں کیا جا رہا یہی بدقسمتی ہے۔

مسلمانوں کے جنگی گھوڑے

فرمایا دشمن کے مقابلہ میں حسب استطاعت تیاری کرو قوت کے ساتھ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ اور باندھے ہوئے گھوڑوں کے ساتھ۔ یہاں پر اللہ نے جنگی مقصد کے لیے گھوڑوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ گھوڑا بڑا بابرکت جانور ہے اور اس کی یہ برکت قیامت تک موجود رہیگی۔ اگرچہ آجکل گھوڑوں کی جگہ جیپوں اور ٹینکوں نے لے لی ہے مگر پھر بھی دنیا میں ایسے ایسے پہاڑی مقامات ہیں جہاں گھوڑے اور خچر ہی کام دے سکتے ہیں۔ فرمایا جنگی تیاری کا مقصد یہ ہے تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ کہ اس کے ذریعے تم اللہ اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کر سکو۔ جنگی تیاری جاری رکھو گے تو دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہو گی اور اگر تم آرام طلب بن گئے، جہاد کے لیے سامان کرنا چھوڑ دیا تو دشمن مسلط ہو جائے گا اور پھر تم غلام بن جاؤ گے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنی تیاری جاری رکھو تاکہ دشمن تم سے ڈرتا رہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی خوف زدہ کر سکو یعنی قریش مکہ اور مشرکین عرب وغیرہ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ کہ جن کو تم نہیں جانتے اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ بلکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے رومی اور ایرانی لوگ مراد ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان اُن سے غافل ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تمہارے دشمن صرف عرب کے لوگ ہی نہیں بلکہ تمہیں دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ لہذا اُس کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ سورۃ قتال میں بھی ذکر ہے کہ آج جو لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں کل ان کو بڑی بڑی جنگوں کے لیے دعوت دی جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی اعانت و نصرت سے مسلمانوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں اور اُن میں فتح حاصل کی۔ اُس وقت مسلمانوں میں کمال درجے کی اطاعت اور جذبہ پایا جاتا تھا۔ مصر کی فتح کے حالات پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے قادسیہ کے معرکے میں مسلمانوں نے کتنی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ ایرانی جنگیں کیسے لڑیں۔ صوبہ خراسان اور پھر بربر تک مسلمان بڑھتے چلے گئے یہ سب جذبہ ایمان اور جنگی تیاری کی وجہ سے تھا مگر افسوس کا مقام ہے کہ اَب یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

جہاد ذریعہ حیات ہے

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ عام صدقہ وخیرات کا اجر دس گنا ہے جب کہ جہاد کے لیے خرچ کیے گئے پیسے کے اجر کی ابتداء سات سو گنا سے شروع ہوتی ہے اور پھر بغیر تحدید کے بڑھتی چلی جاتی ہے ایک شخص نے جہاد کے لیے ایک اونٹنی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا، تمہیں قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں بمعہ پالان ملیں گی یعنی پورے ساز و سامان کے ساتھ لدی ہوئی ہوں گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے ذروۃ سنامہ الجہاد یعنی اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ جہاد کرو گے تو عزت حاصل ہوگی، دشمن مغلوب ہوگا۔ بدمعاشی کا قلع قمع ہوگا اور دنیا امن و امان کا گہوارہ بن جائیگی۔ حدود قائم ہونگی اور اسلام کو سربلندی

حاصل ہوگی۔ اگر جہاد کو ترک کر دو گے تو پستی کی گہرائیوں میں گر جاؤ گے۔ اگر حدود اللہ نافذ نہیں کرو گے تو دشمن ریشہ دوانیاں کریں گے۔ پھر تم کہیں غلام بن جاؤ گے اور کہیں مغلوب ہو جاؤ گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے، جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل وخوار ہو کر رہ جاتی ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے، عزت و وقار حاصل نہیں ہوگا فرمایا حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ اگلی سورۃ میں اس ضمن میں بہت سی باتیں آئیں گی۔

مالی جہاد کا اجر

فرمایا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تم اللہ کے راستے میں یعنی جہاد کی مد میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے یُوَفَّ اِلَیْکُمْ تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جہاد کے لیے ایک کا بدلہ سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے۔ تم اتنے عظیم اجر کے مستحق ہو جاؤ گے۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ اور تم پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائیگی۔ تمہارا کوئی عمل اور کوئی نیکی رائیگاں نہیں جائیگی۔ ہر چیز اللہ کے ریکارڈ میں موجود ہے اور وقت آنے پر اس کی قدر دانی ہوگی اور اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا کسی کی نیکی ضائع کر کے اس پر زیادتی نہیں کی جائیگی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ
يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۗ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۗ لَوْ اَنْفَقْتَ
مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۗ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا
ع النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ :- اگر یہ (مخالف لوگ) جھک جائیں صلح کی طرف ، تو آپ بھی جھک جائیں اس کے لیے ، اور بھروسہ کریں اللہ کی ذات پر بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿٦١﴾ اور اگر یہ لوگ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں ، پس بے شک کافی ہے آپ کے لیے اللہ ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی (خاص) نصرت کے ساتھ اور ایمان والوں کے ساتھ ﴿٦٢﴾ اور الفت ڈال دی ان کے دلوں میں ۔ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ، تو نہ الفت ڈال سکتے اُن کے دلوں میں ، لیکن اللہ نے اُن کے دلوں میں الفت ڈالی ہے ۔ بیشک وہ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے ﴿٦٣﴾ اے نبی ! کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ اور ان

لوگوں کے لیے جنہوں نے پیروی کی آپ کی ایمان والوں میں سے (۶۴)

رابطِ آیات
گذشتہ درس میں فرضیتِ جہاد کے ضمن میں اہل ایمان کو حکم دیا جا چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں حسبِ استطاعت قوت فراہم کریں۔ اس سے مراد نہ صرف انفرادی قوت ہے بلکہ زمانے کی مناسبت سے جدید ترین اسلحہ، ذرائع نقل و حمل، در بہترین ذرائع ابلاغ بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ دشمنِ اسلام بھی اپنے باطل پروگرام کی تکمیل کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائے گا، لہٰذا ایمان والوں کا بھی فرض ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں بہترین صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت مستعد رہیں۔ جنگ کے سارے اہم اصول بیان کرنے کے بعد اللہ نے آخر میں قوت جمع کرنے کا اصول بیان فرمایا تھا اور اب آج کے درس میں قانونِ صلح کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

صلح پر آمادگی
ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ اگر یہ لوگ (کافر، مشرک، یہود و نصاریٰ) صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو اے پیغمبر (علیہ السلام) فَاجْنَحْ لَهَا آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں۔ جنگ کوئی مقصود بالذات تو نہیں ہے کہ محض شغل کے طور پر بلاوجہ جنگ جاری رکھی جائے بلکہ اس سے مراد تو یہ ہے کہ فتنہ و فساد کا قلع قمع کر کے دنیا میں امن و امان کی فضا قائم کی جائے، کفر و شرک کی باطل رسومات کا خاتمہ ہو کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی توحید کا ڈنکا بجے، مظلوم کی اعانت ہو اور ظالم پر حدود جاری ہوں۔ لہٰذا فرمایا کہ جب حالات کا تقاضا ہو اور دشمن صلح پر آمادہ ہو تو آپ بھی اُن کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ ہاں اگر وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آپ بھی آخری فتح تک بہترین وسائل کے ساتھ اُن کے خلاف برسرپیکار رہیں۔ بہرحال صلح و جنگ دونوں قسم کے قوانین بڑے اہم ہیں جن پر عملدرآمد ہی کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔

صلح کے فوائد
جس طرح حصولِ مقصد کے لیے بعض اوقات جنگ ناگزیر ہوتی ہے، اسی طرح خاص مصلحت کے تحت بعض اوقات صلح بھی مفید ہوتی ہے۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ اس کی بہترین مثال ہے۔ جب آپ چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ آئے

توکفار نے حدیبیہ کے مقام پہ ہی روک دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ چونکہ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے، اس لیے اُن کے پاس نہ تو وافر افرادی قوت تھی اور نہ ہی سامان ضرب وحرب، مگر حالات کا تقاضا یہ تھا کہ جس مقصد کے لیے آئے ہیں اُسے ہر حالت میں پورا کیا جائے۔ فریقین کی گفت و شنید کے نتیجہ میں حضور علیہ السلام نے نہایت کمزور شرائط پہ صلح کی پیش کش کو قبول فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعتِ اسلام کی رفتار ناقابلِ یقین حد تک تیز ہو گئی اور اس واقع کے بعد نازل ہونے والی سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ اِس معاہدے کے بعد لوگ اسلام میں اس کثرت سے داخل ہونے لگے جیسے کسی حصار کا پھاٹک کھول دیا گیا ہو۔ یہ اس صلح کا بین فائدہ ہوا۔ بعض حضرات فتح مبین سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ فتح مکہ تو اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد عمل میں آئی۔ جب کہ سورۃ فتح صلح حدیبیہ کے معاً بعد واپسی پہ دورانِ سفر نازل ہوئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے صلح و جنگ کے جن قوانین کو سورۃ انفال اور سورۃ توبہ میں اجمالاً بیان فرمایا ہے، ان کی تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ تمام محدثین کرام نے اپنی اپنی جامعات میں سیر کے نام سے باب باندھے ہیں جن میں اس موضوع پہ احادیث کو جمع کیا ہے۔ اِن قوانین کی سب سے زیادہ تفصیل امام محمدؒ کی السیر الصغیر اور السیر الکبیر میں بیان کی گئی ہے۔ یہ تین جلدوں میں قوانینِ صلح و جنگ پہ بہترین کتاب ہے

فرمایا اگر کفار و مشرکین صلح پہ آمادہ ہوں تو آپ بھی صلح کے لیے تیار ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بعض اوقات صلح، جنگ سے زیادہ مفید توکل بر خدا

مثال صلح حدیبیہ ہے جس کے متعلق محدثین و محققین فرماتے ہیں کہ صلح کا یہ معاہدہ امت کے لیے بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاہدات کے ذریعے اہل ایمان میں دین کا ذوق وشوق، جذبہ تنظیم اور اجتماعیت پیدا ہوتی ہے، قربانی کا مادہ جنم لیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایمان والوں کی فتح یقینی بنتی ہے۔ چنانچہ سورۃ فتح میں صلح حدیبیہ اور اس میں حاصل ہونے والے فوائد کی تفصیلات بیان کر دی گئیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جب مخالفین صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی تیار ہو جائیں اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے معاہدہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ مشرکین کے عزائم بد کو بھی جانتا ہے اور تمہارے خلوص سے بھی واقف ہے۔ وہ ہر ایک کی طاقت اور کمزوری پر نگاہ رکھتا ہے لہٰذا ہر کام اُسی کے بھروسے پر انجام دیں وہ اہل ایمان کو مایوس نہیں کرے گا۔

مشرکین کی بدنیتی پر نصرت الٰہی

فرمایا وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡۤا اَنۡ یَّخۡدَعُوۡكَ اگر مشرکین آپ سے دھوکہ دہی کا ارادہ کریں۔ اُن کا مائل بہ صلح ہونا نیک نیتی کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ مزید تیاری کے لیے وقت حاصل کرنا مقصود ہو اور اس طرح صلح کے ذریعے آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو فرمایا فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کفایت کرنے والا ہے۔ آپ اُن کی طرف سے چال بازی سے گھبرائیں نہیں بلکہ اللہ کے قانون کے مطابق مصلحت کے پیش نظر صلح کی پیشکش کو قبول کر لیں اور پھر اللہ پر مکمل بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ خود ایسا انتظام فرما دے گا کہ مشرکین کا دھوکہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

فرمایا هُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وہ وہی ذات ہے جس نے

آپ کی تائید کی اپنی مدد کے ساتھ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور مومنوں کی (مختصر سی) جماعت کے ساتھ۔ بدر کے میدان میں اللہ نے خوب مدد فرمائی۔ آپ کے ساتھ تھوڑی سی جماعت تھی مگر اللہ نے اہل ایمان کو کامیاب بنایا اور مشرک مغلوب ہو گئے جس سے کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں کے دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوا۔ اللہ کی نصرت کا یقین کامل ہو گیا اور پھر مسلمان اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دین کا پیغام لے کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب آپ خلوص نیت سے اللہ کے دین کے لیے نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ نصرت کے ساتھ اور مومنین کی جماعت کے ساتھ آپ کی تائید کرے گا۔

متاخرین کے لیے لائحہ عمل

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ قوانین صلح کے سلسلے میں حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک اور بعد کے زمانہ میں فرق ہے نبی کو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی تائید حاصل ہوتی ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کی گارنٹی ملتی ہے مگر آپ کے بعد عامۃ المسلمین کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ گرد و پیش کا بغور جائزہ لینے کے بعد صلح کا معاہدہ کریں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانے کی مثال ایک جنگ کے دوران ملتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ جنگ کے دوران جب مسلمانوں نے ظہر کی نماز ادا کی تو مشرکین نے محسوس کیا کہ ایسی حالت میں ان پر یکبارگی حملہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، کہنے لگے سَتَاْتِیْهِمْ صَلٰوةٌ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنَ الْاَوْلَادِ آگے ایک ایسی نماز (عصر) آ رہی ہے جو مسلمانوں کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے، لہٰذا اُس موقع پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے گا۔ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے درمیان رابطہ بذریعہ وحی موجود تھا، اس لیے اللہ کی طرف سے

مشرکین کے اس منصوبے کی اطلاع پاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے لیے مجاہدین کی دو صفیں بنائیں۔ چونکہ دشمن اُس وقت قبلہ رُخ تھا۔ اس لیے نمازیں کھڑے مشرکین سامنے نظر آ رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے عصر کی نماز شروع کی۔ جب آپ رکوع گئے تو مجاہدین کی دونوں صفوں نے رکوع کیا، البتہ جب سجدہ میں گئے تو اگلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ جب کہ دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑے رہے۔ پھر جب اگلی صف والے سجدہ مکمل کر کے کھڑے ہو گئے تو پچھلی صف والوں نے الگ سجدہ مکمل کر لیا اور دوسری رکعت میں شامل ہو گئے۔ پھر دونوں صفوں کے مجاہدین نے صفیں بدل لیں۔ پہلی صف والے دوسری صف میں اور دوسری صف والے پہلی میں آ گئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت کا سجدہ کیا تو اگلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ اور دوسری صف والے کھڑے رہے۔ پہلی رکعت کی طرح جب پہلی صف والے سجدے سے اُٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری صف والوں نے الگ سجدہ کر لیا۔ پھر دونوں جماعتوں نے بیک وقت تشہد پڑھا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب نے اکٹھا سلام پھیرا۔

یہ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ کی بات تھی۔ اب متاخرین کے لیے دو چیزوں کا حکم ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے گرد و پیش کا بغور جائزہ لے کر صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور دوسری بات یہ کہ جماعتی نظم و ضبط کو قائم رکھیں۔ مسلمان دشمن سے دھوکہ اُسی وقت کھائیں گے جب اُنکی اجتماعیت کمزور ہو جائیگی۔ دشمن بھی ایسے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ جب مسلمانوں کے اندر غدار پیدا ہو کر اُن کی جمعیت کو کمزور کر دیتے ہیں تو

پھر دشمن کو بھی حملہ آور ہونے کا موقع مل جاتا ہے، لہٰذا متاخرین کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماعت المسلمین میں اتفاق و اتحاد کی فضا کو قائم رکھیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں اسی چیز کا فقدان ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے مسلمان تو صادق القول والفعل تھے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہتے تھے مگر آج ملک غداروں سے پُر ہے جو معمولی سے مفاد کے لیے ایمان جیسی دولت کو بھی قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، ملکی اور ملی نقصان تو اُن کے نزدیک بہت معمولی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان عالمی طور پر ہر جگہ ناکام ہو رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کی تعداد میں کمی نہیں مگر اندر کی منافقت نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اب اگر دشمن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مطلوب ہو تو گرد و پیش کے حالات کا مطالعہ کرو، نیز اپنی صفوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔

الفت بین المسلمین

فرمایا، ایک تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اپنی نصرت کے ساتھ تائید فرمائی اور دوسرا انعام یہ دیا۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ اُن کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اسلام لانے سے قبل اوس اور خزرج کے قبائل ایک سو بیس سال تک خاندانی جنگ لڑتے رہے مگر جب اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تو اُن کی دشمنی دوستی میں بدل گئی اور یہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ عرب کے بعض دوسرے قبائل مثلاً قریش اور کنانہ کی دیرینہ دشمنی تھی اور وہ ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے مگر اسلام کی بدولت یہ بھی یک جان و دو قالب بن گئے۔ اسی چیز کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اُن کے دلوں میں الفت دی۔

فرمایا الفت بین المسلمین اتنی قیمتی متاع ہے کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر آپ روئے زمین کے تمام خزانے

بھی خرچ کر ڈالتے مَآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ تو ان کے دلوں میں محبت و الفت جاگزیں نہ کر سکتے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے درمیان جذبہ الفت کو بیدار کیا۔ جب وہ لوگ توحید میں راسخ ہوئے، رسالت پر ایمان لائے تو پھر نبی کی برکت سے ساری جماعت ایک مشت بن گئی ہر شخص دوسرے کے نفع نقصان کو اپنا نفع نقصان سمجھنے لگا، ان کی عداوت محبت میں بدل گئی، اللہ نے ان کے درمیان اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کر دی۔ اسی بات کو اللہ نے سورۃ آل عمران میں اسی طرح بیان فرمایا ہے "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" تم تو جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بدولت تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔

اساسِ اتحاد کلمۂ توحید ہے

آج بھی اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے۔ اہل ایمان کا اجتماع کلمۂ توحید پر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر اس بنیاد پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اتفاق و اتحاد پیدا کرے گا اور اگر یہی بنیاد کمزور ہو گئی تو پھر مسلمانوں کو کبھی تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لاہور میں جمعیت علماءِ اسلام کی کانفرنس ہوئی جس میں بنگال سے آنے والے ایک عالم نے قسم اٹھا کر کہا تھا کہ مغربی پاکستان کے رہنے والو! تمہارے اور ہمارے درمیان کلمۂ توحید کے علاوہ کوئی چیز مشترک نہیں۔ ہماری بود و باش، زبان، رہن سہن، کھانا پینا اور پہننا بالکل مختلف ہے۔ ہماری زبان اور بود و باش ہندوؤں کے ساتھ ملتی ہے۔ اگر تم نے کلمہ جیسی قدرِ مشترک کو چھوڑ دیا تو پھر تمہارے اور ہمارے درمیان اتحاد کی کون سی بات رہ جائے گی؟ اور آخر وہی ہوا۔ جب کلمے کی اساس کمزور ہوئی۔ ذاتی مفاد غالب آ گیا، مغربی پاکستانیوں کے ہاتھوں تیس لاکھ مشرقی پاکستانی مارے گئے اور اسلام کے نام پہ بننے والا ملک دولخت

ہوگیا۔ دین کا نظریہ تو یہ ہے کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (الحجرات)
سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں خواہ کوئی مشرق میں رہتا ہے یا مغرب میں
کالا ہے یا گورا، کوئی زبان بولتا ہے، کوئی لباس پہنتا ہے، کوئی خوراک
کھاتا ہے، لیکن اگر کلمہ پڑھتا ہے تو بھائی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب
تم میں کلمہ توحید بطور قدر مشترک ہوگیا تو تمہارے درمیان الفت ڈال دی
اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے اور حکمت
والا ہے، اُس کا ہر کام اس کی کمالِ قدرت کا نمونہ اور اُس کی حکمت کا شاہکار
ہوتا ہے۔

کفایت الٰہی

فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ اے نبی! آپ کے لیے
اللہ ہی کافی ہے۔ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اور اُن لوگوں کے لیے بھی کافی ہے جو مومنوں میں سے آپ کے متبع
ہوئے۔ اگر آپ خدا کی ذات پہ بھروسہ کرتے ہوئے کافروں کے ساتھ
صلح کریں گے تو اُن کی بری نیت اور ارادے کے باوجود اللہ ان کو ناکام
بنائے گا اور اہلِ ایمان کے لیے اللہ کفایت کرے گا۔
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے نبی!
حقیقت میں آپ کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اور ظاہری طور پر مسلمانوں
کی یہ مختصر جماعت بھی آپ کے لیے کافی ہے جو جہاد کے لیے ہمیشہ مستعد
رہتی ہے۔ اگرچہ بعض مواقع مثلاً احد، خندق، تبوک وغیرہ میں قدرے
کمزوری بھی بظاہر ہوئی اور نقصان اٹھانا پڑا مگر حدیبیہ، فتح مکہ اور خیبر وغیرہ میں تائید غیبی
بھی ہوئی تو فرمایا آپ قانونِ الٰہی کے مطابق صلح کے لیے پیش رفت کریں
اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرے گا۔

درس بستم ۲۰ — آیت ۶۵ تا ۶۶

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ
اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا
اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾
اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ
فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ :- آپ ترغیب دلائیں ایمان والوں کو (دشمنوں کے ساتھ) جنگ لڑنے پر، اگر ہوں گے تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہونگے تم میں سے ایک سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾ اب اللہ نے تخفیف کر دی ہے تم سے اور وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے پس اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ

کے حکم سے ۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۶)

ربط آیات

صلح اور جنگ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن باتوں کا ذکر کیا جن کا التزام دوران جنگ ضروری ہے ۔ پھر طاقت فراہم کرنے کا اصول بیان فرمایا ۔ نیز فرمایا دشمن کے مقابلے میں رائج الوقت ہر قسم کا اسلحہ جمع کرو ، افرادی قوت پیدا کرو تاکہ دشمن کو مغلوب کیا جا سکے اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے صلح کا قانون بھی تبلا دیا کہ اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو تو آپ بھی اس میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں ۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں کہ دشمن صلح کی آڑ میں آپکو زک پہنچائیگا ، بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے اس کام کو انجام دیں ، اللہ تعالیٰ دشمنوں سے بچاؤ کا سامان پیدا کر دیگا ۔ جب آپ صحیح اصول کے مطابق کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ کفایت کریگا ۔ اس سے پہلے جنگ بدر میں بھی اللہ نے اپنی خاص تائید کے ساتھ مدد فرمائی ہے اور وہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے گا ۔ فرمایا یہی مومن ہیں جو پہلے ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے ، اللہ نے اُن کے درمیان ایمان کی بدولت الفت ڈال دی اور اُن کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا ۔ اس مقصد کے لیے اگر آپ روئے زمین کے خزانے بھی صرف کر دیتے تو اِن کے درمیان محبت پیدا نہ کر سکتے ۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ، اس کی مہربانی اور دین کی صداقت کی برکت ہے کہ جانی دشمن ایک دوسرے کے محافظ بن گئے ہیں ۔

جہاد کی ترغیب

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے متعلق ترغیب کا اصول بیان فرمایا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ برانگیختہ کریں ، شوق دلائیں ۔ ترغیب دلائیں ایمان والوں کو دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کی ۔ جہاد پر ابھارنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں ۔ مثلاً جہاد کا اجر و ثواب بیان کیا جائے ، اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر ہو ۔ لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی عزت و وقار کی طرف توجہ دلائی جائے ۔ غرضیکہ تمام دینی اور دنیاوی فوائد کے پیشِ نظر اہل ایمان کو جہاد کے لیے تیار کیا جائے ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں خلیفۃ المسلمین کے جو پانچ محکمے ضروری ہیں، ان میں امیر لشکر کا محکمہ بھی ہے۔ لشکر کا سربراہ بڑا مضبوط، باہمت اور جرأت والا آدمی ہونا چاہیے۔ اس میں ایسی صلاحیت پائی جائے کہ وہ مجاہدین کو تدبیر جنگ پر متفق کر سکے۔ بزدل اور کمینہ نہ ہو اور نہ ہی فاسق و فاجر ہو۔ وہ ارد گرد کی اقوام کی ذہنیت سے واقف ہو تاکہ اس کے مطابق جنگی حکمت عملی تیار کر سکے۔ جدید ترین ہتھیاروں کا استعمال جانتا ہو۔ یہ سب باتیں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے ضمن میں آتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ مومنین کو جہاد کی ترغیب دلانے کا انتظام کریں۔

مومن اور کافر کی عددی نسبت

اسلام کے ابتدائی دور میں مومن اور کافر کی عددی نسبت کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ اگر تم میں بیس آدمی صبر والے یعنی ثابت قدم ہوں گے يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ تو وہ دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ اور اگر تم میں ایک سو آدمی ہوں گے يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا تو وہ کفار میں سے ایک ہزار آدمی پر غالب آئیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے درمیان ایک اور دس کی نسبت بیان فرمائی کہ ثابت قدمی اختیار کرنے والا ایک مومن دس کافروں پر بھاری ہوگا۔ اس طرح اہل ایمان کو ترغیب اور تسلی دی گئی ہے کہ دشمن کی کثرت تعداد سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دس گنا [illegible] کفار پر بھی فتح عطا فرمائے گا۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان پر بڑا بوجھ تھا اور انہیں اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کے ساتھ بھی ٹکرا جانے کا حکم تھا۔ یہ سابقین الاولین لوگ تھے جن کی اللہ نے تعریف بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ابتدائی دور میں ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے نہ صرف دس گنا بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا بلکہ اس سے زیادہ تعداد کے سامنے بھی ڈٹ گئے اور اللہ کی نصرت سے کامیابی حاصل

کی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو مردم شماری کرنے کا حکم دیا۔ تعمیل حکم کی گئی تو پتہ چلا کہ جنگ کے قابل مردوں کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان ہے جب کہ عورتوں اور بچوں کو ملا کر مسلمانوں کی کل تعداد پندرہ یا سولہ سو تھی۔ مسلمان اُس زمانے میں بڑے خوش ہوئے کہ قابل جنگ مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی لہٰذا انہیں اب کوئی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ یہاں سے مردم شماری کا قانون بھی ملتا ہے کہ اسلام میں یہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ بہرحال ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی زمانے میں اہل ایمان اپنی قلیل تعداد کو بھی بہت کچھ سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ پہاڑ جتنے مضبوط دشمن کے ساتھ بھی ٹکرا جاتے تھے

نظریات کا اختلاف

کفار کی بزدلی اور اہل ایمان کی جرأت کی وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ کہ کافر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اللہ نے اُن کی انفرادی قوت، اسلحہ یا جنگجویانہ پالیسی کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اُن کے نظریات کی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ مسلمان ایک واضح نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کے پاس ایمان کی دولت ہے، انہیں بصیرت حاصل ہے، اس لیے وہ جانتے ہیں کہ اگر انہیں کفار کے مقابلے میں شکست بھی ہو گئی تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ کے ہاں تو انہیں لازماً کامیابی حاصل ہوگی۔ اس کے برخلاف کفار کے پاس کوئی نظریہ نہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اندھا دھند کرتے جاتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی اعلیٰ و ارفع مقصد نہیں ہوتا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک جاپانی نے جہاز کی چمنی میں کود کر اتحادیوں کا جہاز تباہ کر دیا تھا۔ یہ بہت بڑی قربانی ہے مگر نگاہ دور رس نہیں۔ یہ تو ایک جنگی حربہ ہے جو استعمال ہو گیا۔ مگر اس کا دائمی اثر کیا ہوا؟ اُدھر صاحب بصیرت ایمان والوں کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کھجوریں کھاتا ہوا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا حضور! اگر میں جہاد میں شریک ہو کر مارا جاؤں تو کیا ہوگا؟ آپ

نے فرمایا، تم ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جاؤ گے۔ اُس شخص نے اُس وقت کھجوریں کھانا چھوڑ دیا۔ تلوار کی میان توڑ دی اور جہاد میں شریک ہونے کے لیے چل پڑا۔ کہنے لگا۔ اتنی عمر گھوم پھر کر فضول گنوا دی۔ یہ بصیرت کی بات تھی جو اُس کے ذہن میں آ گئی اور یکدم اُس کی کایا پلٹ گئی۔ مقصد یہ کہ کافر کی طاقت اندھا دھند استعمال ہوتی ہے۔ وہ تو قیامت اور مابعد کی زندگی پر یقین ہی نہیں رکھتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تصور رکھتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

اہل ایمان کا یقین

معرکہ مصر کے دوران ایک قلعہ کا محاصرہ جاری تھا مگر وہ قلعہ سر ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کہنے لگے میں اپنی قربانی پیش کرتا ہوں ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ٹوکرے میں ڈال کر کسی طرح قلعے کے اندر اتار دو اور تم باہر دروازہ کھلنے کے انتظار میں رہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کو ٹوکرے میں ڈال کر کسی طرح قلعے کے اندر پھینک دیا گیا۔ آپ نے اندر جاتے ہی تلوار چلانا شروع کر دی۔ ابھی اندھیرا تھا، کافر سمجھے کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان میں افراتفری پھیل گئی۔ حضرت زبیرؓ لڑتے لڑاتے قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے اور پھر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ لشکرِ اسلام باہر منتظر کھڑا تھا۔ فوراً اندر داخل ہو گیا اور اس طرح یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کا یہ اقدام پوری بصیرت کے ساتھ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس معرکہ میں اگر اُن کی جان بھی چلی جائے گی تو یہی کامیابی ہے، اور آخرت میں تو بہر حال کامیابی حاصل ہو گی۔ یرموک کے محاذ پر بھی کفار لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ جب کہ مسلمان چند ہزار تھے مگر وہاں ایمان کی بصیرت کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور آخرت پر یقین ہے لہٰذا وہ دشمن کے مقابلے کے لیے بے خوف و خطر کود پڑتے ہیں۔ اور جان کی بازی لگا کر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں

حکم میں تخفیف

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی قلتِ تعداد کے پیشِ نظر اللہ نے اپنے سے دس گنا طاقتور دشمن کے ساتھ ٹکرا جانے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب اسلام کو ترقی حاصل ہو گئی۔ اہلِ ایمان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کر دی۔ فرمایا اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے، قدرے سستی اور ضعف ہے۔ لہٰذا دشمن سے ٹکر لینے کا اب قانون یہ ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ اگر تم میں ایک سو آدمی ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے۔ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور اگر اہلِ ایمان ایک ہزار کی تعداد میں ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے، اللہ کے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا حامی و ناصر ہوگا کہ وہ اپنے سے دوگنی تعداد پر بھی کامیابی حاصل کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ پہلے اپنے سے دس گنا طاقت کے ساتھ مقابلے کا حکم تھا۔ اب تخفیف کر کے دوگنا کر دیا گیا کہ اتنی عددی نسبت کی صورت میں تمہیں لازماً مقابلہ کرنا ہوگا۔ ورنہ قابلِ مؤاخذہ ٹھہرو گے۔

صابرین کا درجہ

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جب تم ثابت قدمی کرتے ہوئے اور صبر کا دامن تھامے ہوئے اپنے سے دُگنی طاقت کے خلاف بھی ڈٹ جاؤ گے تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کامیابی یقینی ہے۔ صبر ملتِ ابراہیمی اور ہمارے دین کا بہت بڑا اصول ہے۔ جس طرح توحید، ذکر، شکر، نماز، تعظیم شعائر اللہ بڑے بڑے اصول ہیں، اسی طرح صبر بھی ان میں سے ایک ہے اور یہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ صبر کی تلقین

کی گئی ہے۔ جنہوں نے مصائب پر مصائب برداشت کر کے اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری ہے "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (الزمر) کہ وہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ
فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ
الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
ع ۹ ۵ ۵ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

ترجمہ :- نہیں لائق نبی کے لیے کہ ہوں اس کے لیے قیدی یہاں تک کہ وہ خونریزی کرے زمین میں ۔ تم چاہتے ہو دنیا کی زندگی کا سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے (۶۷) اور اگر نہ ہوتی ایک بات لکھی ہوئی اللہ کی جانب سے جو پہلے ہو چکی ہے تو ضرور پہنچتا تم کو اُس چیز میں جو تم نے لیا ہے بڑا عذاب (۶۸) پس کھاؤ جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے حلال اور پاک ، اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے (۶۹)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب کا ذکر تھا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اہلِ ایمان کی تعداد بالکل قلیل تھی اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے سے دس گنا طاقتور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ تم اپنے سے دُگنے

دشمن کے ساتھ بھی ٹکرا جاؤ اور ان کے مقابلہ سے بھاگنے کی اجازت نہیں ہاں اگر دشمن اس سے زیادہ تعداد مثلاً تین چار گنا زیادہ ہو تو پھر مقابلے سے اعراض کرنے پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اللہ نے دشمن سے مقابلے کے لیے یہ نسبت مقرر فرما دی۔

غزوہ بدر کے مسائل (۱) غنیمت

غزوہ بدر اسلام میں پہلا بڑا جنگی معرکہ تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے سامنے بعض مسائل پہلی دفعہ آئے جن کا حل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلوب تھا۔ ان میں دو بڑے مسائل تھے (۱) ایک مالِ غنیمت کا مسئلہ اور دوسرا جنگی قیدیوں کا مسئلہ تھا۔ غنیمت کا مسئلہ جنگ کے فوراً بعد پیدا ہوا جس کا اجمالی ذکر سورۃ ہٰذا کی ابتدائی آیت میں ہو چکا ہے۔ مجاہدین کے مختلف گروہوں نے مالِ غنیمت پر اپنا حق جتلایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کا بنیادی قانون نازل فرمایا اور پھر آگے چل کر اس کی تقسیم کا اصول بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا۔

یہ بات پہلے دروس میں بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ سابقہ امتوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ قرآنِ پاک میں موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام وغیرہ کے جہاد کا ذکر موجود ہے مگر جب جنگ کے نتیجے میں ان کے پاس مالِ غنیمت جمع ہوتا تھا تو اُسے ایک خاص مقام پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آگ نازل ہوتی تھی جو اُس مال کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اگر اللہ کے راستے میں کیا گیا جہاد بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہوتا تھا تو مالِ غنیمت جل جاتا تھا اور اگر اس مال کو آگ نہ جلاتی تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جہاد میں کوئی خرابی رہ گئی ہے، لہٰذا اُس کی اصلاح کی جاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی اُمت کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا، پھر اللہ نے ہماری کمزوری کے پیشِ نظر اس کو ہمارے لیے مباح قرار دے دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السّلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ کے لیے اور آپ

کی امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا ہے بہرحال غزوہ بدر میں یہ پہلا مسئلہ پیش آیا تھا جس کا اللہ نے حل نازل فرمایا جو گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے۔

(۲) جنگی قیدی

اس جنگ کے سلسلے میں جو دوسرا امر پیش آیا وہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگ بدر میں کفار کے ستر سر کردہ آدمی مارے گئے اور تقریباً اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ جب یہ مسئلہ پیدا ہوا تو اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمانا چاہا۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور کی خدمت میں آکر کہا کہ اس معاملہ میں آپ اپنے ساتھیوں کو اختیار دے دیں کہ وہ چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے واضح کر دیا تھا کہ اگر مسلمان فدیہ لینا پسند کریں تو اس کے ساتھ شرط یہ ہوگی کہ آئندہ معرکہ میں اتنی ہی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوں گے۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو دو میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنے کی دعوت دیدی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور صحابہؓ کی غالب اکثریت نے یہ رائے ظاہر کی کہ قیدیوں میں سے اکثر ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے لہٰذا ان کو قتل کرنے کی بجائے ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔ تاہم حضرت عمرؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، سعد بن معاذؓ اور بعض دیگر صحابہ کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں نے ہم پر بڑے ظلم کیے ہیں۔ اب اللہ نے ان پر ہمیں تسلط عطا کیا ہے تو ان کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کا رعب و دبدبہ اطرافِ عرب میں پھیل جائے۔ ان حضرات نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ کسی موزوں وادی میں بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے ان قیدیوں کو زندہ جلا دیا جائے۔ بہرحال صحابہؓ کی غالب اکثریت فدیہ کے حق

ہیں تھی اور خود حضور علیہ السلام کا جھکاؤ بھی اسی طرف تھا۔

بالآخر کثرت رائے کی بنیاد پر ہی فیصلہ فدیہ لینے کے حق میں ہو گیا۔ (عتاب اور درگزر)
چونکہ یہ فیصلہ منشائے ایزدی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے قیدی ہوں حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ یہاں تک کہ وہ زمین میں خونریزی کرے۔ اثخان کا معنیٰ قوت کے ساتھ خونریزی کرنا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہی ہے کہ کفار کو قیدی بنانے کی بجائے ان کو قتل کر دینا بہتر تھا۔ ان آیات کے نزول پر خود حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ بھی پریشان ہوئے کہ انہوں نے غیر بہتر صورت اختیار کی ہے تاہم ایسا ہونا چونکہ اللہ کی حکمت میں پہلے لکھا جا چکا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس لغزش سے درگذر فرمایا۔

محدثین اور فقہائے کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف غیر بہتر صورت اختیار کرنے کی وجہ سے آیا۔ اس قسم کے اختیاری واقعات پہلے بھی پیش آ چکے تھے جن میں بہتر طریقہ اختیار کیا گیا اور اگر اس موقع پر بھی بہتر صورت اختیار کی جاتی تو مذکورہ عتاب نہ آتا۔ اس قسم کے واقعات میں سے حضور علیہ السلام کا واقعہ معراج بھی ہے جب آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کیے گئے اور کوئی ایک پیالہ نوش کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا۔ ادھر اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اگر آپ شراب کا پیالہ پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہوتی۔ اسی طرح قرآن پاک میں امہات المومنینؓ کے متعلق بھی ذکر موجود ہے کہ اللہ کے حکم سے حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار

دے دیا کہ وہ چاہیں تو آپ کے نکاح میں رہیں اور اگر چاہیں تو علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس موقع پر بھی امہات المومنینؓ نے حضور علیہ السلام سے علیحدگی پسند نہیں کی کیونکہ یہ غیر بہتر بات تھی۔ انہوں نے اللہ کی منشاء کے مطابق حضور کے نکاح میں رہنا قبول کیا اور یہی بہتر بات تھی۔

غزوہ بدر کے واقعہ میں قیدیوں کے متعلق اگر بہتر صورت اختیار کر لی جاتی تو اچھا تھا۔ ان کو قتل کر دینا ہی بہتر تھا تاکہ کفار کا زور ٹوٹ جاتا اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جاتی مگر بعض مسلمانوں نے مال کے حصول کی خاطر فدیہ لینے کو قبول کیا اور اس وجہ سے اللہ کا عتاب آیا۔ تاہم بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس غیر اولیٰ چیز کو اختیار کرنے کی معافی دے دی۔ البتہ فدیہ لینے کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے ستر جلیل القدر صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جن میں حضرت حمزہؓ اور عمیرؓ بھی شامل تھے۔ اگرچہ اس بات کا اشارہ پہلے کیا جا چکا تھا مگر صحابہ کرامؓ نے اس میں بھی بہتری ہی سمجھی کہ شہداء کے درجات آخرت میں بہت بلند ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ بھی نفع کا سودا ہی ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیدیوں کا قتل کیا جانا ہی اولیٰ تھا۔

دنیا یا آخرت

اللہ نے فدیہ کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا اے اہل ایمان! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو کیونکہ تم نے فدیہ کو قبول کیا ہے وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ جب کہ اللہ تعالیٰ آخرت کو پسند کرتا ہے۔ تاکہ اس میں تمہارے درجات بلند ہوں اور تمہیں بہتری حاصل ہو۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عتاب کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کا عتاب یہاں تک آ گیا تھا۔ اگر یہ عذاب نازل ہو جاتا تو حضرت عمرؓ حضرت

عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور چند دیگر صحابہ کے علاوہ اس سے کوئی نہ بچتا۔ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا تھا مگر پھر درگزر فرما کر اس عذاب کو ہٹا دیا۔

فرمایا لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اگر نہ ہوتی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بات لکھی ہوئی جو پہلے ہو چکی ہے تو ضرور پہنچتا تم کو ان چیزوں میں جو تم نے لیا ہے عذاب۔ یعنی اگر خدا کے حکم اور نوشتے میں یہ بات نہ ہوتی تو قیدیوں کو قتل کرنا ہی بہتر تھا مگر مسلمانوں نے اپنی غیر بہتر بات کو اختیار کیا جو اللہ کے علم میں پہلے ہو چکی تھی کہ رہا ہونے والے قیدیوں کی اکثریت بعد میں اسلام لے آئے گی۔ اس کا اشارہ اگلی آیت میں بھی موجود ہے۔ اور دوسری لکھی ہوئی بات یہ تھی کہ فدیہ لینے کی اجازت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ بات تھی کہ وہ بھی اس آخری امت کو حاصل ہوگی۔ سورۃ قتال میں بھی موجود ہے "فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" کہ قیدیوں کو یا اُن پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیں یا فدیہ قبول کر لیں۔ اسی طرح قیدیوں کا تبادلہ بھی ہو سکتا ہے اور ان کو غلام بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اسلام میں یہ چاروں صورتیں روا ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ جنگی قیدیوں کے فدیہ کے عوض رہا کر دینے میں بھی اللہ کے ہاں یہ لکھی ہوئی مصلحت موجود تھی، لہٰذا اللہ نے غیر بہتر صورت اختیار کرنے پر درگزر فرمایا۔ اگر اللہ کی مصلحت میں ایسا نہ ہوتا تو اس کی طرف سے سخت گرفت آ جاتی۔

غنیمت پاکیزہ ترین مال ہے

الغرض! اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال قرار دے کر فرمایا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا پس کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں غنیمت دیا گیا یہ تمہارے لیے حلال اور پاکیزہ ہے۔ یہ پہلی امتوں کے لیے حرام تھا مگر تمہارے لیے پاک ہے بلکہ تمام مالوں میں سب سے پاک مال یہی ہے۔ طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جُعِلَتْ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ اللہ نے میری روزی نیزے کے نیچے رکھی ہے۔ محدثین کرام پاکیزہ روزی کے متعلق بحث کرتے ہیں کہ پہلے نمبر پر

پاکیزہ ترین روزی مالِ غنیمت ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر تجارت کے مال کا ہے۔ ایسی تجارت جو صحیح طریقے سے کی جائے۔ پھر تیسرے نمبر کاشتکاری کا ہے کہ اس میں اللہ کی ذات پر توکل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عام کسبِ حلال چوتھے نمبر پر آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال بھی فرمایا ہے، اور طیب بھی کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس کا قانون بھی اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں بیان کر دیا ہے کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کرو۔ ان میں سے چار حصے جہاد میں حصہ لینے والے غازیوں میں تقسیم کر دو اور پانچویں حصہ میں نبی (اگر موجود ہے) اُس کے قرابتدار (نبی کی موجودگی میں) یتیم، مسکین اور مسافر شامل ہیں۔ اگر نبی موجود نہیں تو پھر صرف تین مدات رہ جائیگی۔ یعنی یتیم، مسکین اور مسافر۔

فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ کوئی کام اُس کی منشاء کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ قانون کی پوری پوری پاسداری کرو اور کسی کے حق میں کمی بیشی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والی بات ہے۔ ایسے موقع پر اگر غیر اولیٰ بات اختیار کر لی گئی تو اللہ تعالیٰ کا عتاب آئیگا۔ اسی لیے فرمایا کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ اُس کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اور اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے خوفِ خدا ہو گا تو وہ چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کرتا رہے گا۔ غفور مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اور رحیم یعنی بہت زیادہ مہربان ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کسی دل میں اطاعت کا جذبہ موجود ہے یا نہیں اور یہ بھی کہ کوئی شخص دغا بازی تو نہیں کر رہا۔ جو شخص نیت اور عمل میں اخلاص رکھتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نہایت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ
الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا
اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا
مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ
وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا
عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾

ترجمہ :- اے نبی ! آپ کہ دیجئے اُن لوگوں سے جو
آپ کے ہاتھوں میں ہیں قیدیوں سے کہ اگر اللہ کے علم میں ہو گی

تمہاری بہتری تو وہ دے گا تم کو اس سے بہتر جو تم سے لیا گیا ہے ۔ اور تم کو معاف کر دے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۷۰﴾ اور اگر یہ چاہیں گے خیانت کرنا تو انہوں نے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی ۔ پس اللہ نے اُن پر قابو پالیا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۷۱﴾ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی ۔ یہی لوگ ہیں جو بعض اِن کے بعض کے رفیق ہیں ۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی ، نہیں آپ لوگوں کا کچھ تعلق ان کی رفاقت سے ، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں دین کے معاملے میں ، پس تم پر ضروری ہے مدد کرنا ، مگر اس قوم کے مقابلے میں کہ تمہارے اور اُن کے درمیان عہد وپیمان ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۷۲﴾ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ، بعض اِن میں سے بعض کے رفیق ہیں اور اگر تم نہ کرو گے یہ بات (م) تو ہوگا فتنہ زمین میں اور فساد بہت بڑا ﴿۷۳﴾

جنگی قیدیوں کا مسئلہ

مالِ غنیمت اور غزوہ بدر کے جنگی قیدیوں کا حال گذشتہ درس میں بھی بیان ہو چکا ہے ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر قیدی کا فدیہ چار سو دینار مقرر ہوا ۔ قیدیوں کے رشتہ داروں نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی ۔ جس قیدی کا فدیہ وصول ہو جاتا اُسے چھوڑ دیا جاتا ۔ بعض قیدیوں کے رشتہ دار فدیہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے ۔ اُن میں سے جو پڑھے لکھے تھے اُن کو کہا گیا کہ وہ اتنے اتنے آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سکھا

دیں تو یہی اُن کا فدیہ ہوگا۔ چنانچہ بعض قیدی اس شرط پر بھی رہا کیے گئے
تاہم قیدیوں کی اکثریت نے فدیہ ادا کرکے رہائی حاصل کی۔ حضور علیہ السلام کے
چچا عباسؓ بھی جنگی قیدیوں میں شامل تھے۔ اگرچہ وہ دِل سے مسلمانوں کے
خلاف جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے مگر ابُوجہل کے مجبور کرنے
پر کفار کے لشکر میں شریک ہوکر قیدی بنے۔ قیدیوں میں حضرت علیؓ کے بھائی
عقیلؓ اور حضرت عباسؓ کے دوسرے بھتیجے حارثؓ ابن نوفل بھی شامل تھے

حضرت عباسؓ مالدار آدمی تھے۔ حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ اپنے
علاوہ دونوں بھتیجوں کا فدیہ بھی تم ہی ادا کرو۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس
تو فدیہ کے لیے کوئی مال نہیں لہٰذا میں مجبور ہوں۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ
نے حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ مکے سے چلتے وقت حضرت
عباسؓ نے اپنی بیوی ام فضلؓ کو کچھ مال دیا تھا جو زمین میں دبا دیا گیا۔ آپ
کی وصیت یہ تھی کہ ہذا کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس صورت میں یہ مال
میرے بچوں کے کام آئیگا۔ اس واقعہ کا علم حضرت عباسؓ اور ان کی بیوی
کے سوا کسی کو نہ تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے اس مال کا راز حضرت عباسؓ
پر منکشف کر دیا تو آپ نے اسی وقت کھلے دِل سے مسلمان ہونے کا
اقرار کر لیا۔ کہنے لگے، آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس راز کو
میرے اور میری بیوی کے سوا کوئی تیسرا شخص نہیں جانتا تھا، مگر آپ نے
اس کی پوری پوری خبر دیدی۔

بہتر اجر کا وعدہ

بہر حال حضرت عباسؓ اور بعض دوسرے قیدیوں نے ایک تو مالی
مجبوری ظاہر کی اور دوسرا اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بھی کیا۔ اس کے ساتھ
یہ بھی التماس کیا کہ اُن سے فدیہ نہ لیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے ارشاد فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ
الْأَسْرَىٰ اے نبی (علیہ السلام) جو قیدی آپ کے ہاتھوں میں اس وقت

موجود ہیں، اُن سے کہہ دیں اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا اگر اللہ کے علم میں تمہارے دلوں کی بہتری ہوگی یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡکُمۡ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم سے فدیہ لیا گیا ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جنگی قیدیوں کے متعلق دو رائیں تھیں کہ یا تو انہیں قتل کر دیا جائے اور یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ پھر دوسری رائے کو تسلیم کیا گیا اور قیدیوں کی ناگواری کے باوجود اُن سے فدیہ وصول بھی کیا گیا۔ یہاں پر اسی بات کو دہرایا جا رہا ہے کہ فدیہ کی وصولی اللہ کی حکمت میں لکھی جا چکی تھی لہذا اس پر عملدرآمد ہو گیا۔ اب اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تم واقعی مسلمان ہو چکے ہو تو پھر کوئی فکر نہ کرو، اگر یہ بات اللہ کے علم میں بھی ہوگی تو وہ تمہیں اس فدیہ سے بہتر اجر عطا کرے گا۔ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ اور مشرکین کے ساتھ شامل ہونے کی جو غلطی تم سے سرزد ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اُس کو بھی معاف فرما دے گا۔ فرمایا وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

خیانت کی سزا

آگے اس کا دوسرا پہلو بھی آتا ہے یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے نہیں ہو اور محض رہائی کے لیے اسلام کا دعویٰ کر رہے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ فرمایا وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں گے، یعنی غلط بیانی کریں گے فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ تو اس سے پہلے وہ اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے کفار و مشرکین کا ساتھ دیا تو اللہ نے ان کو یہ سزا دی فَاَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ اللہ تعالیٰ نے اُن پر قابو دے دیا یعنی مسلمانوں کا تسلط جما دیا اور وہ قیدی بن کر آ گئے تو اُن کی ایک خیانت تو یہ ہے کہ وہ مشرکین کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری

خیانت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے خاندان بنی ہاشم نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ ساتھ دیں گے مگر وہ اس عہد کی خلاف ورزی کر کے بھی خیانت کے مرتکب ہوئے۔ اس عہد میں ابُولہب شامل نہیں تھا کیونکہ وہ شروع سے ہی ابُوجہل کی پارٹی میں شامل تھا، تاہم خاندان کے باقی لوگ اس معاہدے میں شریک تھے۔ چنانچہ ابوطالب اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لایا مگر اُس نے شعب ابی طالب میں تین سالہ نظر بندی کے دوران حضور علیہ السلام کا پورا پورا ساتھ دیا۔ آپ کے خاندان کے بعض دوسرے لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ بہرحال فرمایا کہ انہوں نے پہلے بھی خیانت کی اور اب پھر خیانت کی ہے لہٰذا یہ معافی کے قابل نہیں ہیں آپ ان سے کہہ دیں کہ انہیں فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کرنا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر اُن کے دل دین اسلام کے لیے مخلص ثابت ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بہت زیادہ مال و دولت عطا کرے گا جس کے روبرو اس فدیہ کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ جن لوگوں کو بعد میں ایمان کی دولت نصیب ہوئی، ان کے لیے اللہ نے مال و دولت کی فراوانی بھی کر دی۔ ایک موقع پہ باہر سے بہت سامال آیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، یہاں سے جتنا مال اٹھا سکتے ہو اٹھا کر لے جاؤ۔ آپ نے بہت سامال باندھ لیا مگر اُسے خود بخود اٹھا نہیں سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسروں سے مدد کی درخواست کی مگر آپ نے فرمایا، نہیں جتنا خود اٹھا سکتے ہو اتنا ہی لے جاؤ، زیادہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے کچھ کم کر کے باقی سامان اٹھایا اور لے گئے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے چھ سو سال تک بنوعباس کو حکومت اور سلطنت بھی عطا فرمائی۔ بہرحال اللہ نے قیدیوں سے فرمایا کہ اگر تم میں خلوص پایا گیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں زیادہ دے گا اور اگر تمہارے دل صاف

نہ ہوئے تو تم زیر تسلط تو آہی گئے ہو اگر آئندہ بھی خیانت کرو گے تو پکڑے جاؤ گے وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے تک کو جانتا ہے اور حکمت والا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

مہاجرین اور انصار کی مواخات

مہاجرین اور انصار اسلام کے ابتدائی اور مرکزی گروہ ہیں۔ ان کی وجہ سے دنیا میں اسلام کو عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے بیشمار قربانیاں دی تھیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ ایمان تو بنیادی حقیقت ہے اور بعض اوقات ہجرت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں نے مکے میں بڑی تکالیف برداشت کیں اور بالآخر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اس سے پہلے کچھ لوگ حبشہ کی طرف بھی ہجرت کر گئے تھے۔ اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی جس کے لیے ان کو ہر چیز قربان کرنا پڑی۔ تو فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور اس سلسلہ میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ ان کے علاوہ مدینے کے وہ انصار بھی ہیں وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور انکی مدد کی۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو انصار مدینہ نے ان کی طرف ہر طرح کا دست تعاون بڑھایا۔ ان کو اپنے مکانات اور باغات میں جگہ فراہم کی، کاروبار میں شریک کیا۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ مواخات کا یہ سلسلہ اتنا گہرا تھا کہ اگر ایک بھائی فوت ہو گیا تو دوسرا اس کا وارث بن گیا۔ سورۃ حشر میں اللہ نے انصار کی اس طرح تعریف بیان فرمائی ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ جن لوگوں نے مہاجرین کو اپنے گھر دیے اور ایمان

کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ مدینے پہنچنے پر ان مہاجرین کے پاس پہ نہیں تھا کر اللہ نے فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ "(الحشر) مگر انصار نے انہیں اپنے گھر پیش کر دیے۔ بعض ان میں سے بڑے بڑے دولت مند تھے مگر مہاجر ہو کر آئے تو بالکل قلاش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انصار کی معرفت ٹھکانا عطا کیا۔ عبدالرحمن بن عوف جیسے بڑے بڑے تاجر بھی تھے جو تہی دست ہو چکے تھے۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ میں محنت کر کے اپنی روزی تلاش کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں اتنی برکت ڈالی، ان کو اتنا مالدار کیا کہ تیس ہزار غلام رزق حلال سے خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کیے۔ اللہ نے آپ کو باغات، مکان اور زمین بھی دی اور پھر آپ نے دل کھول کر مستحقین کی اعانت فرمائی حالانکہ آپ خود ایک دن مسکین بن کر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔

دوستی کا معیار

انصارِ مدینہ کو انصار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین اور مسلمانوں کے مددگار بنے۔ ان کی اس ایثار و قربانی کا ذکر اللہ نے کیا ہے اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں کے رفیق ہیں یعنی مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے حقیقی دوست ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہ کی بلکہ اپنے وطن میں ہی قیام پذیر رہے ان پر کافروں کا غلبہ تھا اور وہ ہجرت کرنے پر قادر نہیں تھے ان کے متعلق فرمایا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ان کے ساتھ تمہاری کچھ دوستی نہیں جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ چونکہ ایسے حالات میں ہجرت فرض عین ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دیارِ غیر میں رہنے والوں سے اس وقت تک پکی دوستی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں اور دشمن کے غلبے سے آزاد نہ ہو جائیں۔

غیر مہاجرین کی امداد

فرمایا ان سے دوستی تو نہیں ہو سکتی البتہ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ اگر وہ تم سے دین کے سلسلہ میں مدد کے طلب گار ہوں فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ تو ان کی ضرور مدد کرو کیونکہ وہ مومن ہیں مگر مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اگر وہ کسی ایسی قوم کے خلاف مدد چاہیں جس کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہو تو پھر ان کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ معاہدے کی پاسداری مطلوبہ مدد سے زیادہ ضروری ہے، خواہ معاہد قوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی قوم یا فرد کی طرف سے سیاسی فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی مرکز سے وابستگی ضروری ہے۔ اگر مرکز سے وابستگی نہیں ہے تو معاہد قوم کے خلاف مدد نہیں کی جا سکتی۔ اگر کسی ایسی قوم کے خلاف مدد طلب کی جائے جس کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر گھرے ہوئے مسلمانوں کی مدد کی جا سکتی ہے اگر کوئی جماعت غیر معاہد کافروں کے ملک میں رہتی ہے اور وہ دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کرتی ہے تو ان کی مدد لازم ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو گا، بے چینی اور بد امنی پھیل جائے گی جس سے ملی نقصان ہو گا لہٰذا ایسے مسلمانوں کی مدد ضروری ہے۔

آج کی دنیا کے سیاسی حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ کوئی مسلمان ملک غیر مسلم ممالک میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دشمن قوتوں نے اسلامی طاقتوں کو اس قدر الجھا رکھا ہے کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے ہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کی نگاہ میں ہے۔ تمہارا کوئی فعل اس کی نظر سے اوجھل نہیں، لہٰذا تم جو کام بھی کرو اللہ کے قانون اور اس کی رضا کے مطابق انجام دو۔ فرمایا جس طرح مومن آپس میں رفیق اور بھائی بھائی ہیں اسی طرح وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ کافر لوگ بھی ایک دوسرے کے دوست رفیق اور ساتھی ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھی ممد و معاون بنتے ہیں. کیونکہ اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ تمام کافر ایک قوم کے افراد ہیں اور اسلام کے مقابلے میں سب اکٹھے ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں ایمان کارشتہ ہے اور اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور مددگار ہیں۔

مسلمانوں کی بے بسی

فرمایا اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اگر تم اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کرو گے تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ تو زمین میں فتنہ بپا رہے گا۔ اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ سرزمین پر کفار کا غلبہ ہو، مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوتی ہوں۔ دُنیا میں بدامنی کی وجہ یہی ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی مدد کی ضرورت ہے، اُن تک مدد نہیں پہنچتی۔ اردگرد کے تمام مسلمان بے بس ہیں اور اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتے۔ دنیا میں مسلمانوں کی مرکزیت ہی ختم ہو چکی ہے۔ وہ مدد کیسے کر سکتے ہیں اگر کوئی ملک انفرادی طور پر مدد کی کوشش کرتا بھی ہے تو کافر قومیں اُسے ناکام بنا دیتی ہیں۔ فلسطین، فلپائن، قبرص، کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار آپ کے سامنے ہے۔ عیسائی ہمیشہ بے بس مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں مگر پچاس سے زیادہ مسلمان ریاستیں کسی کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ امریکہ اور روس نے ان کے درمیان نفاق کا ایسا بیج بو رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنے ملک سے وابستہ رکھتے ہیں مگر دوسرے مسلمانوں کی مدد میں آڑے آتے ہیں۔ افغانستان میں دس لاکھ سے زیادہ مسلمان مارے جا چکے ہیں مگر ہم نے ان کی کیا امداد کی ہے؟ وہاں سے آنے والے مہاجرین کو پناہ دینے کے لیے چندہ جمع کیا ہے، یہاں آنے والوں کی تو دیکھ بھال ہو رہی ہے مگر جو وہاں مر رہے ہیں۔ اُن کی کیا مدد کی ہے؟ ایک طرف امریکہ ہے اور دوسری طرف روس ہے مسلمانوں کو آپس میں لڑایا

جارہا ہے مگر باقی مسلمان تماشا دیکھ رہے ہیں اسی طرح برما میں لاکھوں مسلمان ضائع ہوچکے ہیں، وہ دنیائے اسلام کی طرف ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں مگر اُن کی مدد کو کوئی نہیں پہنچتا۔ بڑے اہل اسلام کی بے بسی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟

اللہ نے فرمایا، اگر مظلوم بھائیوں کی مدد نہیں کرو گے تو دنیا میں فتنہ برپا ہوگا وَفَسَادٌ كَبِيرٌ اور بہت بڑا فساد قائم ہوگا۔ آج ہم دیکھ رہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں امن کا دور دورہ نہیں۔ ہر جگہ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے۔ کہیں سیاسی افراتفری ہے اور کہیں معاشرتی اور معاشی بدامنی ہے۔ کمزور فرد ہو یا قوم وہ ظالم کے ہاتھوں پس رہا ہے اور کوئی دوسرا فرد یا قوم اس کی مدد کے لیے آگے نہیں آتا۔ مسلمانوں میں خاص طور پر مرکزیت کے فقدان کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ختم ہوچکا ہے۔ اگر کوئی کوشش بھی کرتا ہے تو کامیاب نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی کسی دوسرے ملک میں مقہور ہے اور وہ ہجرت بھی نہیں کر سکتا تو اس کی مدد کرو۔ اُسے ظلم سے نجات دلاؤ یا دارالامن میں لے آؤ۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے غنیمت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔ پھر مہاجرین اور انصار کی فضیلت بھی بیان فرما دی اور اسلام کی مرکزیت کی اہمیت کو بھی اجاگر کر دیا۔ پھر آگے سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا اصول بھی بیان فرما دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں ، اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی - یہی لوگ ہیں پکے سچے ایمان والے ، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ﴿۷۴﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے بعد اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ ہو کر ، پس یہ لوگ تم میں سے ہیں اور قرابت دار بعض ان میں سے زیادہ حقدار ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں بیشک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے ﴿۷۵﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان مہاجرین اور مجاہدین کی تعریف کی اور احکام بھی نازل فرمائے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد ہجرت نہیں کرتے اُن کو سیاسی حقوق حاصل نہیں ہوتے - البتہ اگر وہ اہلِ ایمان سے مدد طلب کریں تو اُن کی مدد کرنا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ اگر کسی کافر قوم کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو

تو اس قوم کے خلاف مسلمان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اگر اہل ایمان اپنے مسلمان بھائیوں کی جائز مدد نہیں کریں گے تو زمین میں فتنہ و فساد ہی برپا ہوگا۔ کافر لوگ بھی آپس میں دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اہل اسلام کو بھی چاہیئے کہ وہ آپس میں دوستانہ قائم رکھیں اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کریں۔

اب اس سورۃ کی آخری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی تعریف بیان کی ہے اور وراثت کا عام قانون بھی سمجھایا ہے۔ یہاں اس مرکزی جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں مہاجرین اور انصار نے تشکیل کی اور جنہوں نے پیغمبر اسلام کی معیت، قیادت اور اتباع میں دنیا میں تبلیغ اسلام کا اہم کام انجام دیا۔ آپ کے بعد والے لوگ بھی اگر مرکزی جماعت کے نقش قدم پر چلیں گے تو انہیں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔

ایمان اور ہجرت

ارشاد خداوندی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے اصل حقیقت تو ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اگر ایمان موجود ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دین کی ساری عمارت ایمان ہی کے مرکزی نقطہ کے گرد گھومتی ہے۔ ایمان ہی انسان کو دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور پھر ایمان کی حفاظت کے لیے وَهَاجَرُوْا جنہوں نے ہجرت کی۔ اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب، مکان، زمین کاروبار کو قربان کیا محض ایمان کی سلامتی کی خاطر۔ جب کسی جگہ پر ایمان غیر محفوظ ہو جائے، کفار و مشرکین کی طرف سے دین کو ترک کر دینے کا مطالبہ ہو یا جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسے موقع پر اہل ایمان کے لیے ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ سورۃ نساء میں اللہ کا ارشاد موجود ہے "اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا" کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر کے اپنے ایمان کو بچا لیتے اور دین کے

شعائر پر عمل کر سکتے۔ جب کسی ملک میں اذان پر پابندی ہو، نماز ادا کرنے میں رکاوٹ کھڑی کی جائے، قربانی نہ دی جا سکتی ہو اور شعائرِ دین کے راستے میں جگہ جگہ کانٹے ہوں تو پھر ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں مکے میں یہی حالات پیدا ہو چکے تھے، لہذا ایمان والوں کو وہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوا۔

باطنی ہجرت

یہ تو ظاہری ہجرت ہے کہ انسان دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلا جائے، تاہم حضور علیہ السلام نے باطنی ہجرت کا مسئلہ بھی سمجھایا ہے۔ فرمایا وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ حقیقی مہاجر وہ ہے جو اُس چیز کو ترک کر دے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے اگر وطن کو ترک کرنے کے باوجود منہیات کو ترک نہیں کیا تو ایسا شخص حقیقی مہاجر نہیں کہلا سکتا۔ وہ تو تارکِ وطن، پناہ گزین REFUGEE ہی ہو سکتا ہے مگر صحیح معنوں میں مہاجر نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال بعض دوسرے مسائل میں بھی ملتی ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حقیقی ایماندار وہ ہے جس کے پڑوسی اُس کے شر سے محفوظ ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا مسلمان وہ ہے مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں محض کلمہ پڑھ لینے سے کوئی شخص حقیقی مسلمان نہیں ہو جاتا جب تک باقی تقاضے بھی پورے نہ کرے۔ اسی طرح فرمایا کہ حقیقی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔

جہاد کے مختلف شعبے

فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ اسلام میں جہاد ایک بڑی حقیقت اور بلند حکم ہے۔ اس کی بدولت جماعت کو عزت حاصل ہوتی ہے۔ حکومت اور اقتدار نصیب ہوتا ہے۔ حدود اللہ قائم ہوتی ہیں، دشمن مغلوب ہوتا ہے اور دین اسلام کا قیام اور بقاء واقع

ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جہاد کے کئی ایک شعبے ہیں۔ اس کا عمومی شعبہ تو قتال بالسیف ہے، تاہم دوسرا شعبہ تبلیغ دین ہے، دین کی اشاعت میں حصہ لینا جہاد میں داخل ہے۔ تیسرا شعبہ دینی تعلیم ہے، جگہ جگہ دینی مدرسے قائم کر کے دین کی تعلیم کو عام کیا جائے تاکہ کوئی شخص اس سے خالی نہ رہے۔ چوتھا شعبہ تصنیف و تالیف ہے۔ ایسی دینی کتابیں شائع کی جائیں جن سے اہل ایمان کو فائدہ ہو۔ قرآن حدیث اور فقہ کی تفسیر و تشریح میں کتب کی اشاعت بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ اس سے ایک طرف اہل اسلام کی تعلیم کا بندوبست ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف غیر مذاہب کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے جس سے ان کے شکوک و شبہات رفع ہوتے ہیں۔ کوئی شخص دین کے کسی بھی شعبے میں کام کر رہا ہو اُسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اُسے جہاد کا ایک شعبہ سمجھ کر اُس کی تائید کرنی چاہیئے۔

پناہ اور نصرت

بہرحال فرمایا وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ اُن کے علاوہ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے پناہ اور جگہ دی اور مدد کی۔ یہ مدینے کے انصار ہیں جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ (الحشر) جنہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ انہوں نے مہاجرین کو محبت کا تحفہ پیش کیا۔ انہوں نے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہیں کی اور انہیں اپنی جانوں سے عزیز رکھا۔ جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا تعلق قائم ہوا تو اس وقت یرث المھاجر الانصاری مہاجر اور انصار ہی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔ یہ ابتدائی دور کی بات ہے جب مسلمانوں کی جماعت کمزور تھی۔ انصار صحابہؓ

کی انمول بیش قیمت خدمات کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے حب الانصار
آیۃ الایمان یعنی انصار مدینہ سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے
اور اُن سے بغض رکھنا منافقت کی دلیل ہے مکے میں اسلام کی مرکزیت
پیدا نہ ہوسکی تو دین کی نشوونما کے لیے انصار مدینہ نے پلیٹ فارم مہیا کیا
یہی جگہ مرکز اسلام بنی اور یہیں سے دین کے پودے کی شاخیں پوری
دنیا میں پھیلیں۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آخری وقت میں جب
دجال کا ظہور ہوگا تو اسلام مدینہ میں ہی سمٹ کر رہ جائیگا۔ اس جگہ کے
لوگوں کی تعریف میں اللہ نے فرمایا کہ یہ اتنے عظیم لوگ ہیں "وَيُؤْثِرُونَ
عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر) کہ
انصار مدینہ مہاجرین کو اپنی جانوں سے بھی مقدم رکھتے ہیں خواہ اُن کو خود
احتیاج ہو۔ خود بھوک پیاس برداشت کرتے تھے مگر اپنے مہاجر بھائیوں
کو کھلاتے پلاتے تھے، خود کپڑا نہیں پہنتے تھے مگر دوسروں کو
پہناتے تھے اسی لیے اللہ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔

اہل ایمان کی مرکزی جماعت

انصار مدینہ نے نہ صرف مہاجرین کی خدمت کی بلکہ اللہ کے
راستے میں جہاد میں بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ جنگ بدر، احد، فتح مکہ، تبوک،
حنین، خیبر غرضیکہ ہر جنگ میں انصار مدینہ مہاجرین کے شانہ بشانہ
لڑے بلکہ اکثر مواقع پر انصاری مجاہدین کی تعداد مہاجرین سے زیادہ
تھی۔ مہاجرین اور انصار پر مشتمل یہی مرکزی جماعت تھی جنہوں نے
اللہ کے دین کے قیام، اس کی تقویت اور بقا کے لیے سر دھڑ کی
بازی لگادی۔ اسی جماعت کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا یہی پکے سچے مومن ہیں جو ایمان لائے ہجرت
کی، اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو جگہ فراہم
کی اور اُن کی مدد کی، یہ دونوں گروہ دین کی تائید کے ہر موڑ پر سینہ سپر

نظر آتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہر امتحان میں پورے اترے ۔ اللہ نے فرمایا
"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" (التوبۃ) یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایمان
لانے میں پہل کی مہاجرین اور انصار ہیں سے اور پھر وہ لوگ جنہوں نے نیکی
کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی پیروی کی ۔ یہ سب کے سب لوگ مسلمانوں
کی مرکزی جماعت CENTRAL COMMITTEE کے ممبران ہیں ۔ پھر یہی
لوگ آئندہ آنے والوں کے لیے نمونہ بنے ، یہی پکے سچے ایماندار ہیں
اور جو لوگ ان کے ایمان میں کیڑے نکالتے ہیں وہ خود گمراہ اور منافق ہیں ۔

مغفرت اور باعزت روزی

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حقیقی مومنوں کے متعلق فرمایا لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے مغفرت ہے ۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے ، کہ
ایسے لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں جنت کے اعلیٰ مقام
میں ضرور پہنچائیگا ۔ اس کے علاوہ پکے مومنوں کے لیے وَرِزْقٌ
كَرِيْمٌ پاکیزہ روزی بھی ہے ۔ آخرت میں تو یقیناً مومنین کو اعلیٰ
اور پاکیزہ رزق ملیگا اور زیادہ اچھے اعمال انجام دینے والوں کو زیادہ
باعزت رزق حاصل ہوگا بلکہ عام جنتیوں کو بھی باعزت رزق نصیب
ہوگا ۔ سب سے زیادہ انبیاء پھر شہدا اور مہاجرین والانصار مستفید ہوں گے
جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ۔ تاہم اس روزی کا تعلق اس دنیا کے
ساتھ بھی ہے ، ظاہر ہے کہ جس قوم یا فرد کو اس دنیا میں اقتدار حاصل
ہو جائے تو اس سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے ؟ بلا شبہ ان کو باعزت
روزی نصیب ہوگی ، کوئی ان پر نکتہ چینی نہیں کر سکے گا ۔ چنانچہ ابتدائے
اسلام سے لے کر کئی صدیوں تک دنیا میں اسلامی حکومت کے کاربردار ان
ہی معزز ترین لوگ شمار ہوتے تھے جن کو باعزت روزی ملتی تھی ۔ مگر پھر انحطاط
کا دور شروع ہوگیا ، مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو یہ لوگ ذلت کا شکار ہو گئے

جب اپنے مشن کو ترک کر دیا، قرآن سے صرف نظر کر لیا، دین سے منہ موڑ لیا، غیروں کے ہاتھ چڑھ گئے تو نہ وہ عزت رہی اور نہ عزت کی روزی۔

متاخرین کا درجہ

فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وہ لوگ جو اس کے بعد ایمان لائے یعنی متقدمین کے بعد متاخرین کا دور آیا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ انہوں نے بھی تمہارے ساتھ ہجرت کی اور جہاد کیا فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ یہ بھی تم میں سے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، وہ پہلے دور کے لوگ تھے، فرمایا جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ دور ختم ہو گیا، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْیَوْمِ آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اب مکہ دار الاسلام بن گیا تھا مگر آئندہ کے لیے ہجرت کا یہ قانون وضع ہو گیا کہ جہاں بھی مسلمان مغلوب ہو جائیں اور شعائر دین پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا نہ ہو سکیں۔ تو ان کے لیے ہجرت لازم ہو جائیگی، پھر وہ بھی اگر اہل ایمان کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے تو وہ متقدمین کے درجات پر فائز ہوں سپین میں کیا ہوا؟ وہاں پر دو کروڑ مسلمان آباد تھے، مگر جب کمزوری آئی تو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ بہت سے مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا گیا، بہت سے مار ڈالے گئے اور صرف گیارہ ہزار باقی بچے جنہیں مجبوراً ہجرت کرنا پڑی۔ تو فرمایا جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور پہلے لوگوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ وہ بھی انہیں میں سے ہیں، اللہ کے ہاں ان کی بھی ویسی ہی قدر و منزلت ہے۔

مواخات اور وراثت

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے انصار مدینہ اور اولین مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا۔ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، وہ نہ صرف ایک دوسرے کے مال و دولت، دکان، مکان اور زمین میں شریک

ہو گئے تھے بلکہ اگر ایک بھائی مر جاتا تو دوسرا اس کی وراثت کا حقدار بھی ہو جاتا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی مگر فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہو گیا، مہاجرین اور انصار کے رشتہ دار بھی ایمان لے آئے تو اللہ نے فرمایا کہ مہاجر و انصار کا دوستی کا رشتہ تو ہمیشہ کے لیے قائم رہیگا، البتہ وراثت متوفی کے قریبی رشتہ داروں کا حق ہی ہوگا۔ مواخات کی بنا پر وراثت کا قانون باقی نہیں رہے گا۔ ارشاد ہوا وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ کی کتاب میں تم ہی سے بعض کے رشتہ دار بعض سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی وراثت کا قانون یہ ہوگا کہ وہ دینی بھائی کی بجائے حقیقی اقربا کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی جب کوئی مہاجر یا انصار فوت ہو گیا تو اس کی وراثت کا حقدار اس کا باپ بیٹا، بھائی، چچا، تایا وغیرہ ہوگا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو کیونکہ مسلم اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

البتہ مواخات کے قانونِ وراثت کی افادیت موقع محل کے مطابق ہمیشہ قائم رہے گی۔ اگر کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ ہجرت کر کے جاتا ہے جہاں اس کے مسلمان رشتہ دار نہیں ہیں اور وہ اپنے مسلمان بھائی سے رشتہ مواخات میں منسلک ہو جاتا ہے جو کسی ایک بھائی کی وفات پر دوسرا بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اس قسم کے واقعات صحابہؓ کے بعد بھی پیش آئے۔ اہل ایمان خراسان اور عراق وغیرہ کی طرف جاتے تھے جہاں اُن کا کوئی عزیز نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ دوسرے سے مواخات کر لیتے تھے تو ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار ہوتے تھے گویا ولاء کا یہ مسئلہ اب بھی قائم ہے اور حالات کے مطابق بڑے سے قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں بھی اگر کوئی امریکن مسلمان

ہو کہ پاکستان میں مقیم ہو جاتا ہے۔ اُس کے سارے عزیز واقارب امریکہ میں ہیں اور وہ مسلمان ابھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں اُس شخص کا وارث وہی پاکستانی ہوگا۔ جس کے ساتھ اُس نے باقاعدہ دوستانہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر اس کے کوئی مسلمان رشتہ دار موجود ہیں تو وہ جہاں بھی ہوں گے اُس کی وراثت کے جائز وارث ہوں گے۔

وراثت کا عام قانون

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عام قانونِ وراثت کے مطابق ترکہ میں سب سے پہلے اِن رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے جن کا حصہ اللہ نے قرآن میں نام لے کر مقرر کیا ہے، وہ رشتہ دار ذوی الفروض کہلاتے ہیں دوسرے نمبر پر عصبہ ہیں جو باپ کی طرف سے قریبی رشتہ دار ہوں مثلاً باپ بیٹا چچا تایا اور ان کی اولاد وغیرہ۔ اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی میّت کو ذوی الفروض اور عصبہ دونوں نہ ہوں تو ترکہ مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عصبہ کے بعد ذوی الارحام کا نمبر آتا ہے یعنی اگر باپ کی طرف سے کوئی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ماں کی طرف سے رشتہ دار حق دار ہوں گے جیسے ماموں، ماموں زاد، بھانجے وغیرہ، اگر ان میں سے بھی کوئی زندہ موجود نہ ہو تو پھر چوتھے نمبر پر مرنے والے کا مال بیت المال میں جمع ہو کر تمام مسلمانوں کی مشترکہ وراثت بن جائیگا۔ اللہ کی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ قرآن پاک اور لوح محفوظ میں یہی قانون درج ہے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اس نے تمام احکام اپنے علم اور حکمت کے مطابق جاری فرمائے ہیں انسانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ اِن قوانین پر عمل کریں۔ ہر کام کی مصلحت اللہ تعالیٰ کے بہترین علم میں ہے۔

سورة التوبة

(مكمل)

درس اوّل آیت ۱ تا ۲

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا سِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُورۃ توبہ مدنی ہے ۔ اور یہ ایک سو انتیس ۱۲۹ آیات اور اس میں سولہ ۱۶ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

ترجمہ:۔ یہ برأت ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا مشرکین میں سے ① پس (ان سے کہ دو) چلو پھرو زمین میں چار ماہ (کی مدت) تک اور جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کر سکتے اللہ تعالیٰ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کفر کرنے والوں کو ②

سورۃ کے مختلف نام

اس سُورۃ مبارکہ کا عام فہم نام سُورۃ توبہ ہے ۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بعض صحابہؓ سے غزوہ تبوک میں عدم شمولیت کی کوتاہی ہوگئی تھی۔ اس پہ اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ مقاطعہ کا حکم دیدیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کی توبہ قبول فرمائی جس کا ذکر اس سورۃ میں موجود ہے لہٰذا اس سورۃ مبارکہ کو سورۃ توبہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کا دوسرا اہم نام سورۃ برأت ہے کیونکہ اس میں مشرکین اور کفار سے برأت یعنی بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ چار ماہ کی مدت میں یا

تو اسلام قبول کرلیں یا پھر ملک چھوڑ جائیں۔

اس سورۃ کو سورۃ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مشرکوں اور کافروں کو رسوا کرنے والی سورۃ ہے۔ اس کا حال بھی سورۃ میں مذکور ہے۔ یہ سورۃ منکلہ ہے یعنی یہ مکذبین اور منکرین کو سزا دینے والی سورۃ ہے۔ اسی کا نام سورۃ العذاب بھی ہے کہ اس میں کفار و منافقین کی سزا کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کو مقشقشہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منافقوں کے نفاق کو کھول دینے والی سورۃ ہے۔

سورۃ سے پہلے بسم اللہ

قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتوں میں سورۃ توبہ واحد سورۃ ہے جسکی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی جاتی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا کہ آپ جامع القرآن ہیں۔ آپ نے سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کو آپس میں جوڑ دیا ہے اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ انہوں نے اس مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ لہٰذا میں نے یہاں پر بسم اللہ نہیں لکھی۔ تلاوتِ قرآن پاک کے درمیان جب حضور علیہ السلام بسم اللہ تلاوت فرماتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ یہ دو سورتوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور اب نئی سورۃ شروع ہو رہی ہے۔ چونکہ آپ نے اس موقع پر بسم اللہ نہیں پڑھی لہٰذا یہ بھی امکان ہے کہ سورۃ انفال اور توبہ ایک ہی سورۃ ہو کیونکہ ان دونوں کے مضامین میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے امام ابو حنیفہؒ کا وہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جزوِ قرآن تو ہے مگر ہر سورۃ کا جزو نہیں۔ بعض ائمہ اسے ہر سورۃ کا جزو بھی مانتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ سے بھی ایک بات منقول

ہے۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ سورۃ توبہ سے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو فرمایا، بسم اللہ تو امن کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ اس سورۃ مبارکہ میں اعلان جنگ ہو رہا ہے اس لیے یہاں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ نہ لکھنے کے بارے میں یہ حکمت کی بات ہے نہ کہ اس کی علت۔

جمع قرآن

قرآن پاک کی موجودہ ترتیب و شکل حضرت عثمانؓ کی جمع کردہ ہے آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع قرآن کا فریضہ ادا کیا مگر اس ترتیب میں کچھ فرق تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب بھی قدرے مختلف تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوےٰ کیا جو کہ یمامہ کا رہنے والا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے خلاف جہاد کیا جس میں بارہ سو کے قریب حفاظ اور قاری حضرات شہید ہو گئے اس پر خطرہ لاحق ہوا کہ قرآن حکیم کہیں ضائع ہی نہ ہو جائے، لہٰذا اس کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اگرچہ قرآن پاک کے مختلف حصے مختلف جگہوں پہ تحریری صورت میں موجود تھے، تاہم وہ یکجا نہیں تھے، اس لیے اُن کو ایک جگہ اکٹھا کرنا مناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک یکجا ہو کر ایک مصحف بن گیا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اختلافات بڑھ گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن کی تلاوت اور اس کی ترتیب میں بہت گڑبڑ کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا ادرك الامة حضرت امت کا علاج کریں پیشتر اس کے کہ یہ بھی اہل انجیل کی طرح بن جائیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اللہ کی کتاب انجیل کئی حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی کہیں

متفرق حصوں میں نہ بٹ جائے لہٰذا اس کی حفاظت کا مناسب انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے موجودہ ترتیب کے ساتھ قرآن پاک کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔ پھر اس کے سات نسخے تحریر کروائے اور ایک ایک نسخہ ہر صوبہ کی جامع مسجد میں رکھوا دیا اور حکم دیا کہ جس نے قرآن پاک نقل کرنا ہو۔ اس نسخہ سے نقل کرے اور اس کے خلاف کوئی نسخہ تیار نہ کیا جائے۔ پھر آپ نے اس مصحف کے علاوہ باقی سارے نسخے تلف کروا دیے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگرچہ نزول قرآن کی ترتیب بالکل مختلف ہے تاہم موجودہ نسخہ قرآن منشاء الٰہی اور لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔

سورتوں کی ترتیب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ سورۃ انفال چھوٹی سورۃ ہے جس کی آیات ایک سو سے بھی کم ہیں۔ تو آپ نے اسے سبع طوال (سات لمبی سورتوں) کے درمیان کیسے لکھ دیا ہے اور سورۃ توبہ جس کی آیات سو سے زیادہ ہیں اس کو آپ انفال کے بعد لائے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے آیات اور سورتوں کی ترتیب حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق رکھی ہے۔ جب قرآن پاک کی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ فلاں آیت سے پہلے یا بعد میں لکھو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ ایسا ہی کرتے۔ سورۃ انفال ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی چنانچہ اس سورۃ میں اس جنگ کا حال مذکور ہے۔ برخلاف اس کے سورۃ توبہ فتح مکہ کے بعد مدنی زندگی کے آخری حصہ میں ۹ھ میں نازل ہوئی اور اس میں غزوہ تبوک کا حال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ باقی سورتوں کی ترتیب کے متعلق تو ہم نے سن رکھا تھا کہ انہیں فلاں فلاں جگہ پہ رکھ دو مگر

سورۃ توبہ کے متعلق ہم نے حضور سے کچھ نہیں سُنا تھا اور نہ ہی ہم نے از خود دریافت کیا تھا۔ چونکہ اِس سورۃ مبارکہ کا مضمون سورۃ انفال کے ساتھ ملتا تھا اور اس کی ابتداء میں ہم نے حضور علیہ السلام سے بسم اللہ بھی نہیں سنی تھی لہذا اس سورۃ کو سورۃ انفال کے ساتھ جوڑ دیا اور درمیان میں بسم اللہ بھی نہ لکھی۔

اس سے مفسرین اور محدثین کرام یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ ترتیب قرآن کا معاملہ توقیفی ہے۔ اس میں اجتہاد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضور علیہ السلام کی بتائی ہوئی ترتیب ہے۔ جس طرح صحابیؓ نے حضور علیہ السلام سے سُنا ویسے ہی آیت کو اُس کے مقام پر رکھ دیا۔ البتہ سورۃ توبہ کے معاملہ میں اجتہاد کو ضرور دخل حاصل ہے۔ یہ سورۃ حضور علیہ السلام کی زندگی کے آخری حصہ میں نازل ہوئی۔ چونکہ اس کا مضمون پہلی سورۃ انفال کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ اس لیے یہ پہلی سورۃ کا تتمہ بھی ہے۔ البتہ پہلی سورۃ چھوٹی ہے جب کہ دوسری بڑی۔ بہر حال حضرت عثمانؓ نے اس سورۃ کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد اس کو یہاں رکھ دیا اور اس سے پہلے بسم اللہ بھی نہ لکھی۔ چنانچہ اب قانون یہی ہے کہ جو شخص سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کو تسلسل کے ساتھ پڑھے وہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے البتہ اگر کوئی اسی سورۃ سے تلاوت کی ابتداء کرتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے

کوائف اور موضوع

یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی ۱۲۹ آئیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۴۶۷ کلمات اور ۱۰۰۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

اس سے پہلی سورۃ انفال اور اس سورۃ کا موضوع اسلام کا قانونِ صلح و جنگ ہے۔ اِن سورتوں میں بارہ تیرہ اہم اصول اور

اُن کے تابع احکام بیان کیے گئے ہیں جن پر مسلمانوں کو عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں کفار و مشرکین کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور آگے اس کی مزید تشریح ہے۔ اس میں اسلام کے سیاسی نظام کا بھی ذکر ہے اور خاص طور پر مرکزِ اسلام کے بیرونی ممالک سے تعلقات کی نوعیت کا بیان ہے۔ دوسرے لفظوں میں سورۃ ہذا اسلام کی فارن پالیسی کے خدوخال کو بھی واضح کرتی ہے۔ اس میں جزیہ کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔

جہاد کے سلسلے میں اس سورۃ میں غزوہ حنین اور غزوہ احد کا ذکر ہے اور غزوہ تبوک سے متعلق قدرے تفصیلات موجود ہیں۔ اس دوران منافقین نے اپنی منافقت کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا، جہاد سے گریز کیا اور مسلمانوں کے مقابلے میں مسجد ضرار تعمیر کی جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں منافقین کو دی گئی رعایات کو ختم کیا گیا ہے اور ان کی رسوائی کا تذکرہ ہے۔

اعلانِ بیزاری

سُورۃ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ شروع میں هٰذِهٖ کا لفظ محذوف ہے اور مکمل معنیٰ یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ مشرکوں میں سے اُن لوگوں کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے۔ آگے تفصیلات آ رہی ہیں کہ معاہدات کی خلاف ورزی کس طرح ہوتی رہی، لہٰذا اُن کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور اُن کے متعلق حکم ہوا کہ اِن کو کہ دو فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ پس چل پھر لو زمین میں چار ماہ تک۔ چونکہ کفار و مشرکین معاہدات کی بار بار خلاف ورزی کرتے تھے اور ایسے معاہدات عملی طور پر بے معنی ہو کر رہ گئے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو سوچ بچار کرنے

کے لیے چار ماہ کی مہلت دے دو۔ اس دوران یا تو وہ اسلام قبول کر کے قرآن کے پروگرام کو تسلیم کر لیں یا پھر اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اسلام کی سیاسی برتری کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کے ملک میں ذمی کے طور پر گزر اوقات کریں۔ اگر چار ماہ کے اندر اندر دونوں میں سے کوئی بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان کے خلاف جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی اور مزید مہلت نہیں دی جائیگی۔

قرآن پاک میں چار ماہ کی مدت کا تذکرہ بعض دوسرے معاملات میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً ایلاء کے مسئلہ میں فرمایا "لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ" (البقرہ) جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھاتے ہیں۔ وہ چار ماہ تک انتظار کریں۔ پھر اس مدت میں یا تو کفارہ ادا کر کے رجوع ہو سکتا ہے۔ یا پھر اس مدت کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کا عرصہ اس لیے مقرر کیا ہے تاکہ کوئی شخص اس دوران میں مناسب غور و فکر کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچ سکے۔ یہاں بھی کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے آگے معاہدات کی بعض دوسری صورتیں بھی بیان ہو رہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جن لوگوں کے ساتھ لمبی مدت کے معاہدات ہیں وہ اگر معاہدات کی پابندی کرتے ہیں خلاف ورزی نہیں کرتے تو ایسے معاہدات کو پورا کیا جائے گا۔ مگر جن لوگوں نے معاہدے کی پابندی نہ کی، وہ شکست کھا گئے جس کی بہترین مثال فتح مکہ ہے، یہودی قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ نے معاہدات کی خلاف ورزی کی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ جلاوطن ہوئے ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا اور جو زیادہ شر پسند تھے ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔

فرمایا چار ماہ تک چلو پھرو، یہ تمہارے لیے سوچ و بچار کرنے کی مہلت ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ اور خوب اچھی طرح جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، وہ قادر مطلق ہے اس کے سامنے تمہارا کوئی داؤپیچ نہیں چل سکتا بلکہ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ یقیناً کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ جو لوگ معاند ہیں۔ کفر پر اصرار کرتے ہیں، زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ کفر و شرک کے پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ یہ مشرکین سے بیزاری کا اظہار ہو گیا۔ آگے آیت نمبر ۵ تک مشرکین اور کفار کے خلاف واضح طور پر اعلانِ جنگ اور اس کی تشریح آ رہی ہے

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ
غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ
لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

ترجمہ :- اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عام لوگوں کی طرف بڑے حج کے دن (اعلان یہ ہے) کہ بیشک اللہ تعالیٰ بیزار ہے شرک کرنے والوں سے ۔ اور اس کا رسول بھی (بیزار ہے) پس اگر تم توبہ کر لو پس وہ تمہارے لیے بہتر ہے ۔ اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور خبر سنا دو اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب کی ③ مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکین میں سے پھر انہوں نے کمی نہیں کی تمہارے ساتھ کسی چیز کی اور نہ مدد کی انہوں نے تمہارے خلاف کسی کی ۔ پس پورا کرو اُن کے ساتھ اُن کا عہد اُنکی مدت تک ، بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ④

اعلان بیزاری

آج کا درس سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ ..... الآیۃ کی تشریح ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ توبہ ۹ھ میں غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ۸ھ میں مکہ فتح ہو چکا ہے۔ اس سال حضور علیہ السلام کے سامنے حج بیت اللہ شریف کوئی رکاوٹ نہ تھی آپ کے مقرر کردہ گورنر عتاب ابن اسیدؓ مکہ میں موجود تھے اور یہ شہر دارالاسلام بن چکا تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے پاک کیا جا چکا تھا مگر ایک قباحت ابھی تک باقی تھی اور وہ یہ تھی کہ مشرکین عرب پر بیت اللہ شریف کا حج کرنے پر ابھی تک کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے شرکیہ رسوم جاری کر کے ملتِ ابراہیمی کو بگاڑ دیا تھا اور دین کی اس بگڑی ہوئی شکل کو ہی دینِ ابراہیمی سمجھے بیٹھے تھے۔ حضور علیہ السلام کے متبعین اصلی مسلمانوں کو صابی یعنی بے دین کہتے تھے۔ اِن حالات میں ۹ھ میں خود حضور نبی کریم علیہ السلام نے حج کے لیے جانا پسند نہ فرمایا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت تھی کہ شرک کی خباثت کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں جانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ اس سال آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں حج وفد مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ اس دوران سورۃ ہذا نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس کی ۳۲، ۳۷ یا ۴۰ آیات حضرت علیؓ کو دے کر مکہ معظمہ بھیجا تاکہ اِن کا اعلانِ عام حج کے موقع پر مختلف اجتماعات میں کیا جا سکے۔

حضرت علیؓ بطور مامور

اس سفر کے لیے حضور علیہ السلام نے خود اپنی عضباء نامی اونٹنی سواری کے لیے مہیا کی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ حضورؐ کی اونٹنی پر سوار حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے تو موخر الذکر نے سمجھا کہ شاید انہیں امارتِ حج سے برخاست کر دیا گیا، انہوں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا امیر او مامور یعنی آپ امیر بن کر آئے ہیں یا بطور مامور۔ حضرت علیؓ نے کہا میں مامور ہی ہوں اور آپ کی سرکردگی میں ہی حج ادا کروں گا۔

مفسرین نے اس مقام پر یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ مطلوبہ اعلان تو امیر حج حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی کہہ سکتے تھے، اس کے باوجود حضرت علیؓ کو خاص طور سے اُن کے پیچھے بھیجنے کا کیا مقصد تھا؟ اس ضمن میں امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں یہ دستور تھا کہ جب کسی معاہدہ کو منسوخ کرنا ہوتا تھا یا کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ مقاطعہ مطلوب ہوتا تو سردار قبیلہ یا اُس کا کوئی عزیز یہ کام انجام دیتا۔ حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کے بھائی اور داماد تھے، اس لیئے آپ نے مذکورہ دستور کے تحت حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو پوری طرح یقین آجائے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو پیچھے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ آپ حضرت صدیقؓ کے معاون بن جائیں اور تمام مومن بھی خوش ہو جائیں۔ امام رازیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ماتحتی میں بھیجنے سے یہ بھی مراد تھی کہ حضرت صدیقؓ کی امارت مسلم ہو جائے اور بعد میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو۔ چنانچہ فی الواقع ایسا ہوا، حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ نے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا اور آپ کی سرکردگی میں امورِ حکومت میں آپ کے ممد و معاون بنے۔ رافضیوں نے خلافت کا جھگڑا ابلاوجہ پیدا کیا ہے۔ اُن کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے اور یہ کہ اُن سے خلافت چھین لی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ حضور علیہ السلام نے اپنی حینِ حیات ہی میں حضرت علیؓ کو حضرت صدیقؓ کا ماتحت بنا کر کر دیا تھا۔

اعلان کا متن

الغرض! حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق بیزاری کا اعلان ایامِ حج میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے ہر اجتماع کے مقام پر کیا۔ مکہ کی گلیوں، عرفات، مزدلفہ اور خاص طور میدانِ منیٰ

میں جہاں حجاج تین دن قیام کرتے ہیں، بڑے اہتمام سے اعلان کیا گیا حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اعلانِ برأت میں یہ چار اعلان شامل تھے۔

(۱) پہلا اعلان یہ تھا اَنْ لَّا یَطُوفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ یعنی آئندہ کسی شخص کو برہنہ طواف کی اجازت نہیں ہوگی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مادر زاد ننگے بھی طواف کرتے تھے۔ وہ اس باطل زعم میں مبتلا ہو چکے تھے کہ اپنے جس لباس میں وہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، اس لباس کے ساتھ اللہ کے پاک گھر کا طواف سوءِ ادب ہے۔ لہٰذا یا تو وہ متولیانِ کعبہ قریش سے کپڑے مستعار لے کر ان کے ساتھ طواف کرتے تھے اور اگر ان کو کپڑے میسر نہیں آتے تھے تو پھر برہنہ طواف کو ترجیح دیتے تھے۔ جب مشرکین سے اس قبیح فعل کی وجہ پوچھی جاتی تو کہتے "وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا" (الاعراف) اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا "قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ" (الاعراف) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ یہ تو عقلاً بھی محال ہے

(۲) حج اکبر کے دن دوسرا اعلان یہ تھا "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا" (التوبہ) مشرک لوگ ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام کے قریب آنے یعنی حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۳) حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق تیسرا اعلان یہ تھا لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ مومن کے سوا جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے، ورنہ جنت میں داخلہ نہیں مل سکے گا۔

(۴) چوتھا اعلان یہ تھا کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔ "فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ" ان کے لیے چار ماہ

کی مہلت ہے اس دوران وہ سوچ وبچار کر کے ایمان قبول کر لیں یا ملک چھوڑ جائیں، ورنہ ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔ اس اعلان کی تشریح آگے پندرہ آیات تک چلی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسا اعلان کیوں کیا گیا۔

اذان کا لغوی معنی اعلان ہوتا ہے۔ البتہ یہ لفظ اب شرعی اصطلاح بن چکا ہے۔ مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے لیے اعلان کو اذان کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی ادب میں اس طرح استعمال ہوا ہے

آذَنَتْنَا بِبَيْنِهَا أَسْمَاءُ
رُبَّ ثَاوٍ يُمَلُّ مِنْهُ الثَّوَاءُ

اسماء نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا۔ بہت سے ٹھہرنے والے دلگیر ہو جاتا ہے اس سے قیام مگر اس کے ٹھہرنے سے دلگیری نہیں ہوئی۔

حج اکبر کا دن

الغرض! ارشادِ خداوندی ہے وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ یہ اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے إِلَى النَّاسِ عام لوگوں کی طرف لوگوں سے مراد عرب کے مشرکین، مختلف قبائل اور وہ عامۃ الناس ہیں جو حج کے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ اعلان يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ حج اکبر کے دن ہے۔ حج اکبر سے کونسا دن مراد ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا حج اکبر سے مراد یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے جس دن حاجی منیٰ میں قربانی کرتے ہیں، طواف زیارت بھی اسی دن ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نویں تاریخ کو عرفات کا وقوف بھی مکمل ہو جاتا ہے تو گویا دسویں تاریخ کو حج کے ارکان مکمل ہو جاتے ہیں، اس لیے اس دن کو حج اکبر کا دن کہا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے کہ جب اسلامی دارالخلافہ کوفہ منتقل ہو گیا تو آپ

دسویں ذی الحجہ کو سفید رنگ کے خچر پر سوار نماز عید کے لیے جبانہ کے میدان میں نکلے کیونکہ صحابہ کرامؓ کھلی جگہ پر نماز عید ادا کیا کرتے تھے۔ اس دوران ایک شخص نے حضرت علیؓ کے خچر کا لگام پکڑ کر کہا، امیر المؤمنین! مجھے بتائیں کہ حج اکبر کا دن کونسا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ دن آج ہی کا دن ہے، لگام چھوڑ دو۔

یاد رہے کہ حج اکبر کے مقابلے میں حج اصغر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور حج اصغر عمرے کو کہتے ہیں۔ عمرہ سال بھر ماسوائے ایام حج کسی وقت بھی ہو سکتا ہے مگر حج اکبر اس کے مخصوص ایام میں ہی کیا جاسکتا ہے اور یہ ایام ذی الحجہ کی آٹھویں تا تیرھویں تاریخ ہیں۔ عوام الناس میں مشہور ہے کہ حج اکبر وہ ہوتا ہے جب ۹ ذی الحجہ یعنی عرفہ کا دن جمعہ کو آئے جیسا کہ ۱۹۸۲ء میں آیا تھا۔ جمعہ تو ویسے ہی مبارک دن ہے اور ذی الحجہ کی نویں تاریخ بھی اسی دن آجائے تو یہ مزید خوشی کی بات ہوگی کہ دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں۔ تاہم حج اکبر سے مراد ہر حج ہے جب کہ عرفات میں وقوف کیا جاتا ہے بعض چیزیں غلط العام ہو جاتی ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ جس نے عقیقہ نہ کیا ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ یا جس نے پہلے ماں باپ کی طرف سے قربانی نہ کی ہو، اس کی قربانی نہیں ہوتی۔ اس قسم کے مسئلے خود ساختہ ہوتے ہیں، ان میں حج اکبر کا غلط مفہوم بھی شامل ہے۔

مشرکین سے اظہارِ بیزاری

فرمایا حج اکبر کے دن یہ اعلان عام ہے اَنَّ اللّٰهَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ بیشک اللہ تعالیٰ شرک کرنیوالوں سے بیزار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مشرکین کی فکر اور سوچ غلط ہے، ان کا عقیدہ باطل ہے اور ان کا پروگرام غلط ہے، اس لیے اللہ وَرَسُوۡلُهٗ اور اس کا رسول ان سے بیزار ہیں۔ چنانچہ کلمہ طیبہ میں یہی چیز پائی جاتی ہے تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ میں کفر، شرک اور ہر باطل دین سے بیزار ہوں۔

اَسْلَمْتُ وَاٰمَنْتُ میں فرمانبردار ہوگیا اور ایمان قبول کرلیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا۔

فرمایا اس اعلان کے بعد فَاِنْ تُبْتُمْ اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کر لو، اور اہل دین کو مٹکرا دو فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس سے اللہ بھی راضی ہوگا اور اس کا رسول بھی وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اور اگر تم نے روگردانی کی۔ کفر شرک سے باز نہ آئے تو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ تو یاد رکھو! تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، چنانچہ جب مشرکین یہ اعلان سنتے تھے تو کہتے تھے یہ جنگ کی دھمکی ہے، جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا بعض اس اعلان کا مذاق اڑاتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کر دیا کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، تم اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر اس اعلان کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وعید بھی سنائی وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اے پیغمبر! آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خبر بھی سنا دیں خوشخبری تو تحکم کے طور پر کہا گیا ہے۔ یہ دراصل اطلاع ہے کہ اگر یہ لوگ کفر شرک لے کر ہی اللہ کے دربار میں پہنچے تو پھر عذاب الیم کے بغیر ان کے حق میں کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

معاہدے کے پابند مشرکین

فرمایا سارے کے سارے مشرک عہد شکن نہیں، بعض وفا کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ان لوگوں کو عذاب الیم کی خبر سے مستثنیٰ کر دیں کہ جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کیا ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا

پھر انہوں نے اس کی کچھ خلاف ورزی نہیں کی۔ تاریخ میں بنو ضمرہ وغیرہ کا ذکر ملتا ہے کہ معاہدہ کرنے کے بعد ـــــ انہوں نے خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ بر خلاف اس کے مکہ والوں نے بدعہدی کی تو اس کا نتیجہ ان کے خلاف فتح مکہ کی صورت میں نکلا۔ تو فرمایا کہ جن لوگوں نے معاہدے میں کچھ کمی نہیں کی یعنی معاہدے کو نہیں توڑا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا اور انہوں نے تمہارے خلاف کسی دوسرے قبیلے کی مدد بھی نہیں کی۔ اس زمانے میں قبائل کے اس قسم کے معاہدات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ جیسے بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو بکر کی مدد بھی کی۔ اسی طرح بنو خزاعہ حضور علیہ السلام کے حلیف اور ایک دوسرے کی مدد کے پابند تھے بہرحال فرمایا کہ جن قبائل نے آپ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو نبھایا ہے اور آپ کے خلاف کسی دوسرے کی مدد بھی نہیں کی فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ تو ایسے معاہدات کو اُن کی میعاد مکمل ہونے تک پورا کرو۔ ایسے معاہدہ کے لیے جو بھی مدت مقرر کی گئی، چھ ماہ ـــ یا سال دو سال، اس کو پورا کرو، وہ معاہدہ قائم سمجھا جائے گا۔ باقی لوگوں کو غور و فکر کے لیے چار ماہ کی مہلت دیدو کہ اس دوران میں وہ اپنا فیصلہ کر لیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے یا جلاوطنی۔ فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ جو لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ عہد کی پاسداری کرتے ہیں، ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کریں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

درس سوئم ۳ آیت ۵ تا ۶

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ
حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ
وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝٥ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ
ع مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝٦

ترجمہ :- جب گزر جائیں مہینے حرمت کے ، پس قتل کرو مشرکوں کو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اور پکڑو ان کو ، اور گھیرو ان کو ، اور بیٹھو ان کے لیے ہر گھات میں ۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ، تو چھوڑ دو ان کا راستہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ۞ ۵ اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص پناہ مانگے آپ سے ، پس آپ پناہ دیں اس کو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے ، پھر پہنچا دیں اس کو اس کی امن کی جگہ تک ، اس لیے کہ بیشک یہ لوگ ایسے ہیں جو علم نہیں رکھتے ۞ ۶

ربط آیات

پہلے درس میں مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا ۔ پھر معاہدات کی خلاف ورزی کرنیوالوں کے لیے چار ماہ کی مدت فرمائی کہ اگر وہ اس عرصہ میں کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول

کرلیں تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ ملک بدر ہو جائیں۔ چار ماہ کی مدت میں اگر نہ وہ ایمان لائیں اور نہ ملک چھوڑیں تو پھر اُن کے خلاف جہاد ہوگا۔ البتہ جو لوگ معاہدے کی پابندی کر رہے ہیں۔ اُن کے متعلق فرمایا کہ مقررہ مدت تک اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے اور انہیں سوچ وبچار کا موقع دیا جائے۔

حرمت والے مہینے

ارشاد ہوتا ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں۔ یہاں پر حرمت والے مہینوں سے مراد یہی چار ماہ ہیں جن کی کفار و مشرکین کو مہلت دی گئی کہ وہ اس دوران سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرلیں۔ اِن حرمت والے مہینوں سے وہ حرام مہینے نہیں ہیں جن کا ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے کہ جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ ملّتِ ابراہیمی میں ان چار مہینوں کے دوران لڑائی ممنوع ہے۔ ان مہینوں کی تشریح حضور علیہ السلام کے ارشاداتِ مبارکہ میں موجود ہے۔ ان میں سے تین مہینے تو اکھٹے ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے۔ ان کا حکم آگے آرہا ہے۔ تاہم اس مقام پر چار ماہ سے وہ مدت مراد ہے جو کسی کافر و مشرک کو سوچ بچار کے لیے دی گئی ہو۔ تاہم ان حرمت والے مہینوں کا حکم بھی یہی ہے کہ اہل ایمان خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں اور اگر مشرکین چھیڑ خانی کریں تو پھر اُن کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ چونکہ یہ اعلان ۹ھ میں دس ذی الحجہ کو کیا گیا، لہٰذا چار ماہ کی یہ مدت دس ربیع الثانی کو ختم ہو جائے گی اور پھر مسلمان کفار و مشرکین کے خلاف کارروائی کرنے کے مجاز ہوں گے۔

بعد از مہلت

فرمایا جب یہ مہلت ختم ہو جائے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ پھر قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی انہیں پاؤ۔ مقررہ مدت گزرنے کے بعد اُن سے جنگ کرنے کی اجازت ہے وَخُذُوْهُمْ

اور پکڑو اُن کو یعنی قیدی بنا لو، اس کی بھی اجازت ہے وَاحْصُرُوْهُمْ اور گھیر و ان کو۔ کفار کسی قلعے میں ہوں یا وادی میں اُن کا ناطقہ بند کر دو، اگر کسی شہر میں ہیں تو اس کا گھیراؤ کر لو وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ اُن کے لیے ہر گھات میں بیٹھو۔ وہ کسی رصدگاہ میں ہوں یا کمین گاہ یا انتظار گاہ میں، اُن کی تاک میں بیٹھو اور جونہی اپنے ٹھکانے سے نکلیں انہیں دبوچ لو۔ مطلب یہ کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد انہیں ہر طرف سے گھیر لو اور ہر صورت میں اُن کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔

یاد رہے کہ اس آیت کریمہ میں جس لڑائی کی تلقین کی جارہی ہے اُس سے کوئی دنیاوی مفاد مقصود نہیں۔ نہ تو محض اقتدار کی خواہش ہے اور نہ ہی ہوسِ ملک گیری۔ اس جنگ کا واحد مقصد اللہ کے دین کو غالب بنانا ہے۔ اسلام میں جہاد کے متعلق سورۃ بقرہ، آل عمران، مائدہ، انفال اور خود اس سورۃ میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس سے مقصود اعلائے کلمۃ الحق ہے، نہ کہ مال و دولت کا حصول یا محض انسانی قتل۔ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے تاکہ شعائر دین کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

توبہ کا دروازہ

فرمایا فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ توبہ کر لیں، کفر و شرک سے باز آجائیں، دین کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں، اپنا عقیدہ اور عمل درست کر لیں، تمام باطل عقائد سے قطع تعلق کر کے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں تو پھر سمجھا جائے گا کہ یہ بھی تمہاری جماعت کے آدمی ہیں۔ پھر ان کو بھی وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو تمہیں حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو تم پر عائد ہیں۔ توبہ میں یہ تمام باتیں آجائیں گی۔

نماز اور زکوٰۃ

فرمایا توبہ کرنے کے بعد اگر یہ دو مزید باتوں کا اہتمام کر لیں، پہلی بات یہ ہے۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز کو قائم کریں اور دوسری

یہ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کرنے والی یہ دو بڑی علامتیں ہیں۔ ایمان تو باطنی چیز ہے جو قلبی تصدیق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ کلمہ پڑھ لینے سے تو بظاہر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شخص واقعی اسلام میں داخل ہو گیا ہے، جب تک ظاہری طور پر جماعت المسلمین کے ساتھ مل کر نماز ادا نہیں کرتا اور اگر اللہ نے صاحب نصاب بنایا ہے تو پھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کفار کے ساتھ جنگ جاری رکھوں حَتّٰی یَقُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید اپنی زبان سے ادا کریں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد دو باتوں کو اولیت حاصل ہے اور وہ ہیں نماز اور زکوٰۃ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں بھی کر دیا گیا۔ جس طرح نماز اور روزہ انسان کا بدنی حق ہے۔ اسی طرح اِنَّ الزَّکٰوۃَ حَقُّ الْمَالِ زکوٰۃ کسی انسان کے لیے مالی حق ہے۔ اور حج مرکب حق ہے کہ اس میں مال، جان اور زبان تینوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، روزہ اور حج کا ذکر اس جگہ نہیں کیا گیا۔

نماز کے فوائد

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ نماز کا اجر و ثواب آخرت میں تو اللہ تعالیٰ نے بے حد و بیشمار رکھا ہے، اسی کے ذریعے نجات حاصل ہو گی، بہشت بریں اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو گا۔ درجات کی بلندی نصیب ہو گی، تاہم دنیا میں بھی نماز کے لاتعداد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعے طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے جو ملت ابراہیمی کا اہم ترین اصول ہے نماز کے فوائد میں وقت کی پابندی، وقت کی قدر و قیمت، باہمی اخوت و محبت اور مساوات کا درس ملتا ہے۔ یہ نماز ہی کی صف بندی ہے جس میں امیر و غریب، آقا اور غلام، اعلیٰ اور ادنیٰ سب کندھے سے

کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس میں کالے اور گورے کی تمیز اٹھ جاتی ہے خاندانی برتری ختم ہو جاتی ہے اور تمام مسلمان ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں جس سے نوں میں محض رنگ و نسل کی بنا پر کوئی ذلیل و حقیر نہیں۔ ذلت و حقارت گناہ اور معصیت سے پیدا ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ فَھُوَ السُّفْلِیُّ کمینہ وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ کے ہاں عزت و وقار کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ یہ سب سبق نماز کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعے مسلمانوں کی اجتماعیت کا قیام بہت بڑی بات ہے اہلِ ایمان دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے واقف حال ہوتے ہیں۔ پھر جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں تو پورے گاؤں محلہ یا شہر کے لوگ اکٹھے ہو کر اپنی اجتماعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج بھی غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتا دیکھ کر اس اجتماعیت پر رشک کرتی ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہم اجتماعیت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اسے رواجی چیز سمجھ کر ادا کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے فوائد

اور زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے بندوں کے ساتھ تعلق درست ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے دو بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو انسان کے اندر سے بخل کا مادہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا بنیادی اصول یہ ہے[1] تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاۤئِھِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَاۤئِھِمْ یعنی دولت امت کے امراء سے لیکر غرباء کی طرف لوٹائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ مبارکہ میں آٹھ مدات کا ذکر کیا ہے۔ جہاں زکوٰۃ کا مال صرف ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ حق المال ہے، یہ ٹیکس نہیں۔ کیونکہ ٹیکس تو جائز بھی ہوتے ہیں اور ناجائز بھی؛

[1] مسلم ص ۲۶ ج ۱ (فیاض)

لیکن زکواۃ ایک عبادت ہے جو صاحب مال اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے نیت کا ہونا بھی ضروری ہے جس طرح دیگر عبادات نماز، روزہ، حج وغیرہ نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔ اسی طرح زکواۃ کی ادائیگی کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ بینک کی طرف سے کھاتہ داروں سے جبری زکواۃ کاٹ لینے میں یہی قباحت ہے کہ وہاں صاحب مال کی نیت کو دخل نہیں ہوتا۔ اگر زکواۃ کی رقم جبری ہی کاٹنا ضروری ہو تو پھر بینک کو کھاتے دار کو اطلاع دینی چاہیے کہ اس کے کھاتے میں اتنی رقم موجود ہے جس سے اس قدر رقم بطور زکواۃ واجب الادا ہے۔ اس طرح صاحب مال زکواۃ کی نیت کر کے بینک کو کٹوتی کی اجازت دے، زکواۃ آرڈیننس میں یہ خرابی ہے اور اس سقم کو دور کرنا چاہیئے ورنہ معاملات درست نہیں ہوں گے۔

فرمایا اگر یہ لوگ کفر و شرک کو ترک کر کے ایمان قبول کر لیں اور پھر اس کے ثبوت میں نماز ادا کرنے لگیں اور زکواۃ دینے لگیں فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یعنی اگر محاصرہ میں ہیں تو محاصرہ اٹھا لو اگر جنگ کا ارادہ ہے تو اُسے ترک کر دو اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو کیونکہ اگر انہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے تو إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ وہ ان کی سابقہ غلطیوں کو معاف فرما دیگا کیونکہ اب وہ صراط مستقیم کے مسافر بن چکے ہیں اور اصل مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب لڑائی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

پناہ طلبی

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے فَأَجِرْهُ

تو آپ اُسے پناہ دے دیں۔ اس کے خلاف کارروائی بند کر کے اُسے ایک موقع فراہم کریں حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک اس شرط پر مہلت طلب کرتا ہے کہ اُسے اللہ کا کلام اور اس کے احکام سنائے جائیں اور سمجھائے جائیں تاکہ وہ غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے تو فرمایا اُسے موقع دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔ اُسے قرآن سنائیں، اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ اُن کے فوائد بتلائیں اور اس کے بعد بھی جلد بازی نہ کریں بلکہ اُسے سوچنے سمجھنے کے لیے مزید موقع دیں۔ پھر اگر وہ اپنی امن کی جگہ یعنی اپنے علاقے میں جانا چاہتا ہے ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ تو اُسے جائے امن تک خود پہنچا دیں۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کا سلوک کریں تاکہ وہ ایمان کی حقانیت سے متاثر ہو کر خود بخود ایمان لے آئے۔ تاہم یہ اُن مشرکوں کے لیے ہے جو دین کو سننا اور سمجھنا چاہتے ہوں۔

فرمایا ذٰلِکَ یہ مہلت اس لیے دی گئی ہے بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ یہ جاہل لوگ ہیں۔ سوچنے سمجھنے سے عاری ہیں۔ ان کو اتنا موقع ملنا چاہیئے کہ یہ خوب غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں جب ان کو پورا پورا موقع دے دیا جائے۔ تو پھر دین کو قبول کرنا ان پر موقوف ہے۔ موقع فراہم کرنے سے پہلے اور مناسب مہلت دیئے بغیر ایسے کفار و مشرکین کے خلاف کارروائی کرنا درست نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ مناسب موقع ملنے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دین کو قبول کر لیں۔ لہٰذا ان کو یہ رعایت ملنی چاہیئے۔ فرمایا جو عنادی اور ضدی لوگ اس رعایت کے بعد بھی ایمان قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور نہ مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کریں۔

بلکہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کریں تو ایسے لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے، پھر ان کے لیے دو ہی راستے ہیں کہ یا تو ملک بدر ہو جائیں یا انہیں قتل کر دیا جائے۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ
رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا
اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ
لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرَوْا
بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ
سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُونَ فِي
مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ
فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ :- کس طرح ہو سکتا ہے مشرکوں کے لیے عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسُول کے نزدیک ، مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس ۔ پس جب تک وہ سیدھے رہیں تمہارے لیے تو تم بھی سیدھے رہو اُن کے لیے بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ﴿۷﴾ کس طرح (اِن کے خلاف لڑائی نہیں ہو گی) حالانکہ اگر یہ غالب

آجائیں تو نہیں لحاظ کرتے تمہارے اندر قرابت کا اور نہ عہدوپیمان
کا۔ یہ تمہیں راضی کرتے ہیں اپنے مونہوں کی بات سے اور ان کے
دل انکار کرتے ہیں اور اکثر ان میں نافرمان ہیں ⑧ خریدی ہے
انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت۔ پس روکا
ہے انہوں نے اس کے راستے سے۔ بیشک بُری ہے وہ
بات جو یہ لوگ کرتے ہیں ⑨ نہیں لحاظ کرتے کسی مومن
میں قرابت کا اور نہ عہدوپیمان کا، اور یہی لوگ ہیں تعدی کرنے
والے ⑩ پس اگر یہ توبہ کر جائیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے
لگیں تو یہ تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور ہم تفصیل سے بیان کرتے
ہیں آیتیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ⑪

ربط آیات

اِس سُورۃ کی ابتداء میں پہلے کفار و مشرکین سے برأت کا اعلان ہوا، پھر انہیں سوچ و بچار کرنے کیلئے چار ماہ کی مہلت دیے جانے کا ذکر ہُوا کہ یہ مدت گزرنے کے بعد حالتِ جنگ قائم ہو جائیگی بشرطیکہ کفار و مشرکین نے ایمان نہ قبول کر لیا ہو یا وہ ملک سے چلے نہ گئے ہوں۔ پھر یہ بیان ہُوا کہ اس مہلت کے باوجود اگر کوئی غیر مسلم دینِ اسلام کے متعلق آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے، قرآنی پروگرام کو سُننے پر آمادہ ہو اور وہ اہلِ ایمان سے اس مقصد کے لیے پناہ طلب کرے تو اُسے پناہ دے دی جائے بلکہ اسلام کی وضاحت کرنے کے بعد اُسے مزید مہلت دی جائے اور اُسے اُس کی جائے امن تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر کوئی فیصلہ کر سکے، فرمایا، یہ بے علم لوگ ہیں، انہیں اس قدر رعایت دینی چاہیئے اور اگر اس کے بعد بھی وہ دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے تو اِن کا شمار معاند کافروں میں ہوگا اور اُن کے ساتھ جنگ سے متعلق وہی سلوک کیا جائے گا جو اِس قسم کے کافروں سے کیا جاتا ہے۔ اَب آج کے درس میں جنگ کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ کہ کفار و مشرکین کے خلاف جنگ کیوں ضروری ہے۔

معاہدہ پر استقامت

ارشاد ہوتا ہے کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِہٖ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے نزدیک مشرکین سے عہد و پیمان کیسے ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ عہد و پیمان پر قائم نہیں رہتے اور اُسے بار بار توڑتے ہیں، اللہ اور رسول کے ہاں انکے عہد کی کوئی وقعت نہیں۔ اُن کے معاہدے کا کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک معاہدہ کیا مگر ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہی اسے توڑ دیا۔ اِن کے علاوہ بعض دوسرے کفار اور اہل کتاب نے بھی معاہدات کی خلاف ورزی کی، اسی لیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد شکن لوگوں کے معاہدات کی کوئی حیثیت نہیں۔

فرمایا، ہاں! اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ البتہ وہ لوگ جنہوں نے مسجد حرام کے پاس تم سے معاہدہ کیا۔ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ پس جب تک وہ اس معاملہ میں تمہارے ساتھ سیدھے رہیں فَاسْتَقِیْمُوْا لَھُمْ ط تو تم بھی اُن کے لیے سیدھا رہو۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جو قبائل چاہیں مشرکین مکہ کے ساتھ شریک رہیں اور جو چاہیں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اس معاہدہ کی رُو سے بعض قبائل نے اپنے عہد کو پورا نہ کیا جبکہ بعض قبائل بنو کنانہ، بنو ضمرہ اور خزاعہ وغیرہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان پر قائم رہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ عہد پر قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو اور معاہدے کی پاسداری کرو۔ ایسے لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرنا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تقویٰ کا معنیٰ بچنا اور احتیاط کرنا ہوتا ہے۔ اور یہاں مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو توڑنے سے جو شخص احتیاط کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے۔ اور جو لوگ عہد کی پابندی نہیں کرتے

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ایسے معاہدات ناقابلِ اعتبار ہیں لہٰذا ایسے عہد شکن لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں نہ کیا جائے؟

مخالفین کی منافقت

جنگ کرنے کی ایک وجہ تو یہ بیان فرمائی کہ لوگ معاہدات کو پورا نہیں کرتے اور دوسری وجہ یہ کَیْفَ وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ کہ اگر یہ لوگ تم پر غالب آجائیں لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً یہ نہیں لحاظ کرتے تم ہیں قرابت کا اور نہ عہد و پیمان کا۔ اللہ نے معاندین کی یہ قبیح خصلت بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ کسی وقت مسلمانوں پر غالب آجاتے ہیں تو پھر وہ من مانی اذیت پہنچانے میں رشتہ داری کا خیال بھی نہیں کرتے جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ اُسی معاشرے کے افراد تھے۔ اُن کے مخالفین ان کے رشتہ دار ہی تھے، کسی کا باپ کسی کا بیٹا کسی کا چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا ماموں اور کسی کا بھتیجا، مگر جب کوئی مسلمان اُن کی نگرانی یا حفاظت میں چلا جاتا تھا تو پھر وہ اپنی قرابتداری کی پروا کیے بغیر اس پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ اسی لیے سورۃ شوریٰ میں فرمایا گیا ہے۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ میں تمہارا قرابتدار ہوں اور اسی کی محبت چاہتا ہوں لوگ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں مگر تم اتنا بھی نہیں کرتے، اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ نہ قرابت داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کے ساتھ وفا کرتے ہیں۔ یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وقت گزاری کے لیے تمہیں زبانی کلامی راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یا کسی کو تمہارے خلاف مدد نہیں دیں گے۔ ان کی زبان پر تو اس قسم چاپلوسی ہوتی ہے۔ وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ مگر ان کے دل انکاری ہوتے ہیں۔ ان کے

دل کفر اور شرک سے بھرے ہوئے اور اسلام کے خلاف نفرت سے پُر ہوتے ہیں۔ فرمایا ان کی حالت یہ ہے وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ یہاں پر فسق کا خصوصی معنی بدعہدی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اُن کے قول و فعل کا تضاد اُن کی بدعہدی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ یہ لوگ ہر موقع پر انسانیت سوز اور اخلاق کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے خلاف کیوں نہ جہاد کیا جائے؟

دنیاوی مفاد پرستی

فرمایا ایسے لوگوں کی ایک خصلت یہ بھی ہے اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے میں دنیا کا معمولی مفاد حاصل کیا ہے۔ کہیں مالی مفاد مطلوب ہے اور کہیں جاہ، اقتدار اور عہدہ و منصب کی خواہش ہے۔ اگر اس حقیر دنیاوی مفاد کی بجائے آخرت کی فکر کرتے تو کامیاب ہو جاتے مگر انہوں نے حقیر چیز کو پسند کیا ہے۔ اور اس طرح اللہ کے راستے سے خود بھی بھٹک گئے ہیں فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ دوسروں کو بھی اس راستہ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں دونوں قسم کے جرائم پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے مفاد کی خاطر خود بھی کفر و شرک میں مبتلا ہیں، اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں اور جو شخص ایمان کی طرف مائل ہوتا ہے اُس کے راستے کا بھی پتھر بن جاتے ہیں۔

فرمایا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بہت ہی بُری بات ہے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف کیوں نہ اعلانِ جنگ کیا جائے؟

پھر فرمایا ان کی حالت یہ ہے لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً کسی مومن کے معاملہ میں ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ نہ قرابت داری کا اور نہ عہد کا۔ جب بھی موقع ملتا ہے، رشتہ داری کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کے خلاف کرتے ہیں۔ عربوں میں

عزیزو اقارب، خاندان اور قبیلہ کا بڑا لحاظ ہوتا ہے مگر جب ان لوگوں کے پاس اہل ایمان کا معاملہ ہوتا تھا۔ تو پھر ہر قسم کے عہدوپیمان کو بالائے طاق رکھ کر مخالفت پر اتر آتے تھے۔ فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ یہی تعدی کرنے والے لوگ ہیں، پھر ان کے خلاف جنگ کیوں نہ لڑی جائے؟۔

دینی بھائی

فرمایا فَاِنْ تَابُوْا اگر یہ لوگ توبہ کر جائیں کیونکہ جنگ کا مقصد کسی کو نیست ونابود کرنا یا مال چھیننا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگ کفر و شرک سے باز آجائیں باطل عقائد کو ترک کرکے توحید و رسالت کا کلمہ پڑھ لیں اور اس کے ساتھ ساتھ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز کو قائم کریں وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ان کے گذشتہ قصور معاف کر دیے جائیں اور اب ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی جائے کیونکہ اب یہ تمہارے دینی بھائی بن چکے ہیں۔ یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ وہاں تھا۔ اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دینے لگیں فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ اب ان کی گرفت نہ کرو۔ اور اس آیت میں ہے فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ کہ یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ جب کوئی شخص تمہارا دینی بھائی بن جاتا ہے تو پھر اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو تمہیں حاصل ہیں اور اس پر بھی وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں۔ گویا توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کے ذریعے اخوت دینیہ ثابت ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود نماز کا پابند نہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کرتا ہے اس کے ساتھ اخوت دینیہ قائم نہیں ہو سکتی۔ آج کل کے دینی بھائی محض زبانی کلامی ہیں۔ وگرنہ ان میں اخوت کی لازمی علامات مفقود ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ دینی بھائی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ فرمایا وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

ہم اپنے احکام و شرائع اُن لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں، ہماری نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے بعد صحیح راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو شخص غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہے، وہ ہماری آیات سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

ظاہری حالت پر فیصلہ

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اِس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے ظاہری طور پر کلمہ زبان سے ادا کر لیا ہے اور نماز و زکوٰۃ کی ظاہری نشانیوں پر بھی عمل پیرا ہے تو اس کے ایمان کا اور اپنی جماعت کا فرد ہونے پر یقین کیا جائیگا، باقی رہا اُس کے باطن کا معاملہ تو حدیث شریف میں آتا ہے وَاَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ان کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے وہ بہر حال دینی بھائی سمجھے جائیں گے اور ان کی دو ظاہری علامات ہی کفر و ایمان کے درمیان فارقہ سمجھی جائیں گی اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ جماعت المسلمین کا ممبر نہیں سمجھا جائے گا۔ گویا اِن دو عبادات کا ترک کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص توبہ کر کے اسلامی برادری میں شامل ہو جاتا ہے، اُس سے تعرض کرنے اور اس کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں ہے

تارکِ نماز کے لیے وعید

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کلمہ توحید و رسالت پڑھنے کے باوجود نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے، مسلمانوں کو اس کا راستہ روکنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ امام احمدؒ، شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ وہ تارکِ صلوٰۃ کو قتل کر دے تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک قتل کا حکم ارتداد کی وجہ سے ہے۔ جو شخص کلمہ تو پڑھتا ہے مگر نماز ادا نہیں کرتا اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائیگا اور اگر وہ توبہ بھی نہیں کرتا تو مرتد ہے جس کی سزا قتل ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز

کے لیے موت کی سزا حدّاً و تعزیراً یعنی حد اور تعزیر کی رو سے ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کی سزا یہ ہے کہ اُسے خوب زد و کوب کیا جائے اور قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ یا تو توبہ کر کے چھٹکارا حاصل کر لے اور یا پھر قید ہی کی حالت میں مر جائے۔ بہرحال یہ تعزیر کوئی فرد یا جماعت نہیں دے سکتی بلکہ ایسی سزا دینا حکومتِ وقت کا کام ہے فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی ابتدائی کتاب میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے کہ تارکِ صوم صلوٰۃ کے بارے میں اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ایسے شخص کو اتنی مار ماری جائے کہ وہ زخمی ہو جائے، پھر اُسے جیل میں ڈال دیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے، وہاں سے نہ نکالا جائے۔

مانعین زکوٰۃ کے متعلق بھی ایسا ہی حکم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانے میں اُن کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا تھا۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا، کیونکہ دونوں یکساں عبادت ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت مگر ان کا منکر باغی ہے۔

درس پنجم ۵ آیت ۱۲ تا ۱۵

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ ۢبَعْدِ عَهْدِهِمْ
وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ
اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫
اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا
بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ
اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ
قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮

ترجمہ :- اور اگر توڑ دیں یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کرنے کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین میں ، پس لڑو تم کفر کے سرداروں کے ساتھ ، بیشک نہیں اُن کی قسمیں ، تاکہ یہ باز آجائیں ⑫ (اے اہل ایمان!) کیوں نہیں تم لڑتے اُن لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور جنہوں نے قصد کیا ہے اللہ کے رسول کو نکالنے کا اور انہوں نے ابتدا کی ہے تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ ۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو ۔ پس اللہ تعالیٰ

زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو (۱۳)
لڑو اُن سے اللہ اُن کو سزا دیگا تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا
کرے گا ان کو، اور مدد کریگا تمہاری اُن کے خلاف اور شفا
دیگا ایمان والوں کے سینوں کو (۱۴) اور لے جائیگا اُن کے
دلوں کے غصے کو اور توبہ قبول کریگا اللہ تعالیٰ جس کی چاہے
اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۵)

ربطِ آیات

اِس سورۃ کی ابتدا میں کفر اور شرک کرنے والوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا پھر اعلانِ جنگ کے لیے چار ماہ کی مہلت کا ذکر ہوا، البتہ عہد و پیمان کی وفا اور اہلِ ایمان کے خلاف کسی کی مدد نہ کرنے والوں کے ساتھ معاہدے کی مدت کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ جب مقررہ مدت گزر جائے، تو کفار و مشرکین جہاں بھی ملیں اُن کو گھیر و قتل کرو اور اُن کی گھات میں بیٹھو یہاں تک کہ وہ تائب ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ فرمایا اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو اور کوئی تعرض نہ کرو پھر فرمایا کہ یہ لوگ عہد و پیمان کے بڑے کچے ہیں، اس لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اُن کے معاہدات کا کچھ اعتبار نہیں۔ البتہ جو لوگ اُن میں سے تمہارے ساتھ مستقیم رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو۔ مگر مشرکین کا عام طور پر حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو نہ قرابتداری کا لحاظ کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔ اُن کی بات محض زبانی کلامی ہوگی، اُن کے دِل اللہ کی وحدانیت کا انکار ہی کریں گے۔ انہوں نے مادی مفاد کی خاطر آیاتِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا ہے یہ تعدی کرنے والے لوگ ہیں۔ اور اگر یہ تائب ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے۔ اب اِن کے ساتھ مخالفت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

أئمۃ الکفر سے جنگ

فرمایا وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ اور اگر انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا عہد کرنے کے بعد، مشرکین مکہ نے بھی حدیبیہ

کے مقام پر ایک پختہ عہد کیا تھا مگر اس کو توڑ دیا جس کی وجہ سے انہیں ذلت اٹھانی پڑی اور وہ مغلوب ہو گئے۔ مدینے کے قبائل بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر نے بھی اہل ایمان کے ساتھ معاہدات کیے تھے مگر انہیں توڑ کر سخت سزا کے مستحق ٹھہرے۔ تو اللہ نے فرمایا اگر پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیں وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ اور تمہارے دین میں طعن کریں یعنی اسلام پر نکتہ چینی کریں۔ اس پر اعتراض کریں جیسا کہ اکثر مشرکین اور اہل کتاب کرتے تھے۔ فرمایا، ایسی صورت میں فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ کفار کے لیڈروں، پیشواؤں اور ان کے سرداروں کے ساتھ جنگ کرو کیونکہ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ بیشک اُن کی قسموں اور عہد و پیمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بڑے غلط قسم کے لوگ ہیں، ان کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ورنہ یہ اپنی قبیح حرکات سے باز نہیں آئیں گے، تو فرمایا ان ناقضین عہد اور دین میں طعنہ ساز لوگوں کے بڑے بڑے چودھریوں کے ساتھ جنگ کرو لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ تاکہ یہ باز آجائیں ان کے خلاف کاروائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ مکمل طور پر ختم کیا جاسکے۔

اسلام کیخلاف محاذ آرائی

مشرکین مکہ کی اسلام کے خلاف فتنہ پردازی شروع سے لے کر آج تک جاری ہے۔ عیسائی، یہودی اور ہندو دین اسلام پر نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ خاص طور پر یہودیوں کی سازشوں کے متعلق تو تاریخ بھری پڑی ہے۔ عیسائیوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پاک کے خلاف بیشمار لٹریچر شائع کیا ہے۔ دین پر طعن کرنے کے لیے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں اور رسالے طبع کیے ہیں۔ ہنود کا حال بھی یہی ہے۔ پشاور کے لیکھ رام نے پیغمبر اور قرآن پر اعتراضات میں کئی کتابیں لکھیں، دیانند سرسوتی نہایت متعصب ہندو تھا اس نے اپنی کتاب کے چودھویں باب میں قرآن پاک پر اعتراضات کیے تھے۔ مختلف سورتوں کی مختلف آیات پر ایسے

بیہودہ اعتراضات کیے تھے جن سے معترض کی خباثت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے پادریوں نے بھی دین اسلام کے خلاف کافی زہر افشانی کی ہے جن کی حیثیت محض اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ کچھ نہیں۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کو بہت سی رعایات دی تھیں مگر ان لوگوں نے اُن احسانات کی کوئی قدر نہ کی بلکہ ہمیشہ تعصب کا ثبوت دیا۔ جب بھی موقع ملا انہوں نے اسلام کے خلاف زہر ہی اُگلا۔ کبھی وحی الٰہی پر اعتراض کرتے، کبھی جہاد کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور کبھی پیغمبر اسلام کی تعدد ازواج کو تختۂ مشق بناتے حالانکہ دین میں طعن کرنا بہت بری بات ہے۔ اگر کسی بات کی سمجھ نہیں آئی تو اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسلام کے تمام اصول فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو اہلِ ایمان سے وضاحت طلب کرو، اِن کی عقلوں میں خرابی تو ہو سکتی ہے مگر اللہ کے نازل کردہ احکام غلط نہیں ہو سکتے۔ فرمایا یہ لوگ جان بوجھ کر دین کو مطعون کرتے ہیں لہٰذا جب تک اِن کے بڑے بڑے پیشواؤں کے خلاف جہاد نہیں ہو گا، یہ لوگ بُری حرکات سے باز نہیں آئیں گے۔

امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب تک اسلام دشمن طاقتوں کی کمان کے ساتھ کمان، رائفل کے ساتھ رائفل اور بم کے ساتھ بم نہیں ٹکرائے گا، یہ لوگ باز نہیں آئیں گے ؎

اقتنع کل بذ یارہ   وامتنع جارعن ھضم جارہ

اگر اِن لوگوں کے خلاف مناسب کارروائی ہو گئی تو یہ اپنی سرحد پر ہی رک جائیں گے پھر کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ سورۂ آلِ عمران میں بھی گزر چکا ہے "وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مِنَ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا" اے ایمان والو! تمہیں اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف سے بڑی تکلیف دہ باتیں سُننا پڑیں گی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ سے کام لینا اور اِن جیسی باتیں زبان سے نہ نکالنا۔ البتہ ایسے ظالموں کے خلاف جہاد کرنا لازمی ہے، اس کے بغیر یہ اپنی غلط حرکات سے باز نہیں آئیں گے۔

جہاد کی وجوہات

اگلی آیت میں اللہ نے جہاد کی وجوہات بیان فرمائی ہیں کہ جہاد کیوں نہ کیا جائے۔ چنانچہ اہل ایمان کو خطاب ہے اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ تم ان لوگوں کے خلاف کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں یعنی عہد و پیمان کو توڑا ہے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا لڑائی کا مستقل سبب ہے۔ تو مشرکین کے ساتھ جہاد کی پہلی وجہ بدعہدی بیان فرمائی۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کی وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ انہوں نے نبی کو اس کے وطن سے نکالنے کا قصد کیا۔ اور یہی چیز حضور علیہ السلام کے ہجرت مدینہ کا سبب بنی، کفار نے منصوبہ بنایا کہ حضور علیہ السلام کو قید کر دیا جائے یا ملک بدر کر دیا جائے یا پھر قتل کر دیا جائے۔ اور بالآخر ارادہ قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کو مکے سے نکالنے کا ارادہ کیا، حالانکہ آپ مکہ چھوڑنے پر از خود راضی نہیں تھے بلکہ آپ کو بادلِ نخواستہ بیت اللہ شریف اور مہبط وحیِ الٰہی شہر کو چھوڑنا پڑا۔ یہ وہی مرکزِ ہدایت ہے جس کے متعلق سورۃ آل عمران میں موجود ہے "مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ" یہ بابرکت شہر بھی ہے اور دنیا بھر کے لیے منبعِ رشد و ہدایت بھی۔ بہر حال فرمایا کہ انہوں نے نبی کی خواہش کے خلاف اُسے مکہ مکرمہ سے نکالا۔ اور تیسری وجہ یہ تھی وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ

اَوَّلَ مَرَّةٍ اور جنگ کی ابتدا بھی انہوں نے کی ہے۔ مسلمان تو لڑائی کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ خود کفار اسلحہ سے لیس لشکر لے کر میدان بدر میں پہنچے اور پھر مسلمانوں کو بھی چاروناچار اُن کا مقابلہ کرنا پڑا، وگرنہ مسلمانوں کے پاس نہ سامان جنگ تھا اور نہ ہی وافر افرادی قوت۔ تو گویا جنگ میں پہل کفار کی طرف سے ہوئی۔

یہاں پر جنگ کی تین وجوہات عہد شکنی، اخراج رسول اور جنگ میں پہل بیان کی گئی ہیں اور لڑائی لڑنے کے لیے تو ان میں سے کوئی ایک وجہ بھی کافی تھی، یہاں تینوں جمع ہوگئیں، تو فرمایا ان کے خلاف کیوں نہ فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ اے اہل ایمان! تم ان کی سرکوبی کے لیے کیوں آگے نہیں بڑھتے؟ فرمایا اَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم اُن کافروں سے خوف کھاتے ہو؟ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا زیادہ حق ہے کہ اُس سے ڈرا جائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان والے ہو۔ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں وہی قادر مطلق ہے، لہٰذا خوف بھی اُسی کا ہونا چاہیئے۔ کفار و مشرکین سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔

مشرکین کی سزا یابی

فرمایا قَاتِلُوْهُمْ لڑو ان سے يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا۔ بدر کے میدان میں کافروں نے ابتداء کی تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ہاتھوں اُن کو شکست فاش دی۔ اُن کے ستر سرکردہ کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے۔ سابقہ امتوں میں سزا کے بعض دوسرے طریقے بھی تھے مثلاً طوفان زلزلہ، تیز آندھی، چیخ وغیرہ مگر اس آخری امت میں اللہ نے ایمان والوں کے ہاتھوں مکذبین کو سزا دی۔ فرمایا ایک تو انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا ملے گی اور دوسرا یہ کہ وَيُخْزِهِمْ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اُن کے خلاف

تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ میدانِ بدر میں اللہ نے واضح طور پر مسلمانوں کی مدد فرمائی ہے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے "وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ" اگر تم پکے سچے مومن ہو تو کفار پر تم ہی غالب آؤ گے۔ اللہ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہو گی۔

قادسیہ کی جنگ کے دوران ایک موقع ایسا آیا جب مسلمانوں میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے اور لشکرِ اسلامی کو شکست کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ سپہ سالار حضرت سعدؓ نے مجاہدین کو جمع کر کے تاریخی خطاب کیا جو تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہے۔ آپ نے فرمایا، اے اہلِ ایمان! ہمیں فلاں مورچے پر شکست کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً تم میں کوئی خامی پیدا ہو گئی ہے۔ تمہاری نیت میں فرق آ گیا ہے یا کہیں بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ تم میں کہیں خود غرضی آ گئی ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایسی تمام خامیوں کو دور کر کے جذبہ جہاد کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ مجاہدین سنبھل گئے۔ اُن میں نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مسلسل تین دن رات جنگ جاری رہی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فتح عطا کی۔ کفار و مشرکین کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دینے کے کتنے ہی واقعات تاریخ میں بکھرے پڑے ہیں۔

دلوں کی شفا

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے دشمن کو سزا دیگا، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور انہیں رسوا کرے گا۔ فرمایا اللہ کا چوتھا انعام یہ ہو گا وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ اہلِ ایمان کے دلوں کو شفا بخشے گا۔ جن مسلمانوں نے مشرکین کے ہاتھوں زبردست تکالیف برداشت کی ہیں اور اُن کے دِل دکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا، انہیں تمام سابقہ تکالیف بھول جائیں گی وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ اور ان کے دلوں کے غصے کی جلن کو دور فرما دیگا۔ مسلمان

مطمئن ہوجائیں گے۔ اور اُدھر مشرکین اور کفار کے متعلق یہ ہے وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا توبہ قبول کرے گا۔ جس میں صلاحیت اور استعداد ہوگی اُسے اسلام کی آغوش میں دے دیگا۔ چنانچہ بالآخر ابوسفیانؓ اور عکرمہؓ جیسے مخالفین کی توبہ قبول ہوئی۔ عمرو ابن العاصؓ جیسے آدمی جو حضور علیہ السلام کو ختم کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے، خود رحمت کے سایہ میں پہنچ گئے۔ تو فرمایا کہ جس کی چاہا اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمالی وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی نیت، ارادے، عزم، محنت اور کاوش کو جانتا ہے، وہ علیم کل ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اس حکمت تک رسائی حاصل نہ کرسکیں مگر اللہ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ
جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَا
رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ⑯ ع ۲ ۱۰ ۸

ترجمہ :- کیا تم گمان کرتے ہو (اے اہلِ ایمان) کہ تم کو چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں ظاہر کیا اُن لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور جنہوں نے نہیں بنایا اللہ، اس کے رسُول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست ۔ اور اللہ تعالے خبر رکھتا ہے اس چیز کی جو تم کرتے ہو ⑯

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اُن اسباب کا ذکر ہو چکا ہے جن کی وجہ سے کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے ۔ وہاں پر تین اسباب بیان فرمائے ہیں ۔ یعنی اُن کی عہد شکنی اخراجِ رسول اور جنگ میں ابتداء ۔ بعض وجوہات کا ذکر اُس سے پچھلی آیات میں بھی ہو چکا ہے ۔ مثلاً یہ کہ اگر وہ اہلِ ایمان پر غالب آجائیں تو پھر نہ قرابتداری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کی پاسداری ، بلکہ وہ ایمان والوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اللہ نے اُن کی ایک خصلت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ دین پر نکتہ چینی کرتے ہیں ۔ دین کے اصولوں پر فضول اعتراضات کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی ذات ، اُس کے رسُول اور دین کی باتوں پر طعن اور عیب جوئی کرتے ہیں تاکہ لوگ دینِ اسلام سے متنفر ہو جائیں ۔ اللہ نے فرمایا کہ اِن پیشوایانِ کفر کے خلاف جنگ لڑو ۔ ورنہ یہ اپنی قبیح حرکات سے باز نہیں آئیں گے ، پھر فرمایا اے ایمان والو تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جو عہد و پیمان کو توڑتے ہیں ۔ جنہوں نے اللہ

کے رسُول کو اس کے وطن سے نکالا اور جنہوں نے جنگ میں پہل کی اور شرک کو پھیلانے کی کوشش کی۔

آزمائش بذریعہ جہاد

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ایک اور سبب بیان فرمایا ہے۔ یہ ایمان والوں سے خطاب ہے اور اس میں اُن کی آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا کیا تم گمان کرتے ہو کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، نہیں بلکہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہوگی۔ سورۃ العنکبوت میں اس موضوع کو یوں بیان کیا گیا "اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ" کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ محض اس لیے چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ فرمایا یہ اُن کا باطل گمان ہے۔ ہم نے پہلے بھی اُن کی آزمائش کی ہے اور اب بھی کریں گے۔ آزمائش کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے ایک طریقہ جنگ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو کفار و مشرکین کے مقابلے کیلئے میدانِ جہاد میں بھی لا کھڑا کرتا ہے تاکہ اُن کے ایمان کی پختگی کی آزمائش کر سکے جس کے نتیجے میں مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو جائے اور ایمان والے مخلص لوگ نکھر کر سامنے آجائیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے[1] يُبۡتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدۡرِ دِيۡنِهٖ جس قدر کسی شخص کا دین ہوتا ہے، اُسی کے مطابق اُس کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ اس آزمائش کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں بیان فرمائی ہے۔ "وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ"..... الآیۃ ہم تمہیں خوف، بھوک، مال و جان کی کمی اور پھلوں کی قلت کے سبب آزمائیں گے مگر خوشخبری ہے اُن لوگوں کے لیے جو ہر مصیبت میں صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔ اس وقت ہر صاحبِ مال کی آزمائش ہو رہی ہے

[1] ابن کثیر صفحہ ۲۴۰ ج ۳ و قرطبی صفحہ ۳۲۵ ج ۱۳ (فیاض)

کہ وہ جہاد اور دوسرے امورِ خیر میں کس قدر مال صرف کرتا ہے۔ وہ عیاشی، فحاشی اور رسم و رواج پر خرچ کرتا ہے یا دین کی تبلیغ و اشاعت پر۔ اگر آپ آج کی دنیا میں مال کے اخراجات پر تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ خود اہلِ ایمان نیکی کے کاموں پر ایک قلیل مقدار خرچ کر رہے ہیں جب کہ کھیل تماشے، فحاشی، بلڈنگ بازی اور فضول رسم و رواج پر کثیر مقدار خرچ کی جا رہی ہے۔

جہاد کی مختلف صورتیں

آگے آرہا ہے "وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ گویا جہاد میں جان اور مال دونوں چیزیں کھپانا پڑتی ہیں۔ اس معاملے میں معذور لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی شخص جسمانی طور پر جہاد بالسیف میں شامل نہیں ہوتا اور وہ صاحبِ مال ہے تو مالی جہاد کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ مال بھی خرچ کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس کے لیے جہاد باللسان کا حکم ہے کہ وہ اپنی زبان سے نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں کلمہ خیر ہی کہ دیں، دین کے حق میں خیر خواہی کی بات کریں تاکہ اہلِ ایمان کے حوصلے بلند ہوں۔ اس کے برخلاف اگر دین کے خلاف پراپیگنڈا کرنے لگیں تو جرم کے مرتکب ہونگے۔

عام طور پر جہاد بالسیف دو اقسام سے خالی نہیں ہوتا ہے یعنی یا تو دشمن سے بچاؤ کے لیے دفاعی DEFENSIVE جہاد ہوتا ہے یا دشمن پر آگے بڑھ کر وار کیا جاتا ہے جسے اقدامی جہاد کہا جاتا ہے۔ سرسید نے یہاں پر غلطی کھائی ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی مدافعت میں تو لڑائی کر سکتے ہیں مگر انہیں اقدامی جہاد کرنے کی اجازت نہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جارحانہ اور مدافعانہ دونوں قسم کے جہاد فرض ہیں۔ اگر کفار اہلِ ایمان پر حملہ آور ہوں تو اپنا بچاؤ کرنے کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں تو کوئی شک

نہیں۔ اور اگر ظلم کی بیخ کنی کے لیے جارحانہ جہاد بھی کرنا پڑے، ظالم کے ظلم کو رفع کرنے اور مظلوم کی امداد کے لیے آگے بڑھ کر بھی حملہ کرنا پڑے تو یہ بالکل جائز ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلافت کا بار اٹھایا تو آپ نے اپنے پہلے تاریخی خطبہ میں فرمایا تھا مَا ترکَ قَومٌ جِہَادًا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اِلَّا ذَلّٗ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اب مسلمان صدیوں سے ذلت کا شکار ہیں۔ اہل ایمان اپنے مشن کو بھول چکے ہیں، نئی پود کی تربیت گاہوں سکولوں اور کالجوں میں شیطان کا عمل دخل ہے جس نے لوگوں کو عیاش اور آرام طلب بنا دیا ہے جس کی وجہ وہ جہاد جیسے فریضہ سے غافل ہو چکے ہیں۔ لہذا ذلت کا شکار ہیں عزت تو قرآنی پروگرام پر عملدرآمد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، عیش و عشرت اور آرام طلبی کے ذریعے ذلت کو دور نہیں کیا جا سکتا مسلمان صدیوں تک عزت و وقار کے ساتھ دنیا میں قائم رہے۔ پھر انگریز نے ایسی ایسی تدابیر اختیار کیں جن کے ذریعے مسلمانوں سے جذبہ جہاد کو ختم کیا گیا، نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں سے جہاد کے خلاف فتوے دلائے گئے۔ جہاد کے خلاف پراپیگنڈا کے لیے جھوٹے لوگوں کو کھڑا کیا گیا تاکہ لوگ اپنے مشن کو بالکل فراموش کر دیں۔ بہرحال جہاد کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لینے کا پابند ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو عنداللہ ماخوذ ہو گا۔

جہاد بطور عبادت

اللہ نے فرمایا کہ اے اہل ایمان! جہاد کے ذریعے تمہاری آزمائش ہو گی۔ جہاد ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں میں تمیز پیدا کرے گا آگے اسی سورۃ میں منافقین کا حال بڑی تفصیل کے ساتھ آرہا ہے یہ لوگ ہمیشہ جہاد سے گریز کرتے تھے اور جھوٹے حیلے بہانوں سے جنگ میں شامل نہیں ہوتے تھے، حالانکہ نماز اور روزہ کی طرح جہاد بھی ایک عبادت

لہ جمع الوسائل شرح الشمائل صہ ۲۲۲ ج ۲ (فیاض)

ہے۔ اب ہمارا ماحول ہی بدل چکا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دین صرف نماز روزے تک ہی محدود ہے حالانکہ جہاد پانچویں عبادت ہے، اور اس کا درجہ بہت بلند ہے ذُرْوَۃُ الْاِسْلَامِ اَلْجِہَادُ اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد میں ہے یعنی عزت جہاد کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جہاد کے ذریعے ہی اسلامی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں[1] کہ بعثت انبیاء کے مقاصد میں یہ داخل ہے رَفْعُ التَّظَالُمِ مِنْ بَیْنِ النَّاسِ یعنی ظلم کو مٹانا انبیاء کے مشن میں داخل ہے جس کے لیے جہاد ناگزیر ہے۔ جب تک لیڈرانِ کفر کی سرکوبی نہیں کی جائیگی وہ ظلم سے باز نہیں آئیں گے۔

فرمایا اے ایمان والو! کیا تم گمان کرتے ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ابھی تک نہیں جانا اُن لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔ تفسیر جلالین والے فرماتے ہیں کہ یہاں پر علم کے معنی علم ظہور ہے۔ کیونکہ محض علم تو اللہ تعالیٰ کو ازل سے ابد تک ہے۔ وہ علیم کل ہے اور ذرے ذرے کو جانتا ہے لہذا یہاں لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جہاد میں حصہ لینے والے کون لوگ ہیں اور اس سے پیچھے رہ جانے والے کون ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جہاد سے مراد اس کے سارے شعبے ہیں یعنی جہاد بالسیف، جہاد بالمال اور جہاد باللسان ہے اسی طرح تبلیغ دین بھی جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ دین کی سربلندی اور لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے تصنیف و تالیف بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا یہ حکم ہے "قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِادْفَعُوْا" (آل عمران) کہ اللہ کے راستے میں اقدامی جہاد کرو یا دفاعی جہاد، دونوں فرض ہیں اور موقع کی مناسبت

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۳۷ (ضیاء)

سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

مسلمانوں میں امداد باہمی

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو جہاد کا بار بار حکم دیا ہے مگر آج کی دنیا میں مسلمان اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے اسلامی ریاستوں کو اپنی سیاست کے جال میں اس قدر جکڑ رکھا ہے کہ مسلمان بے بس ہو چکے ہیں۔ افغانستان میں تباہی آئی، ایریا میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا مگر کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مشرق میں ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی تو مغرب والے تڑپ اٹھتے، مگر اب یہ جذبہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم تک مسلمانوں میں امداد باہمی کا احساس موجود تھا۔ چنانچہ شکیب ارسلان اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۱ء میں جب طرابلس میں مسلمان اٹلی والوں کے ساتھ برسر پیکار تھے تو میں نے اپنے مورچے کے قریب عجیب غریب شکل و صورت کے کچھ نوجوان دیکھے جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی۔ میں نے پوچھا، تم کون لوگ ہو اور یہاں کیسے آئے ہو تو کہنے لگے ہم افغانستان کے باشندے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں مگر اب اسی صدی کے آخری حصے میں یہ جذبہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور روس نے ایسا جال پھیلا رکھا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد نہیں کر سکتا۔ برما میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے قبرص میں چالیس ہزار ترک مسلمان مارے گئے، اس وقت لبنان کے واقعات ہمارے سامنے ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں پر آئے دن مظالم توڑے جاتے ہیں مگر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ زبانی کلامی سب کچھ ہوتا ہے، اجلاس ہوتے ہیں، تجویزیں پیش ہوتی ہیں مگر اصلیت اپنی جگہ قائم ہے جس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ مسلمان جہاں بھی مغلوب ہیں ظلم کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں۔

دوستی اور رازداری

فرمایا اللہ نے ابھی تک اُن لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور دوسری بات یہ کہ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً اور نہیں بنایا جنہوں نے اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ دلی دوست، ولیجہ کا معنیٰ دوست اور رازدان ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سچا پکا مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا دلی دوست نہیں بنا سکتا کیونکہ دوستی کے ذریعے راز کے افشا کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو قومی لحاظ سے نہایت خطرناک ہو سکتا ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔ اے ایمان والو لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ۔ دوسری جگہ بِطَانَةً کا لفظ بھی آتا ہے، اس کا معنیٰ بھی دوست اور رازدان ہوتا ہے۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک کے راز امریکہ اور فرانس کے یہود و نصاریٰ کو معلوم ہوتے ہیں۔ ایک صحابی نے غلطی کی تھی۔ جب مسلمان مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے تو اس نے کفار کو ایک خط لکھ کر یہ راز افشا کرنے کی کوشش کی۔ خط پکڑا گیا اور اس ضمن میں سورۃ ممتحنہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی گئی کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، ورنہ سارے معاملات خراب ہو جائیں گے۔ آپ دیکھ لیں سعودی عرب کے سارے راز امریکہ کو معلوم ہیں۔ دولت ہے، اسلحہ ہے مگر دین کے اصولوں پر عمل نہیں۔ اگر اللہ کے احکام پر عمل ہوتا تو آج دنیا میں مسلمان ذلیل و خوار نہ ہوتے۔

فرمایا، جنہوں نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔ اللہ نے ان کو بھی ابھی ظاہر نہیں کیا۔ ان کا معاملہ بھی

واضح ہوگا کہ ان کی دوستی مومنوں کے ساتھ ہے یا یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ ہے حالانکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا لہٰذا مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ اُن کو نہ اپنا دلی دوست بنائیں اور نہ اُن پر اپنے راز ظاہر کریں۔ اُن کے ساتھ اخلاق کا مظاہرہ تو کیا جاسکتا ہے مگر رازدان دوست نہیں بنایا جاسکتا۔ تو فرمایا ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ظاہر نہیں کیا۔ تو جہاد کی مشروعیت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کریگا اور پھر ظاہر کرے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق، کون آگے بڑھتا ہے اور کون پیچھے ہٹتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ ولیجہ کا معنی بھیدی یعنی رازدان کرتے ہیں۔ جو کسی کے اندرونی رازوں کو جانتا ہو۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ضرور آزمائیگا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ تمہارا اخلاص یا نفاق، اچھائی یا برائی، جہاد کا شوق یا خوف سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ تمہارے اعمال اُس کی نگاہ میں ہیں، وہ تمہیں آزمائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ
وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى
الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ
يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ
وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ
وقف لازم عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ
مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

ترجمہ ۔ نہیں ہے لائق شرک کرنے والوں کے کہ وہ

آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اس حال میں کہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دینے والے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں اور وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ⑰ بیشک آباد کرتا ہے اللہ کی مسجدوں کو وہ آدمی جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پہ اور جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور نہیں ڈرا وہ سوائے اللہ کے کسی سے۔ پس اُمید ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والے ⑱ کیا ٹھہرایا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس شخص کی طرح جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پہ اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں نہیں برابر یہ اللہ کے نزدیک اور اللہ نہیں راہنمائی کرتا اُن لوگوں کی جو ظلم کرنے والے ہیں ⑲ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہ لوگ بڑے ہیں درجے میں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ ہیں فائز المرام ہونے والے ⑳ بشارت دیتا ہے اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت سے اور خوشنودی سے اور ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے اندر دائمی نعمتیں ہوں گی ㉑ یہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے ㉒

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے مشروع ہونے کی وجوہات بیان فرمائی تھیں۔ اِن میں سے بعض وجوہات وہ تھیں جو مشرکین کی طرف سے پیدا ہوئیں مثلاً دین میں طعن کرنا اور اسے مٹانے کی کوشش کرنا، عہد و پیمان کو توڑنا، نبی کو اس کے گھر سے نکالنا اور جنگ میں پہل کرنا وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہے اور وہ اس بات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو جہاد میں بخوشی حصہ لیتا ہے اور کون ہے جو پیچھے رہتا ہے۔

مشرکین اور مساجد

سورۃ ہٰذا کی ابتداء میں مشرکین کے ساتھ بیزاری اور جنگ کا اعلان کیا گیا تھا۔ "بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ ..... الخ" جب یہ اعلان ہوا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ہمارے خلاف بلا وجہ اعلانِ جنگ کیا گیا ہے حالانکہ ہم بھی تو نیک کام کرتے ہیں، ہم بیت اللہ شریف کے متولی ہیں، اس کی تعمیر اور ظاہری آبادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر موسمِ حج میں حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، خاص طور پر جزیرہ عرب کی سخت گرم آب و ہوا میں اُن کے لیے پانی کا انتظام کرتے ہیں، لہٰذا ہمارے خلاف اعلانِ بیزاری درست نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ اِن مشرکوں کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" بیشک مشرک لوگ نجس ہیں ظاہر ہے کہ جو خود شرک کی وجہ سے نجس ہوگا وہ اللہ کی مسجدوں کو کیا آباد کرے گا، لہٰذا اللہ نے مشرکین کی طرف سے مساجد کی آبادی کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ وہ خود اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دینے والے ہیں۔ یعنی جب وہ خود علانیہ طور پر کفر اور شرک کی باتیں کرتے ہیں، اور شرک نجاست ہے تو پھر اُن کی طرف سے اللہ کے پاک گھروں کی خدمت کا کوئی دعویٰ قابلِ قبول نہیں رہتا۔ فرمایا ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ کفر اور شرک کے ارتکاب کی وجہ سے اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اُن کے تمام اعمال ضائع ہو چکے ہیں، اُن کی کسی نیکی کا کچھ فائدہ نہیں۔ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ

جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مساجد کی حقیقی آبادی

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ حقیقت میں مسجدوں کا آباد کرنے والا وہ شخص ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں یعنی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اور نماز ادا کرتا ہے وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ اور اللہ کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ دراصل مسجدوں کی آبادی اس کی تعمیر اور زیب و زینت ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مساجد کی حقیقی آبادی ان میں اللہ کی عبادت کرنے سے ہوتی ہے، قرآن پاک کی درس تدریس اور اللہ کے ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی کہ لوگ مسجدوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت کریں گے۔ فرمایا لَتُزَخْرِفُنَّ کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰی جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے عبادت خانوں کی ظاہری آرائش کرتے تھے، اسی طرح تم بھی کرو گے، مگر وہ ہدایت سے خالی ہوں گی، یعنی جس مقصد (اللہ کی عبادت اور ذکر) کے لیے بنائی گئی ہیں، اس مقصد سے خالی ہوں گی۔

ایک شخص نے نادانی کی وجہ سے مسجد کے صحن میں پیشاب کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے قریب بلا کر بات سمجھائی کہ دیکھو بھائی! مساجد اس لیے نہیں تعمیر کی جاتیں کہ ان میں گندگی پھیلائی جائے بلکہ اللہ کے گھروں کا مقصد نماز کی ادائیگی اور ذکر الٰہی ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے فرمایا ہے "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ" اللہ تعالیٰ نے اپنے گھروں کو بلند رکھنے اور ان میں اس کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت

ل ابوداؤد ... (فیاض)

میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ مسجدوں کو پاک صاف رکھا جائے غرضیکہ مساجد کی حقیقی آبادی تلاوت قرآن، اللہ کے ذکر، نماز کی ادائیگی اور ان میں درس و تدریس وغیرہ سے ہوتی ہے مگر مشرک لوگ ان چیزوں سے محروم ہیں۔ مشرکوں کا حال تو یہ تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے ارد گرد بت رکھے ہوئے تھے، بت تو سراسر نجاست ہیں۔ بھلا ان کو رکھنے والے مساجد کو کیا آباد کریں گے؟ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساجد کو آباد کرنا مشرکوں کے لائق نہیں بلکہ ان کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے، جو نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ امید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت پانے والے ہوں گے۔

مساجد کی تولیت

گزشتہ سورۃ میں مساجد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ کافر اور مشرک کسی مسجد کے متولی نہیں ہو سکتے اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی خانہ کعبہ کے متولی تو پرہیز گار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ تقویٰ کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور معاصی سے بچ جائے۔ جو ان جرائم کا مرتکب ہو، وہ مسجد حرام کا متولی کیسے ہو سکتا ہے؟ جہاں بھی مسجد کے متولی بے دین لوگ ہوں گے وہاں فتنہ و فساد ہی ہوتا رہے گا۔ متولی خود بے نماز ہوتے ہیں۔ محض دھڑے بندی میں آکر مسجد تو بنا دیتے ہیں اور خود متولی بھی بن جاتے ہیں مگر ایسی مسجدیں حقیقی آبادی سے بے بہرہ ہوتی ہیں۔ مسجد کا متولی وہ شخص ہونا چاہیئے۔ جو متقی ہو، ایماندار، عبادت گزار اور نمازی ہو۔ جو مال کی طہارت اور پاکیزگی کا قائل ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ شرک اور کفر کرنے والوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کو آباد کریں، وہ تو ان کی بربادی کا سامان ہی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن مساجد میں اللہ کی وحدانیت کی بجائے

شرک کی تبلیغ ہو، اور سنت کی بجائے بدعات کو رواج دیا جائے۔ وہ مسجدیں کیسے آباد ہوں گی؟

نیکی ایمان پر موقوف ہے

غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ نے مشرکوں کی طرف سے حصہ لیا تھا آپ جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینے پہنچے تو حضرت علیؓ نے انہیں ملامت کی کہ آپ نے بھی مشرکوں کا ساتھ دیا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہم سے پہلے ایمان لائے اور پہلے ہجرت کی مگر ہم بھی تو نیکی کے کام کرتے تھے۔ ہم حاجیوں کی خدمت کیا کرتے تھے اُن کو پانی پلاتے تھے، خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتے تھے، اس میں حاجیوں کی ضروریات کا سامان کرتے تھے، روشنی کا انتظام کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کا غلاف مہیا کرتے تھے، مسجد حرام کی صفائی کا بندوبست کرتے تھے، لہٰذا ہم بھی نیکی میں پیچھے نہیں رہتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانا، وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور مسجد حرام کی ظاہری دیکھ بھال کو اُس شخص کی طرح كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور جس نے جہاد کیا اللہ کے راستے میں۔ فرمایا ایک قدیم الایمان شخص ایک شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو ابھی محض مسجد حرام کی ظاہری ٹیپ ٹاپ تک محدود ہے فرمایا لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ یہ دونوں شخص اللہ کے ہاں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ ہے جس نے ایمان قبول نہیں کیا۔ اس کی کوئی نیکی بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ اگر ایمان ہے تو نیک کام بھی مفید ہو گا مگر ہجرت اور جہاد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور وہ عبادت گزار بھی ہے، تو اس

کے حق میں گواہی دو کہ یہ ایماندار آدمی ہے۔ اس کے برخلاف کفر اور شرک کرنے والوں کے متعلق فرمایا حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ "ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ کیونکہ نیکی کی بنیاد ایمان پر ہے۔ اگر ایمان ہی نہیں ہے تو کوئی نیک عمل مفید نہیں ہوگا۔ سورۃ نساء میں موجود ہے" وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ "مرد و زن میں سے نیکی کا جو بھی کام کرے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ نیکی کے لیے ایمان شرط ہے، ورنہ خالی خولی مساجد کی خدمت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص محض مسجد کی عمارت کھڑی کر دیتا ہے اور اس کے اصلی مقصد کو پورا نہیں کرتا تو وہ قابل تحسین نہیں ہے جب تک قرآن کے پروگرام پر عمل نہ ہو، مساجد میں درس و تدریس کا کام نہ ہو۔ اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر نہ ہو، اس وقت تک مسجد کا ڈھانچہ کسی کام نہیں آئے گا۔ تو فرمایا کیا تم نے ٹھہرایا ہے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس شخص کی طرح جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ظالم قوم کی راہنمائی نہیں کرتا۔ کفر اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور ان کے مرتکب لوگ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔

اجر عظیم کے مستحقین

آگے اللہ نے مساجد کو حقیقی معنوں میں آباد کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے کہ نیکی کا مدار ایمان پر ہے، عقیدے کی اصلاح کی فکر کو پاک کیا، وَهَاجَرُوْا اور جن لوگوں نے ہجرت کی، گھر بار، مکان، زمین اور کاروبار کو خیر باد کہا۔ نیز اللہ کے دین کی خاطر وَجٰهَدُوْا فِيْ

سَبِیۡلِ اللّٰہِ اللہ کے راستے میں جہاد کیا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ
اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے۔ فرمایا ایسے لوگ اَعۡظَمُ دَرَجَةً
عِنۡدَ اللّٰہِ اللہ کے ہاں بڑے بڑے درجے والے ہیں۔ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ یہی لوگ فائز المرام ہیں یعنی وہ اپنی
مراد تک پہنچنے والے ہیں۔ ان کو انتہائی بلندی نصیب ہوگی۔ قرآنی
پروگرام میں یہی اسباب اولیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی باتیں
ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

فرمایا یُبَشِّرُهُمۡ رَبُّهُمۡ بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَرِضۡوَانٍ
فائز المرام لوگوں کو ان کا رب اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا
ہے۔ وَجَنّٰتٍ لَّهُمۡ فِيۡهَا نَعِيۡمٌ مُّقِيۡمٌ ایسے لوگوں
کے لیے باغات کی بشارت بھی ہے جن میں دائمی نعمتیں میسر ہوں گی۔
گویا یہاں پر اللہ تعالیٰ نے تین اعمال کے نتیجہ میں تین انعامات کا
ذکر فرمایا ہے۔ ایمان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوگی
جہاد کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی اور ہجرت
کے عوض میں بہشت میں مقام نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بشارت
سنائی ہے۔ فرمایا یہ خوش قسمت لوگ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ان بہشتوں
میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں
ہوگا اور نہ ہی عطا کی گئی کوئی نعمت چھینی جائے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ
اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ بیشک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے جو وہ اہل
ایمان اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو عطا کریگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ
اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ
تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
ع ۳ ۸ ۹ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

ترجمہ :- اے ایمان والو ! نہ بناؤ اپنے باپوں اور
بھائیوں کو اپنا رفیق اگر وہ پسند کرتے ہیں کفر کو ایمان کے مقابلے
میں ۔ اور جو اُن سے دوستی کریگا ۔ پس یہی لوگ ہیں ظلم کرنیوالے ﴿۲۳﴾
(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے
اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور مال جو تم
نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم
ڈرتے ہو ، اور تمہارے پسندیدہ مکانات ، زیادہ پسندیدہ ہیں تمہارے
نزدیک اللہ سے ، اس کے رسُول سے اور اس کے راستے میں

جہاد کرنے سے ، تو پھر انتظار کرو تم یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اس قوم کی جو نافرمانی کرنے والی ہے ﴿۲۴﴾

ربط آیات

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو افضل الاعمال سے تعبیر کیا ، ایمان لانا ، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا کارنامہ ہے ، اللہ تعالیٰ نے مومنین ، مہاجرین اور مجاہدین کے لیے اپنی رحمت ، خوشنودی اور جنت کی بشارت سنائی اور فرمایا کہ اللہ کے ہاں ان لوگوں کے لیے اجر عظیم ہے ۔ چونکہ یہ جہاد کا موضوع چل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے بلند مرتبت ہونے کا ذکر کیا ہے ۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے اکثر اعزہ واقارب کفر کی حالت پر تھے ۔ جب جہاد کا حکم ہوا تو باپ بیٹا ، بھائی بھائی ، چچا بھتیجا وغیرہ کے آمنے سامنے آنے کا احتمال پیدا ہو گیا ۔ قرابت داری ایک ایسی چیز ہے جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی تھی ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آج کے درس میں قرابتداری کے مقابلہ میں ایمان کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے کہ یہ رشتہ داری مانع جہاد نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ تعلقات اسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں جب کہ دونوں طرف ایمان موجود ہو ۔ لہٰذا ایک مومن رشتہ داری کے مقابلے میں ایمان کو مقدم رکھے گا اور ضرورت پڑنے پر عزیز ترین قرابتدار کے ساتھ ٹکرا جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا ۔

کفر بمقابلہ ایمان

ارشاد ہوتا ہے یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو ! اپنے باپوں اور بھائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ط اگر وہ کفر کو پسند کرتے ہیں ایمان کے مقابلہ میں ۔ مطلب یہ کہ کافر باپ اور کافر بھائی کے ساتھ تمہاری دلی دوستی اور ہمدردی نہیں ہو سکتی کیونکہ تمہارے ادیان مختلف ہیں ، تم اللہ کے دین کی بلندی چاہتے ہو اور وہ کفر کے پروگرام کو غالب بنانا چاہتے ہیں اور یہ ایسا بنیادی اختلاف ہے جس پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا ۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امت محمدیہ

کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں ہے "قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ" ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ کفر اور شرک سے باز نہ آیا۔ "فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ" (التوبہ) جب آپ پر واضح ہو گیا کہ آپ کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اُس سے اعلانِ برأت کر دیا۔ باپ اور بیٹے کا قریب ترین رشتہ ہونے کے باوجود جب ایمان کا رشتہ قائم نہ رہ سکا تو آپ نے قطع تعلق کر لیا۔ سورۃ الزخرف میں یہ بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور پوری قوم سے کہہ دیا "إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ" میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے قطعی بیزار ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی کی دیوار حائل ہے "وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ" (الممتحنہ) جب تک اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ یہ دیوار نہیں ہٹ سکتی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے یہی بات بیان فرمائی کہ ایمان کے مقابلے میں باپ بیٹے جیسا قریب ترین رشتہ بھی کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اگر باپ کفر کے پروگرام کو پسند کرتا ہے تو بیٹا اس کے ساتھ دلی دوستانہ نہیں کر سکتا۔ والدین کی اطاعت کے متعلق سورۃ لقمان میں ہے کہ اگر والدین شرک کی طرف مائل کرنا چاہیں "فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" تو اُن کا کہنا نہ مانو البتہ دنیا میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔

فرمایا "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" تم میں سے جو کوئی اُن کے ساتھ دوستی کرے گا تو یہی

ظالم لوگ ہیں۔ اگر کوئی مومن اپنے کافر بھائی کے ساتھ دوستانہ کرتا ہے تو اللہ کے ہاں ظالم تصور ہو گا۔

موانعات جہاد (۱) قرابت داری

آگے اللہ تعالیٰ نے اُن چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کی محبت کی وجہ سے اکثر لوگ جہاد سے گریز کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز قرابت داری ہے ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور خاندان، یہی وہ قریب ترین رشتہ داریاں ہیں جن کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے لوگ ایمان، جہاد اور ہجرت سے رُک جاتے ہیں فرمایا اگر تم ان عزیز و اقارب کو ایمان پر ترجیح دو گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ کی جانب سے تم پر ذلت مسلط ہو جائیگی۔ انہی کی وجہ سے اکثر لوگ آخرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ برادری اور خاندان کے رسم و رواج پر ضرور عمل کرتے ہیں کیونکہ ایسا نہیں کریں گے تو برادری میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اس لیے برادری کی خاطر کئی قسم کی برائیاں اور بدعات اختیار کرنا پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان قرابت داروں کا نام لے کر فرمایا ہے کہ اگر تمہیں یہ عزیز اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کی طرف سے فیصلے کا انتظار کرو۔

(۲) مال اور تجارت

جہاد سے روکنے والی دوسری چیز کے متعلق فرمایا وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا اور وہ مال جو تم کماتے ہو۔ انسان کا مال بھی اس کے لیے آزمائش کا باعث ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے انسان آخرت اور دین کی باتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مال کی محبت میں انسان حلال و حرام کی تمیز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ مال کے حصول میں جائز و ناجائز کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ ہی خرچ کرنے کے معاملہ میں لہٰذا وہ مال و دولت کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں۔ مال کے علاوہ فرمایا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

اور وہ تجارت بھی تمہارے لیے مانع جہاد ہے جس کے مندے سے تم خوفزدہ رہتے ہو کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے، کاروبار میں گھاٹا نہ پڑ جائے، کاروبار کو برقرار رکھنے کے لیے تم بڑی محنت کرتے ہو۔ لہٰذا یہ بھی تمہیں بڑا عزیز ہے، فرمایا کہیں تجارت بھی تمہیں جہاد، ہجرت اور آخرت سے غافل نہ کر دے۔ اگر تم نے اللہ، اُس کے رسول اور جہاد کی نسبت تجارت کو زیادہ محبوب رکھا تو پھر اللہ کی طرف سے اپنے متعلق کسی فیصلے کا انتظار کرو۔ سورۃ البقرہ میں ہے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ "شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے کہ اگر کاروبار کی طرف توجہ نہ دی تو مارے جاؤ گے، بھوکوں مرو گے، لہٰذا وہ آخرت کے فکر کی بجائے کاروبار کی زیادہ فکر کرتے ہیں اور یہی چیز ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

پسندیدہ مکانات

فرمایا مکانات جہاد میں تیسری چیز وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا وہ مکانات ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ لوگوں کو اپنے مکانات اور کوٹھیوں سے بڑی محبت ہوتی ہے انہیں بڑی محنت سے تعمیر کیا جاتا ہے اور آرام و آسائش کی تمام ضروریات مہیا کی جاتی ہیں۔ عرب لوگ محاورے کے طور پر کہتے ہیں لذۃ الدار دھر "مکان کی ایک دفعہ تعمیر زمانہ بھر لطف اندوزی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر رہائش گاہ اچھی نہ ہو تو طبیعت میں گھٹن رہتی ہے۔ اچھے مکان کو سعادت مندی کی نشانی کہا گیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی شخص کے سعادتمند ہونے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اچھا مکان، اچھی بیوی اور اچھی سواری ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی کم تر ہو تو انسان کی زندگی پرسکون نہیں ہوتی۔ مکانات کی تعمیر و آرائش قدیم زمانے سے محبوب رہی ہے۔ عاد اور ثمود کی قومیں بھی بڑے عالیشان مکان بناتی تھیں اور ان میں نقش و نگار بناتی تھیں تاکہ آرام و سکون کی زندگی

بسر کر سکیں۔ سورۃ شعراء میں ہے "وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ" ان کے مکانات ایسی ایسی کاریگری کے شاہکار ہوتے تھے گویا کہ انہوں نے ہمیشہ ان میں رہنا ہے۔ مگر آج ان مکانات کے کھنڈرات کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے خوبصورت مکان اور کوٹھیاں اور پھر ان کے ساتھ تمہاری محبت جہاد کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ یہ تیسری چیز ہوگئی۔

دنیا بمقابلہ دین

فرمایا اے پیغمبر! آپ ان سے کہ دیں کہ اگر رشتہ داری، مال تجارت اور خوبصورت مکانات اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ تمہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول سے، اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانے اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے کی نسبت دنیا کی چیزیں زیادہ پسند ہیں۔ اور تم ان چیزوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ جہاد کے ذریعے عزت اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ جماعت مضبوط ہوتی ہے، دین کو تقویت ملتی ہے عدل و انصاف قائم ہوتا ہے، ظلم و جور کا قلع قمع ہوتا ہے۔ جہاد کو اسلام کی کوہان کی بلندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو فرمایا کہ اگر دنیا کی یہ چیزیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ پیاری ہیں۔ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ تو پھر انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی حکم لے آئے اور ظاہر ہے کہ اگر دنیا کو دین پر ترجیح دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا حکم ہی آسکتا ہے۔

ترک جہاد کا وبال

ابوداؤد شریف اور مسند احمد کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ اگر تم نے خرید و فروخت کو ہی مقصد حیات بنا لیا اور چوبیس گھنٹے اسی میں منہمک رہے وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ اور کھیتی باڑی کے کام میں ہی مصروف رہے وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ

الْبَقَرِ اور گلے بیل کو پالنے میں لگے رہے۔ اس کی دیکھ بھال اور دودھ پینے میں وقت ضائع کر دیا وَ تَرَكْتُمُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اور اللہ کے راستے میں جہاد کو ترک کر دیا تو یاد رکھو! فَتَرَبَّصُوا اَنْ يُّسَلِّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا پھر اس بات کے منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر ذلّت کو مسلط کر دے۔ اور پھر لَا يَنْزِعُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ اور پھر اسے اٹھائے گا نہیں جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں پلٹ آؤ گے۔ مقصد یہ کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اس پر ذلّت مسلط ہو جاتی ہے اور وہ محکوم ہو جاتی ہے۔ پہلے مسلمان تاتاری کافروں کے محکوم ہوئے اور آج مسلمانوں کی اکثریت انگریزوں کی محکوم ہے۔ یہ قومی سزا ہے۔ جو مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ انہوں نے برادری، مال و دولت اور محلات کو اپنی مقصودِ حیات بنا رکھا ہے۔ نہ ایمان ہے، نہ رسول کی محبت اور نہ جذبہ جہاد۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ غلامی کی ذلّت میں مبتلا ہیں۔ ذلت کئی قسم سے آسکتی ہے مثلاً سلطنت چھن جائے نیکی کی توفیق سلب ہو جائے قوم عیاشی اور فحاشی میں لگ جائے دشمن کا خوف ہر وقت مسلط رہے یا انسان اخلاقی طور پر دیوالیہ بن جائیں، یہ سب ذلّت کی نشانیاں ہیں جو ترکِ جہاد کی وجہ سے آتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر دنیا کو دین پر ترجیح دو گے تو اللہ کی طرف سے سزا کے منتظر رہو جو کہ کسی بھی وقت آسکتی ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ فسق کا معنیٰ اطاعت سے باہر نکل جانا، نافرمانی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی ان کی کرتا ہے جو فسق و فجور سے بچتے ہیں۔ کفر اور شرک کو چھوڑ کر ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ جب تک تڑپ موجود نہ ہو، ہدایت میسّر نہیں آتی۔ اکثر انسان فسق، ظلم

شرک اور کفر میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم رہتے ہیں نہ برائی سے توبہ کرتے ہیں اور نہ اسے ترک کرتے ہیں اور نہ ہی صحیح راستہ معلوم کرنے کی سعی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ کا قانون یہی ہے کہ انہیں حق کی طرف راہنمائی نصیب نہیں ہوتی۔

درس نہم ۹ — آیت ۲۵ تا ۲۷

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ
حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ
عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا
رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ
اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ
وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق اللہ نے مدد کی تمہاری بہت سی جگہوں میں اور (خاص طور پر) حنین کی لڑائی کے دن جب کہ تم کو تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈالا ۔ پس نہ کفایت کی اس کثرت نے تم سے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے ، پھر تم پھرے پشت پھیرتے ہوئے ﴿۲۵﴾ پھر اللہ نے نازل کی اپنی طرف سے تسلی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اُتارا ایسا لشکر جس کو تم نے دیکھا نہیں اور سزا دی اللہ نے کفر کرنے والوں کو ، اور یہی بدلہ ہے کفر کرنے والوں کا ﴿۲۶﴾ پھر اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اس کے بعد جس پر چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

ربط آیات
گذشتہ آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو متنبہ کیا کہ اگر اُن کے عزیز و اقارب ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کرتے ہیں۔ تو انہیں اپنا رفیق اور دوست نہ بناؤ، ایسا کرنے والا ظالم ٹھہرے گا، پھر فرمایا اگر تمہارے آباؤ اجداد، اولاد، بھائی، خاندان، مال اور تجارت اور مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کی طرف سے کسی افتاد کے منتظر رہو۔ اور یہ چیز اُس وقت تک دور نہیں ہو گی جب تک تم دین کی طرف واپس نہیں آجاؤ گے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کثرت اور قلتِ تعداد کے پیشِ نظر فتح و شکست کا ذکر فرمایا ہے جب حضور علیہ السلام نے مشرکین کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ کفار کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے خیالات کی تردید فرمائی ہے اور اہلِ ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنی قوم، خاندان، قبیلے، مال و دولت یا کثرتِ تعداد کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔ اگر وہ مادی اسباب پر توکل کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے، چنانچہ اس سلسلہ میں واقعہ حنین کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

نصرتِ الٰہی
ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سی جگہوں میں۔ بعض مفسرین کرام اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے قریبی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے کم و بیش اسی۸۰ مواقع پر مسلمانوں کی نصرت فرمائی، اور انہیں جہاد میں کامیابی عطا کی۔ اِن میں سب سے مشہور واقعہ غزوہ بدر کا ہے۔ اور اب اِن آیات میں حنین کی لڑائی کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور وَيَوْمَ حُنَيْنٍ حنین کے

دِن والی لڑائی میں حنین ایک وادی کا نام ہے جو مکے سے کچھ میل کے فاصلے پر طائف کی طرف واقع ہے۔ فرمایا اس دِن واقعہ یوں ہوا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جب کہ تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں تعجب میں ڈال دیا فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا مگر تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور کشادہ ہونے کے باوجود تم پر زمین تنگ ہوگئی ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ پھر تم پشت پھیر کر پلٹ گئے۔ کثرت تعداد کے باوجود تمہیں دشمن کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر اللہ نے اپنی خصوصی نصرت فرمائی اور تمہیں دوبارہ غلبہ نصیب ہوا۔

دشمن کا جنگی منصوبہ

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش مغلوب ہوگئے تو قبیلہ ثقیف اور ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کا مشورہ کیا۔ اِن قبائل میں بعض بڑے متعصب لوگ تھے جن میں درید ابن صمہ پیش پیش تھا۔ یہ معمر شخص تھا اور شاعر بھی تھا، جنگی چالوں سے واقف تھا، لہٰذا اُس نے مشورہ دیا کہ عرب کے بعض دوسرے قبائل کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف فوری کارروائی کی جائے ورنہ سارے عرب پر ان کا تسلط قائم ہو جائیگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار کی تعداد میں بہترین لڑاکا لشکر تیار کیا جو جدید ترین اسلحہ سے لیس تھا۔ میدان میں لڑنے والوں کے علاوہ اُن کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنایا۔

مسلمانوں کی تیاری

مکہ فتح کرنے کے بعد حضور علیہ السلام اپنے صحابہؓ کے ہمراہ ابھی وہیں قیام پذیر تھے کہ قبیلہ ثقیف اور ہوازن کی طرف سے جنگی تیاری کی خبر ملی۔ آپ کے ساتھ کامل الایمان دس ہزار کی جماعت تھی جس کا ذکر تورات میں بھی دس ہزار قدسیوں کے نام سے موجود ہے۔ حضور علیہ السلام

نے اس معاملہ میں ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ مدینے سے آنے والے دس ہزار صحابہ کے علاوہ دو ہزار کی تعداد میں مکے والے بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے صفوان بن امیہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، اس سے بھی اسلحہ کی امداد طلب کی۔ پہلے تو اس نے پس و پیش کیا مگر آخر کار مسلمانوں کو اسلحہ مہیا کیا۔ بعد میں اللہ تعالےٰ نے صفوان کو توفیق عطا کی اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ تاہم فقہا اور محدثین اس واقعہ سے یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ بوقت ضرورت مشرکین سے مدد لینا بھی جائز ہے جیسا کہ صفوان سے اسلحہ لیا گیا۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے غزوہ حنین کے لیے بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا۔

معرکہ حنین

حنین کے میدان میں ایک طرف مسلمانوں کے بارہ ہزار مجاہد تھے جب کہ دوسری طرف مشرکین کے چار ہزار سپاہی۔ اپنی کثرت تعداد دیکھ کر بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تعداد کی قلت کے باوجود فتح سے ہمکنار کرتا رہا ہے مگر اب تو ہماری تعداد دشمن سے ویسے ہی تین گنا ہے، لہٰذا ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ فتح و شکست کا دارومدار قلت و کثرت پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے کہ جس کثرت تعداد نے تمہیں تعجب میں ڈالا وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، انہوں نے ڈٹ کے حملہ کیا اور مجاہدین کی کثرت مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی۔ ادھر دشمن نے اپنے بعض تیر انداز تنگ دروں میں بٹھائے ہوئے تھے اور یہ لوگ اسلامی لشکر کی گھات میں تھے۔ چنانچہ جب مجاہدین ایک تنگ پہاڑی درے سے گزر رہے

تھے. تو دشمن کے تیر اندازوں نے اُن پر تیروں کی بارش کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہو گئی اور جس طرف کسی کو موقع ملا بھاگ کھڑا ہُوا۔ پہلے طلقاء علیحدہ ہوئے اور پھر عام مسلمان بھی تتر بتر ہو گئے حتیٰ کہ حضور کے ساتھ تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے۔ بعض روایات کے مطابق صرف نو آدمی حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے جن میں حضرت ابُوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور عباسؓ وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں سو آدمیوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب مسلمان لشکر میں اس قدر انتشار پیدا ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ان کو آواز دو کہ مہاجرین کہاں ہیں، انصار کدھر گئے اور شجر کے نیچے بیعت کرنے والے کدھر گئے۔ یہ آواز سُن کر مسلمانوں کے حواس ٹھکانے آئے اور وہ پھر حضور علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے۔ دوبارہ معرکہ برپا ہُوا، جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

اس غزوہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا جس میں چھ ہزار غلام لونڈیاں، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اونس چاندی تھی۔ حضور علیہ السلام نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں قدرے توقف کیا کہ شاید مشرکین اسلام قبول کر لیں مگر جب اُن کی طرف سے فوری طور پر کوئی پیش کش نہ ہوئی تو آپ علیہ السلام نے یہ سارا مال مجاہدین میں تقسیم فرما دیا حتیٰ کہ غلام اور لونڈیاں بھی تقسیم ہو گئیں۔ اس کے بعد جنگ میں حصہ لینے والے مشرکین نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر اُن کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہُوا، اپنی غلطی کا اعتراف اور اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اب تم اپنا مال واپس لینا چاہتے ہو یا اپنی عورتیں اور بچے۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو مال پر ترجیح دی کہ ہمیں ہمارے عزیز و اقارب واپس کر دیے جائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس جس کے پاس لونڈی غلام پہنچے ہیں وہ خود انہیں آزاد کر دے اور اگر وہ خوشی

ایسا کرنے پہ آمادہ نہیں تو ہمارا اس کے ساتھ وعدہ ہے کہ کسی دوسرے موقع پہ انہیں لونڈی غلام دے دیے جائیں گے۔ بہرحال لونڈیاں اور غلام سارے کے سارے آزاد کر دیے گئے اور مال صحابہ میں تقسیم ہو گیا یہ مال زیادہ تر اُن لوگوں کو دیا گیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے کیونکہ اُن کی تالیفِ قلبی مقصود تھی۔

نزولِ سکینہ

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حنین کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ تمہاری کثرتِ تعداد نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا اور تم پشت پھیر کر بھاگ گئے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے خاص تسکین نازل فرمائی جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں فتح سے ہمکنار کرے گا۔ اور یہ خاص تسلی عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ کے رسول پر بھی نازل ہوئی اور ایمان داروں پہ بھی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ایسا لشکر نازل فرمایا جسے تم نے نہیں دیکھا۔ بدر کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا تھا تاکہ ایمان والوں کے دل کو تسلی ہو یہاں پہ فرمایا کہ ہم نے لشکر کا نزول فرمایا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافروں کو سزا دی، اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے، عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنے اور بہت سا مال بھی دینا پڑا۔ فرمایا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔

فرمایا ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ پھر اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے جس کی چاہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی اور مغلوب ہو گئے۔ ان کی توبہ اللہ نے قبول فرمائی اور اُن میں سے اکثر اسلام لے آئے حنین کی جنگ کے بعد مسلمانوں کی ایسی دھاک بیٹھی کہ پورے عرب میں مسلمانوں

کے سامنے سر اٹھانے والا کوئی باقی نہ رہا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہوا، وگرنہ کثرتِ تعداد کے باوجود مسلمان سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ لہٰذا تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

بارہ ہزار کے لیے خوشخبری

بارہ ہزار کے لشکر کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام نے خاص خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا لَنْ يُّغْلَبَ مِنْ قِلَّةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا یعنی بارہ ہزار افراد کا لشکر قلتِ تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ منظم ہو۔ اگر ایسے لشکر والے ایماندار ہوں گے، اللہ پر بھروسہ رکھیں گے، صحیح اصولوں پر قائم ہوں گے تو کبھی مغلوب نہیں ہوں گے البتہ بزدل، غیر منظم اور غیر متفق لوگوں کی صورت میں ایسا نہیں ہو گا۔ قرونِ اولیٰ کے لوگ قرآنِ حکیم اور حضور علیہ السلام کے بتلائے ہوئے اصولوں پر کاربند تھے مگر حنین میں ذراسی غلطی ہوئی، تنظیم میں فرق آیا تو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ بہرحال جو لوگ بے غرض اور دین کی تڑپ رکھتے ہوں اور ان کی تعداد بارہ ہزار ہو گی وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے حضور علیہ السلام نے یہ خوشخبری بھی سنا دی۔

آج کے درس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کامیابی کا انحصار کثرتِ تعداد پر نہیں ہوتا بلکہ پوری دلجمعی خدا پر یقین اور اپنے مقصد کے ساتھ لگن پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جنگ حنین میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد فرمائی، پھر غلطی کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کی کہ مشرکین کی اکثریت مسلمان ہو گئی، تاہم انہیں شکست کھا کر ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ ان کے بچے اور عورتیں غلام اور لونڈیاں بنے۔ کثیر مقدار میں مال بھی ہاتھ سے گیا، بھیڑ بکریاں، اونٹ، غلہ، چاندی غرضیکہ سارا مال مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر حاصل آیا۔ پھر لونڈی غلاموں کو آزاد بھی کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے

کی مہربانی سے بعد میں انہیں ایمان کی دولت بھی نصیب ہوگئی۔ فرمایا
وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالی بہت زیادہ بخشش کرنے والا
اور مہربان ہے۔ اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! بیشک مشرک ناپاک ہیں ، نہ آئیں قریب مسجد حرام کے اس سال کے بعد ۔ اور اگر تم خوف کھاؤ محتاجی اور فقر کا تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا اپنے فضل سے اگر چاہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۲۸﴾

ربطِ آیات سورۃ کی پہلی آیت میں برأت کا اعلان تھا ، پھر جہاد کا اعلان ہوا ۔ پھر اُن اسباب کا ذکر ہوا جن کی وجہ سے جہاد ترک ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی قباحت اور برائی بھی بیان فرمائی اور اہلِ ایمان کو اُن کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا گیا ۔ اور صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ پھر اللہ نے اہلِ ایمان کو یاد دلایا کہ اُس نے ہمیشہ اپنے مخلص بندوں کی مدد کی ہے ۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمایا ہے اور ساتھ اُس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے ۔

مسجد حرام سے بے دخلی ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا اور اس سے اگلے سال ۹ ھ میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں مدینہ منورہ سے مسلمانوں کا ایک حج وفد حج کے لیے بھیجا ۔

اسی دوران سورۃ توبہ کی آیات متعلقہ برأت نازل ہوئیں تو آپ نے یہ آیات حضرت علیؓ کو دیکر مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ حضرت صدیقؓ کے ساتھ مل کر حج کے موقع پر مشرکین سے بیزاری اور اُن کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں۔ اِن احکامات میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج اور طواف نہیں کر سکیگا۔ اعلان عام کیا گیا لا یحجّنّ بعد العام مشرکون یعنی مشرک لوگ اس سال کے بعد حج کے لیے نہیں آئیں گے ولا یطوفون بالبیت عریان اور بیت اللہ شریف کا ننگا طواف بھی نہیں کریں گے۔

ارشاد ہوتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ بیشک شرک کرنے والے ناپاک ہیں فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اگر یا ۹ھ کے بعد مشرکین کو حرم شریف سے بالکل بے دخل کر دیا گیا۔ چنانچہ اگلے سال جب ۱۰ھ میں حضور علیہ السلام خود حجۃ الوداع کے لیے تشریف لائے تو اس سال کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہیں آیا۔

مشرکین کی نجاست

امام ابوبکر جصاصؒ تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ نجاست دو قسم کی ہوتی ہے۔ اس کی پہلی قسم نجاست عین ہے اور اس میں ظاہری طور پر ناپاک چیزیں شامل ہیں جیسے بول و براز، خنزیر، دم مسفوح وغیرہ۔ اور نجاست کی دوسری قسم حکمی ہے۔ گناہ کو بھی نجاست سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے بتوں کو گندگی کا نام دیا ہے سورۃ حج میں ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" بت پرستی کی نجاست سے بچو۔ تو گویا مشرکوں کی نجاست حکمی یا معنوی نجاست ہے اور اسی نجاست اور گندگی کی وجہ سے انہیں مسجد حرام سے روک دیا گیا۔

بعض لوگ، جن میں ظاہریہ اور امامیہ بھی شامل ہیں، مشرکوں کو اسی طرح جسمانی طور پر ناپاک سمجھتے ہیں جس طرح کوئی بھی گندی چیز گوبر، خون، بول و براز وغیرہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی اسی ظاہری نجاست کی وجہ سے اللہ نے انہیں مسجد حرام سے بے دخل کیا ہے[1] تاہم جمہور فقہاء و محدثین فرماتے ہیں کہ مشرکین کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہے بلکہ ان میں معنوی ناپاکی پائی جاتی ہے اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد طائف کے مشرکین کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کے ٹھہرانے کے لیے مسجد نبوی کے صحن میں خیمے لگوا دیے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، قَوْمٌ اَنْجَاسٌ حضور! یہ تو ناپاک لوگ ہیں اور آپ نے انہیں مسجد میں خیمہ زن کر دیا ہے حالانکہ مساجد کے متعلق حکم یہ ہے کہ اَنْ تُطَیَّبَ وَ تُنَظَّفَ انہیں پاک صاف رکھا جائے۔ مسجدوں میں کسی قسم کی گندگی نہیں ہونی چاہیئے مگر مسجد نبوی میں مشرکین کی نجاست کو داخل کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّمَا اَنْجَاسُهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَیْسَتْ اَنْجَاسُهُمْ عَلٰی اَبْدَانِهِمْ (طحاوی۔ ابوداؤد) یعنی اُن کے جسم ناپاک نہیں ہیں بلکہ اُن کی گندگی ان کے نفسوں میں ہے اور اُن کے عقیدے اور اعمال گندے ہیں۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب ابوسفیان مدینے گئے تو وہ اُس وقت تک مشرک تھے مگر انہیں مسجد نبوی میں داخل ہونے پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی نجاست سے مراد اُن کی ظاہری نجاست نہیں بلکہ معنوی گندگی مراد ہے۔

ظاہری اور باطنی نجاست

جیسا کہ پہلے عرض کیا، ظاہری نجاست کا مطلب گوبر، خون، بول براز ہے جب کہ مشرکین اُن کے دل میں بھرے ہوئے شرک کی وجہ سے نجس ہیں۔ اسی سورۃ میں منافقوں کے لیے بھی رِجْس یعنی گندگی

[1] طحاوی صفحہ ۱ ج ۱ (فیاض)

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا، مجھے استنجا پاک کرنے کے لیے پتھر تلاش کر دو۔ تلاش کرنے پر صرف دو پتھر مل سکے۔ چونکہ استنجا کے لیے تین ڈھیلوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے حضرت ابن مسعودؓ نے دو پتھر اور ایک ٹکڑا خشک گوبر کا لے دیا۔ حضور علیہ السلام نے پتھر تو لے لیے مگر گوبر پھینک دیا اور فرمایا اِنَّھَا رِجْسٌ یعنی یہ گوبر ناپاک ہے اس سے استنجا پاک نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال مشرکین کی نجاست سے مراد اُن کی ظاہری پلیدی نہیں بلکہ قلب و روح کی نجاست ہے، ان کے اعمال اور اخلاق گندے اور نیت گندی ہے۔ لہٰذا وہ اس قابل نہیں کہ مسجد حرام کے قریب آسکیں۔

عام مساجد کا حکم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے مشرکین کو صرف مسجد حرام سے بے دخل کیا گیا ہے یا عام مسجدوں کا بھی یہی حکم ہے کہ مشرک اُن میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس مسئلہ میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمام مساجد مسجد حرام کے حکم میں داخل ہیں جب کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا تو وہ کسی بھی مسجد میں جانے کا اہل نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف مسجد حرام کے لیے ہے اور دیگر مساجد میں مشرکوں کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ مشرکین کے مسجد الحرام میں داخل نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں وہاں نہیں جا سکتے بلکہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ مشرک لوگ حج، طواف یا دیگر عبادات کے لیے وہاں داخل نہیں ہو سکتے، البتہ اگر کوئی دیگر ضرورت ہو تو وہاں جا سکتے ہیں مثلاً مسجد کی دیکھ بھال یا تعمیر و مرمت

کے لیے ضرورت ہو یا قاضی مقدمہ کی سماعت مسجد میں کر رہا ہو۔ تو مشرک کے داخلے پر پابندی نہیں ہے۔ اس کا جواب اسی وفدِ طائف کے واقعہ میں موجود ہے کہ آپ نے وفد کو مسجد میں ٹھہرایا تھا اور اسلام لانے سے پہلے ابوسفیان کے داخلے پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔ بہرحال مشرکین پر پابندی اسی صورت میں ہے کہ وہ عبادت کے لیے آنا چاہیں یا مسجد پر غلبہ حاصل کرنا چاہیں اور یہی حکم عام مساجد کے لیے بھی ہے اب رہی یہ بات کہ کون سے مشرک مسجد کے قریب نہیں آسکتے" تو ان میں یہود نصاریٰ، مجوسی، ہندو، سکھ، جاپانی، چینی اور ویٹ نامی تمام کے تمام مشرک شامل ہیں، کوئی بھی عبادت کے لیے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ ان کے عقائد اور اعمال گندے ہیں اور ان کے قلوب و اذہان نجس ہیں۔ اور یہ ایسی نجاست ہے جو توبہ کے بغیر دور نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص عقائد کی نجاست لے کر اس دنیا سے چلا گیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نجس ہی رہے گا ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (البقرہ) اللہ تعالیٰ انہیں کبھی پاک نہیں کریگا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔ وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اسی لیے فرمایا اے ایمان والو! مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ یہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ چنانچہ ۹ھ کے بعد کوئی مشرک حج وعمرہ کے لیے مسجد حرام میں نہیں آیا۔ یہ حکم صرف مسجد حرام کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے حرم کے لیے ہے جس میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات بھی شامل ہیں۔ چونکہ حج کے ارکان انہی مقامات پر ادا ہوتے ہیں لہٰذا ان کی بے دخلی کا حکم ان تمام مقامات کے لیے ہے۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اس خدشہ کا ذکر کیا ہے جو مشرکین سے مذکورہ مقاطعہ کی وجہ سے پیدا ہوا جب

مشرکین عرب کا داخلہ مسجد حرام یعنی مکہ مکرمہ میں بند کر دیا گیا تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ مشرکین کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیں ضروریات زندگی میسر آتی رہتی تھیں۔ اگر ان کا آنا بالکل بند ہو گیا تو کہیں ہم اقتصادی طور پر مفلوج نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ مشرکین ضد میں آکر مزید نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ایک طرف تو ضروریات زندگی خوراک، لباس وغیرہ کی قلت پیدا ہو سکتی ہے اور دوسری طرف بحیثیت مجموعی اقتصادی بدحالی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی خدشہ کو دور فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً اگر تمہیں محتاجی اور فقر کا خطرہ ہو تو یاد رکھو! فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے اِنْ شَآءَ اگر وہ چاہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری ضروریات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، وہ تمہاری ضرورت اپنے فضل سے پورا کرے گا اس سلسلے میں تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا حکم بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اسی پر مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے، وہ تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ مشرکین اہل ایمان کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ بلکہ مسلمانوں کو قریبی زمانہ میں بے پناہ مال و دولت حاصل ہوا۔ بہت سے ملک ان کے تسلط میں آ گئے۔ زمین، مکانات اور باغات میسر آ گئے۔ انہیں کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ مسلمان تھوڑے ہی عرصہ میں غنی ہو گئے اور اس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ قرآن پر عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کیے کہ ان کا تمام احتیاج دور ہو گیا اور خوشحالی آ گئی فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ کمال حکمت کا مالک ہے۔ اس کی حکمت سے کوئی کام خالی نہیں۔ وہ علیم کل بھی ہے۔

سب باتیں اس کے علم میں ہیں۔ اس نے دین کو غلبہ دیا اور سچے دین کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ اگر اہل ایمان اسے سچائی کے ساتھ قبول کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے گا۔ انسان کا علم ناقص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے لہذا انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرے۔

درس یازدہم ۱۱ آیت ۲۹

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ
دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝٢٩

ترجمہ:۔ لڑو اُن لوگوں سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اور نہیں حرام ٹھہراتے اُس چیز کو جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہیں قبول کرتے سچے دین کو، اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے (لڑو اِن سے) یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اور وہ دبنے والے ہوں ۝٢٩

ربطِ آیات: گذشتہ دروس میں مشرکوں کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا، اُن کا کام تو تمام ہو گیا۔ عرب کا خطہ تو حضور علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں ہی شرک اور کفر سے پاک ہو گیا تھا۔ مشرکین کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور جو باقی رہ گئے اُن میں مقابلے کی سکت نہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف، ہوازن اور بنی بکر والے جو حنین کے مقام پر مسلمانوں کے بالمقابل آئے تھے، وہ سب آخر میں مسلمان ہو گئے۔ البتہ جعلی نبوت کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا اور دوسری اسود عنسی کی جماعت اسلام کے متوازی پروگرام جاری کرنا چاہتی تھی ان کا قلع قمع بھی ہو گیا۔ اب یہود و نصاریٰ باقی رہ گئے جو عرب کے مختلف خطوں میں آباد تھے، خاص طور

پر مدینے کے اطراف اور خیبر یہودیوں کے گڑھ تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے، اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اِن اہل کتاب کے متعلق احکام نازل فرمائے ہیں۔

اہل کتاب کے خلاف جہاد

اہل کتاب بھی مشرکین کی طرح اسلام کی اشاعت کے راستے میں رکاوٹ بن رہے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے خلاف بھی جہاد کا حکم دیا۔ البتہ اگر یہ لوگ اسلام دشمنی ترک کر کے مسلمانوں کے ماتحت رہنا قبول کر لیں، اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کر لیں اور شریف شہری بن کر گزر اوقات کرنے پر رضامند ہوں تو پھر وہ سالانہ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط رہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہو گی اور اُن کی جان، مال اور عزت بھی محفوظ ہو گی۔ اور اگر وہ یہ شرط قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر اُن کے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ ملک بدر ہو جائیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

ایمان باللہ

ارشادِ خداوندی ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اُن لوگوں سے لڑائی کرو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے۔ اہل کتاب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کا یہ ادھورا ایمان معتبر نہیں ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ سب سے پہلے انہیں توحید و رسالت کے اقرار کی دعوت دینا۔ اگر اس دعوت کو مان لیں۔ وہاں یہ الفاظ آتے ہیں فَاِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی معرفت الٰہی درست نہیں ہے۔ حضرت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں یہ لوگ حجاب سوءِ معرفت کا شکار ہیں۔ مشرک لوگ بھی کسی نہ کسی طور خدا کو مانتے ہیں مگر ان کی پہچان بھی صحیح نہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان اور معرفت نہیں ہوگی۔ اُس کی ذات اور صفات کا صحیح تصور نہیں ہوگا، اُن کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایمان کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا تصور قائم ہو جائیگا۔ خدا تعالیٰ کی صفات بندوں میں ثابت کرنا اور بندوں کی صفات خدا تعالیٰ میں ماننا دونوں باتیں غلط ہیں اور یہی حجاب سوء معرفت ہے۔ بیٹا ہونا بندوں کی صفت ہے اور اگر یہی صفت خدا تعالیٰ میں ماننے گا تو مشرک ہو جائے گا۔ اُس کا ایمان باللہ کہاں درست رہا؟ اسی لیے فرمایا اگر اللہ کی ذات وصفات کا صحیح تصور نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے اپنی زبان سے تو اہل کتاب سمیت تمام مذاہب کے پیروکار ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن اُن کے ایمان کی نفی کرتا ہے کیونکہ ان کی پہچان صحیح نہیں ہے۔ اور انہی لوگوں سے جنگ کا حکم ہو رہا ہے۔

قیامت پر ایمان

فرمایا اُن سے لڑو جو نہ تو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اور نہ قیامت کے دن پر۔ قیامت کے دن کا تصور تو جبھی درست ہوگا جب ایمان باللہ درست ہوگا۔ جب توحید کے ضمن میں ہی معلوم ہو گیا کہ ان کی پہچان صحیح نہیں ہے۔ یہ لوگ ابنیت کے عقیدے کے قائل ہیں اور بعض دیگر باتیں بھی خدا کی طرف غلط طور پر منسوب کرتے ہیں تو ان کا قیامت کا تصور بھی درست نہیں ہے۔ یہودی ہوں یا نصرانی رسولِ آخر الزمان کو تو وہ مانتے ہی نہیں۔ آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے لہٰذا وہ اس لحاظ سے کافر ہیں۔ غرضیکہ جو نہ تو اللہ کی وحدانیت

کا صحیح تصور رکھتے ہیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے قائل ہیں، اُن کا قیامت پر ایمان کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

حلت و حرمت میں امتیاز

وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اور نہ وہ اُس چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ حرام و حلال میں امتیاز بھی ایمان کی شرط ہے۔ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحیح مسلمان اُس وقت ہوگا جب اللہ کی حرام کردہ چیز کو حرام سمجھے اور حلال کردہ چیز کو حلال سمجھے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا حضورﷺ! اَحْلَلْتُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَحَرَّمْتُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھوں، نماز ادا کروں اور باقی فرائض انجام دوں تو کیا مجھے نجات مل جائے گی، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہاں تجھے نجات ملے گی مطلب یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا بھی ایمان کا جزو ہے۔

اس کے برخلاف عیسائی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی حرام کردہ شراب کو حلال جانتے ہیں۔ خنزیر کو حلال سمجھ کر کھا جاتے ہیں تو ان کا ایمان کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کی حرمت کا حکم قرآن پاک میں صریحاً لگایا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مردار، خون خنزیر کا گوشت اور نذر لغیر اللہ قطعی حرام ہیں۔ اللہ کے رسول نے بھی اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ اس کے باوجود جو شخص ان میں سے کسی چیز کو حلال سمجھتا ہے۔ وہ مومن کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی زنا کو حلال سمجھے، قتل ناحق کو حلال خیال کرے تو وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول کی حلت و حرمت میں

دخل اندازی کی ہے۔

حقیقت میں حلت و حرمت کا قطعی حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، البتہ اللہ کا نبی اُس حکم کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کا نبی کہہ دے کہ فلاں چیز حرام ہے تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ نبی وحی الٰہی کا متبع ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں ٹھہراتا بلکہ اللہ کا حکم پہنچاتا ہے۔ دراصل تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور نبی اُس کا بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ جس کے متعلق نبی کہہ دے کہ یہ حرام ہے، وہ واقعی حرام ہوتی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

دین حق کی اطاعت

فرمایا اہل کتاب کا نہ تو ایمان باللہ درست ہے، نہ ان کا قیامت پہ صحیح یقین ہے، نہ حلال و حرام میں تمیز ہے وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ اور نہ وہ دین حق کی اطاعت کرتے ہیں۔ جو دین حق کو تسلیم نہیں کرتا اُس کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ ائمہ کفر سچے دین کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو اُن کے خلاف جہاد لازم ہو جائے گا۔ یہود و نصاریٰ بھی اسی بیماری میں مبتلا تھے لہٰذا اُن کے خلاف بھی جنگ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دنیا کے دیگر بہت سے مذاہب کا بھی یہی حال ہے، روسی بھی اللہ کے دین کو پسند نہیں کرتے بلکہ اسے رجعت پسندانہ دین کہتے ہیں۔ چینی ہوں یا جاپانی، امریکی ہوں یا جرمن کوئی بھی حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں لہٰذا اِن کے ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں ہو سکتا، اگر مسلمان ان کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ جب بھی ہوگی جنگ ہی ہوگی۔

غیر مسلم بحیثیت ذمی

آگے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور دینِ حق کو قبول نہیں کرتے فرمایا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب عطا کی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ کتاب کے حاملین یہی دو فرقے یہود اور نصاریٰ ہیں یہودی اپنے آپ کو تورات کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ انجیل کی طرف، مگر دونوں نے اپنی اپنی کتابوں کو اس حد تک تبدیل کر دیا ہے کہ وہ بلکے نام ہو کر رہ گئی ہیں۔ اِن لوگوں کو نہ خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان ہے اور نہ انبیاء پر صحیح ایمان ہے۔ ان کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے تاکہ یہ لوگ دینِ حق کی اشاعت میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ البتہ اِن کے واسطے امان کی ایک ہی صورت ہے حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے لگیں۔ یعنی اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کر کے مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔ اور مقررہ رقم بطور ٹیکس ہر سال ادا کریں۔ اس طرح وہ ذمی کہلائیں گے اور انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے اخلاقی، مادی اور مذہبی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

کافر دو قسم کے ہیں۔ حربی کافر وہ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں اور دوسرے ذمی ہیں جو مسلمانوں کی حفاظت میں رہتے ہیں اگرچہ وہ اپنے دین پر قائم رہتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے کافروں کے متعلق سورۃ ممتحنہ اور بعض دوسری سورتوں میں الگ الگ حکم آیا ہے۔ ذمیوں کو مکمل حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان کی جان، مال اور عزت دیگر مسلمانوں کی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی کافر بحیثیت ذمی مسلمانوں کی پناہ میں آجائے تو وہ شخص مامون ہو گیا جو کوئی ذمی کو قتل کریگا۔ اُسے جنت کی خوشبو تک بھی نہیں آئے گی، یہ اتنا

بڑا جرم ہے۔

ذمی کے جرم میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا یعنی اُسے قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنًا بِكَافِرٍ یعنی کسی کافر کے قصاص میں مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ آپ اس سے حربی کافر مراد لیتے ہیں۔ یعنی اگر حربی کافر کو قتل کر دیا جائے تو اس کے بدلے میں مومن سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ اگر ذمی کافر کو مارا جائے گا تو اس کا اسی طرح قصاص لیا جائے گا جس طرح کسی مومن کے قتل کا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ایمان لانے کے بعد کسی مومن کا مال، جان اور آبرو محفوظ ہو جاتی ہے اسی طرح ماتحتی میں آنے والے ذمی کو بھی امان حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اہل کتاب میں سے اگر جزیہ دینا قبول کر لیں تو پھر ان کے خلاف جنگ نہ کی جائے۔

جزیہ کے خلاف پراپیگنڈا

اسلام کے قانون جزیہ پر غیر مسلم اقوام نے بڑے اعتراضات کیے ہیں انگریز، یہودیوں اور ہندوؤں نے اس مسئلہ کو بہت اچھالا ہے جس طرح مسئلہ تعدد ازواج غیر مسلم اقوام کا تختہ مشق بنا تھا اسی طرح یہ مسئلہ بھی بنا ہے مگر یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ تعدد ازواج کے متعلق تو یہود، ہنود اور نصاریٰ نے بڑی گندی باتیں لکھی ہیں۔ یہاں راجپال ہندو نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا تھا۔ اس میں تعدد ازواج کے مسئلہ پر سخت ہرزہ سرائی کی گئی تھی حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر بھی حملے کیے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غازی علم الدین شہیدؒ نے راجپال کو جہنم واصل کر دیا۔ عیسائی اور یہودی معترضین کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ سو عورتوں سے زنا کرنے والے شخص پر تو اعتراض نہیں کرتے مگر دو بیویوں سے نکاح کرنے والا گردن زدنی

بن جاتا ہے۔ یہ متعصب اور خبیث لوگ ہیں جو مسلمانوں کے اٹل قوانین پر بلاوجہ اعتراض کرتے ہیں۔

جزیہ بطور ٹیکس

آج کل تمام حکومتوں کا نظام ٹیکسوں پر چلتا ہے۔ بعض ممالک میں تو کل آمدنی کا دو تہائی ٹیکسوں میں چلا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جزیہ ایک معمولی سا ٹیکس ہے جو ذمی لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں وصول کیا جاتا ہے۔ جزیہ کی شرح خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہی مقرر ہو گئی تھی۔ یہ ٹیکس ہر خود روزی کمانے والے آسودہ حال شخص سے اڑتالیس ۴۸ درہم سالانہ متوسط آدمی سے چوبیس ۲۴ درہم اور غریب آدمی سے بارہ درہم سالانہ ہے۔ اور پھر اس میں استثنا بھی ہے۔ اگر کوئی ذمی آدمی فوجی خدمات انجام دے رہا ہے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح معذور آدمی، بچے، عورتیں، پادری، گوشہ نشین آدمی بھی جزیہ سے مستثنا ہیں۔ یہ تو عام شرح ہے۔ البتہ اگر صلح کے کسی خصوصی معاہدہ کے تحت کوئی دوسری شرح مقرر کر لی جائی تو وہ بھی درست ہے جیسے حضور علیہ السلام نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ وہ لوگ حضور کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آئے تھے مگر جب مجبور ہو گئے تو صلح کر لی اور کچھ کپڑے اور کچھ نقدی بطور جزیہ دینا قبول کر کے اپنے علاقے میں واپس چلے گئے۔ بہرحال یہ ایک معمولی سا ٹیکس ہے جو غیر مسلم ذمیوں پر عاید کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود مسلمان اس سے زیادہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

بنو تغلب کے عیسائیوں نے جزیہ کی بجائے زکوٰۃ کی دگنی شرح کے برابر رقم ادا کرنے کی پیش کش کی، حضور علیہ السلام نے اسے منظور فرما لیا۔ کہا تم اسے جزیہ کی بجائے جو چاہو نام دے دو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ زکوٰۃ تو چالیسواں حصہ تھا، اب انہیں بیسواں حصہ دینا پڑا۔ چونکہ وہ لوگ جزیہ کے نام سے بدکتے تھے اس لیے

[illegible]

تھی۔ اُن کے دین کے مطابق اُن کی زکوٰۃ چوتھا حصہ ہوتی تھی مگر انہوں نے بیسواں حصہ ٹیکس ادا کیا اور مامون ہو گئے۔

جزیہ کا دائرہ کار

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب ہی سے واجب الادا ہوتا ہے یا دیگر کفار سے بھی لیا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جزیہ صرف کتابیوں سے لیا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام قبول کر لیں، ملک بدر ہو جائیں یا اُن کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ اُن سے جزیہ قبول کر کے خطہ عرب میں کوئی دوسرا دین باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ یہود و نصاریٰ کو جزیہ لینے کی جو اجازت دی گئی تھی وہ ایک خاص وقت تک تھی کیونکہ مسلمان اُن کو کسی بھی وقت ملک بدر کر سکتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پورے عرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک کر دیا گیا۔ البتہ عربوں کے علاوہ عجمیوں سے جزیہ وصول کر کے انہیں اسلامی حکومت میں پناہ دی جاسکتی ہے۔ مجوسیوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس معاملہ میں تردد تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضور علیہ السلام کی حدیث پیش کی کہ مجوسیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کرو جیسا اہل کتاب کے ساتھ۔ البتہ نہ تم مجوسیوں کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو اور نہ اُن کا ذبیحہ کھا سکتے ہو۔ ان معاملات میں ان کا حکم مشرکوں جیسا ہے۔ بہر حال عجم کے ہنود، یہود، سکھ، مجوسی، کوئی بھی ہوں انہیں جزیہ کے بدلے امان دی جاسکتی ہے۔

اہل کتاب کی تذلیل

فرمایا اُن سے جنگ جاری رکھو جب تک وہ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں وَهُمْ صٰغِرُوْنَ اور جب تک وہ ذلیل اور محکوم نہ ہو جائیں فقہائے کرام فرماتے ہیں عَنْ يَّدٍ سے مراد یہی ہے کہ ذمی لوگ خود حاضر ہو کر جزیہ جمع کرائیں کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ بھیجنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اُن کی ذلت کی نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ذمی کے لیے کوئی نشانِ

نشانی مقرر کر دینی چاہیے جس کے ذریعے وہ دور سے ہی پہچانا جائے کہ

یہ ذمی آدمی ہے۔ تاہم اس آیت کے مطابق ان کا خود اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرنا ہی ان کے لیے کافی تذلیل کا باعث ہے۔ آگے اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کی خرابیوں کا ذکر آرہا ہے۔ اگرچہ عقیدے کے لحاظ سے یہ بھی مشرکوں جیسے ہی ہیں مگر انہیں کچھ رعایات حاصل ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى
الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ :- اور کہا یہودیوں نے عزیر اللہ کا بیٹا ہے ۔ اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے ۔ یہ باتیں ہیں اُن کے اپنے مونہوں کی ۔ مشابہت کرتے ہیں اُن لوگوں کی بات کے ساتھ جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے ۔ اللہ انہیں تباہ کرے ، کدھر پھیرے جا رہے ہیں ﴿۳۰﴾ بنا لیا ہے انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب اللہ کے سوا ، اور مسیح ابن مریم کو حالانکہ اُن کو نہیں حکم دیا گیا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں ایک ہی خدا کی ۔ نہیں اس کے سوا کوئی الٰہ ۔ پاک ہے اُس کی ذات اُن چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿۳۱﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کر کے ذمی بن جائیں ۔ اگر وہ اس طرح مسلمانوں کی ماتحتی قبول

کرلیں تو اُن کو امن حاصل ہو جائے گا۔ اہل کتاب کے ساتھ لڑائی کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور دینِ حق کو قبول نہیں کرتے۔ تو فرمایا یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کرکے ذلت قبول کریں۔ یہاں پر اشارتاً یہ بات نکل آئی کہ اُن کا ایمان حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ہی یہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے گندے عقیدے کو بیان فرمایا ہے۔ یہ لوگ اسی باطل عقیدے کی اشاعت میں سرگرم رہتے ہیں اور دینِ حق کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

عقیدہ ابنیت

اہل کتاب کے غلط عقیدے کے متعلق فرمایا وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے العیاذ باللہ تورات میں آپ کا نام عزرا EZRA ذکر کیا گیا ہے۔ آپ یہودیوں سے بہت بڑے عالم اور بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا نام سورۃ البقرہ میں بھی آچکا ہے جب بخت نصر نے اسرائیلیوں پر حملہ کرکے اُن کے ملک کو تباہ و برباد کر دیا تو یہ لوگ ایک صدی تک اس ظالم بادشاہ کی غلامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بنی اسرائیلیوں کے تمام آثار مٹا دیے گئے اور ان کے عبادت خانے اور کتابیں بھی ضائع کر دی گئیں۔ پھر عزیر علیہ السلام کا اس اُجڑی ہوئی بستی پر سے گزر ہوا تو تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ بستی کو کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک کے لیے موت دے دی۔ پھر اٹھا کر پوچھا۔ تم کتنی دیر یہاں پر ٹھہرے، کہنے لگے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تم سو سال تک یہاں ٹھہرے ہو۔ پھر جب بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی ملی تو عزیر

علیہ السلام نے اپنی یادداشت کی بناء پر تورات کو دوبارہ جمع کیا جب یہ کتاب دوبارہ اپنی قوم کو دی تو اُن کو یقین ہو گیا کہ تورات کی دوبارہ ترتیب جیسا عظیم کام خدا کا بیٹا ہی کر سکتا ہے یہ اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس طرح قوم نے آپ کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کا خطاب دیا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ عزیر علیہ السلام کے متعلق ابنیت کا عقیدہ سارے کے سارے یہودیوں کا نہیں تھا بلکہ یہودیوں کا ایک گروہ یا فرقہ تھا جس نے یہ باطل اور شرکیہ عقیدہ وضع کیا۔ اسی طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اللہ کا بیٹا ہونا دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ حقیقی بیٹا تصور کیا جائے اور دوسری یہ کہ "قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا" (البقرہ) خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یعنی حقیقی بیٹا نہیں بلکہ لے پالک یا منہ بولا بیٹا ہے۔ اور پھر اس سے یہ تاثر بھی اُبھرتا ہے کہ جیسے خود خدا نے بیٹا بنا لیا ہے، وہ خدا تعالیٰ کو نہایت لاڈلا اور پیارا ہو گا۔ پھر خدا تعالیٰ اس کو اختیار بھی دے گا اور وہ حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی کرے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقی بیٹے کا تصور تو نہایت ہی جاہل لوگ رکھتے تھے۔ یہ ویسا ہی تصور ہے جیسا کہ پتھر دل کو پوجنے والے اُن میں الوہیت مانتے ہیں۔ یہ تصور تو بعد میں آیا، البتہ ابتدائی نظریہ یہ تھا کہ یہ لوگ نہایت ہی مقرب الی اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیارات دے رکھے ہیں اور یہ لوگوں کے کام کر سکتے ہیں اسی طرح مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی شروع میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کا پیارا ہے مگر بعد میں لوگوں نے اُسے بیٹا بنا دیا۔ عزیر علیہ السلام کو بھی یہودیوں نے خدا کا بیٹا کہہ دیا جیسا کہ قرآن پاک نے یہاں بیان کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک مرید حاجی امیر شاہ خان مرحوم بڑے نیک آدمی تھے۔ انہوں نے شاہ اسحاقؒ کو دیکھا تھا۔ آپ نے اپنی کتاب امیر الروایات میں بعض بزرگوں کے متعلق کچھ مستند مشاہدات بیان کیے جسے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرتب کیا۔ ان کا بیان ہے کہ وہ سیاحت کے سلسلے میں شام و فلسطین کے علاقہ میں گئے، اور وہاں پر بعض یہودیوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو عزیری کہلاتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ عام یہودی ابنیت کے قائل نہیں ہیں تاہم ایک محدود فرقہ ضرور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ لوگ شدید غلطی پر ہیں۔

حجاب سوءِ معرفت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حجاب سوئے معرفت دو وجہ سے واقع ہوتا ہے، اس سے مراد خدا تعالیٰ کے بارے میں انسان کی غلط پہچان ہے۔ انسان یا تو شرک کی وجہ سے اس حجاب کا شکار ہوتا ہے یا عقیدہ تشبیہ کی وجہ سے شرک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت مختصہ کسی مخلوق میں مانی جائے۔ مثلاً خدا تعالیٰ علیم کل ہے، مشکل کشا ہے۔ حاجت روا اور خالق ہے اور اگر کسی غیر اللہ میں بھی یہی صفات مانی جائیں تو یہ شرک کا ارتکاب ہوگا۔ اور تشبیہ یہ ہے کہ انسان کی صفت خدا تعالےٰ میں مانی جائے۔ مثلاً اولاد ہونا انسان کی صفت ہے۔ اگر یہی صفت رب تعالیٰ میں مانی جائے، اس کی اولاد ثابت کی جائے تو ایسا کرنے والا عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ اولاد سے بالکل مبرّا اور منزہ ہے۔ نہ اس کی حقیقی اولاد ہے اور نہ اس نے مخلوق میں سے کسی کو اولاد بنایا ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ بعض لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے ہیں۔ یہ باطل تصور قدیم مصر، یونان،

بابل اور روما میں بھی پایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں ملائکہ کو دیویاں کہتے ہیں جس کا معنی بیٹیاں ہی ہے۔ بہرحال انسان کی صفت خدا میں ماننے والے عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہوئے اور خدا کی صفات مختصہ مخلوق میں ماننے والے شرک میں مبتلا ہوئے۔ اور یہی دو چیزیں معرفت الٰہی میں بگاڑ کا باعث بنیں جسے شاہ صاحب حجاب سوء معرفت کا نام دیتے ہیں۔

مختارِ کل اللہ ہے

مخلوق میں سے کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار تفویض کرنا دونوں باطل عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی اللہ کا کام ہے۔ تدبیر کرنا بھی خدا کی صفت ہے لہٰذا ہر چیز کی تدبیر بھی وہ خود ہی کرتا ہے۔ اس دنیا میں بادشاہ، گورنر یا کوئی حاکم اپنے کسی ماتحت کو اختیارات دے دیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں۔ تمام اختیارات اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہاں تو ملائکہ مقربین بھی بے بس ہیں "مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" اُن کو بھی کوئی اختیار نہیں "يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" وہ تو خدا تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ نصاریٰ کے غلط عقائد کی انتہا یہ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو جب الٰہ کہا تو آپ کی والدہ مریم علیہا السلام کو مادرِ خدا کہہ دیا۔ یہ سب عقیدہ تشبیہ کا شاخسانہ ہے اور شاہ صاحبؒ کی اصطلاح میں حجاب سوءِ معرفت ہے۔

کفار سے مشابہت

اللہ نے فرمایا ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ یہ بُرے اعتقاد ان کے مونہوں کی باتیں ہیں يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ یہ اُن لوگوں کی بات کے ساتھ مشابہت ہے جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ مطلب یہ کہ اہل کتاب کا یہ عقیدہ پرانے کافروں کے عقیدے کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ پہلے ادوار میں بڑی بڑی

قدیم تہذیبیں گزری ہیں۔ ان میں مصری، بابلی، اشوری، ایجنا اور ایلورا تہذیبیں مشہور ہیں۔ ٹیکسلا میں تین ہزار سالہ پرانی گندھارا تہذیب دریافت ہوئی ہے ٹیکسلا کا پرانا شہر کسی حکومت کا دارالخلافہ تھا جو چار میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا سندھ میں موہنجوداڑو کی پانچہزار سالہ پرانی تہذیب کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ ان تمام تہذیبوں کے لوگ مشرک تھے۔ ان کے عقاید بھی وہی تھے، جو نزولِ قرآن کے زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ پرانے کافر اور اہل کتاب بدعقیدگی میں قدر مشترک رکھتے ہیں۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ نورِ ہدایت، ایمان اور توحید کے آنے کے بعد بھی یہ ایسی ایسی شرکیہ اور کفریہ باتوں میں ملوث ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے، یہ راہ حق سے دور ہٹائے جا رہے ہیں۔

اللہ کے سوا رب

فرمایا اہل کتاب کی ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو گئے ہیں اور دوسری یہ کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا۔ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ اور مسیح ابن مریم کو بھی کبھی انہیں الٰہ کہا اور کبھی ابن الٰہ کہہ دیا۔ اُن میں خدائی اختیارات کو تسلیم کیا اور اس طرح اللہ کے علاوہ دوسروں کو رب بنا لیا۔ غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگے اور انہی کی حلال و حرام کردہ اشیاء کو خدائی فیصلہ ماننے لگے حاتم طائی بڑا مشہور آدمی گزرا ہے۔ اس کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی، عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے عدی اور بیٹی نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے ابتداء میں اسلام کے خلاف تھا اور جنگ میں حصہ بھی لیا مگر آخر میں اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور خود چل کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ جب عدی دربار

نبوی میں حاضر ہوا تو اس کے گلے میں سونے کا صلیب لٹک رہا تھا آپ علیہ السلام نے فرمایا اَلْقِ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ اس بُت کو اپنی گردن سے اتار پھینکو۔ عدی نے وہ صلیب فوراً اتار پھینکی۔ صنم اُس بت کو کہتے ہیں جو کسی شکل وصورت پر بنایا گیا ہو۔ اور وثن ان گھڑے بت کو کہتے ہیں۔ بہرحال آپ نے وہ صلیب گلے سے اُتروادی اور یہی آیت پڑھی اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ ...... الآیۃ یعنی یہود ونصاریٰ نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔ اس پر عدی نے عرض کیا، حضور! ہم لوگ اِن کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اِن کو رب بناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تم اِن عالموں اور پیروں کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے؟ کہا ایسا تو ہے۔ فرمایا یہی رب بنانا ہے۔ محض سجدہ اور عبادت کرنے سے کوئی رب نہیں بنتا بلکہ اگر غیر اللہ میں تحلیل وتحریم کا اختیار مان لیا جائے تو یہ بھی رب بنانے کے مترادف ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا کلی اختیار رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اگر ایسا کوئی فعل نبی کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز قطعی طور پر حلال یا حرام ہے اور نبی اس حلت وحرمت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ کسی عالم یا درویش کے اختیار میں حلت وحرمت قطعاً نہیں ہے۔

مستند قول

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ عالم کا قول عوام کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے بشرطیکہ وہ شرع سے سمجھ کر کہا گیا ہو اور اگر وہ قول قرآن وسنت کی بجائے خود اپنی طرف سے بنا کر کہا جائے تو وہ سند نہیں ہوگا۔ یہودیوں میں یہی بیماری تھی کہ وہ اپنی طرف سے حکم لگا کر اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہوں نے خنزیر کو از خود حلال قرار دیا۔ پھر ان پڑھ لوگوں کے ناحق مال کھانے کو جائز قرار دیا۔ کہتے تھے "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ" (آل عمران) ہمارے لیے امیوں کا مال کھانا جائز ہے۔ علمائے سو اور پیرانِ سو ہمیشہ ایسی

یہی بات کہتے ہیں۔ وہ بھی ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور یہی علماء اور پیروں کو رب بنانا ہے۔

ایک صاحب بتلاتے تھے کہ ایک پیر صاحب داڑھی کو خضاب لگاتے تھے۔ ان کی گردن میں پھوڑا نکل آیا۔ حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ خضاب لگانا چھوڑ دیں۔ کہنے لگے یہ تو بڑے پیر صاحب کا حکم ہے کہ خضاب لگایا کرو۔ لہذا نماز، روزہ اور باقی فرائض تو چھوٹ سکتے ہیں مگر خضاب نہیں چھوٹے گا۔ یہی رب بنانے والی بات ہے اور یہی شرک ہے۔ بڑے پیر صاحب کی ایسی بات جو رسول کے حکم کے خلاف ہے اور پھر اس کی وجہ سے بیماری بھی لاحق ہو گئی ہے، اس کو ترک نہیں کر سکتے۔ علمائے سوء اور پیران سوء کا یہی کام ہے

دین کو بگاڑنے والے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مشہور تابعی ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے استاد تھے۔ بڑے فقیہ، محدث، غازی مجاہد اور مجتہد تھے آپ کا یہ مصرعہ مشہور ہے۔ وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا ۔ یعنی دین کو بگاڑنے والے یا تو بادشاہ ہیں جو اپنی طاقت اور مال و دولت کے بل بوتے پر دین کو اپنی مرضی کا بنا لیتے ہیں۔ یا پھر بُرے عالم اور بُرے درویش ہیں جنہوں نے دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے اگر بادشاہ بگڑیں گے تو مسلمانوں کی معیشت تباہ ہو گی۔ اگر عالم بگڑیں گے تو دین تباہ ہو گا اور اگر پیر صاحبان بگڑ جائیں گے تو اخلاق تباہ ہو جائے گا اگر یہ تینوں طبقے بگڑ جائیں تو پھر قوم تنزل کی گہرائیوں میں جا گرے گی۔ چنانچہ یہ بگاڑ ہماری امت میں بھی آچکا ہے۔ مسلمانوں کے اکثر فتنے ان تینوں گروہوں کے پیدا کردہ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ علمائے سوء دین کے چور ہیں بلکہ ڈاکوؤں سے بھی بڑھ کر مضر ہیں کیونکہ لوگ انہیں نیک اور بزرگ سمجھتے ہیں مگر یہ دین کی بجائے اپنی بات چلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شریعت بنا رکھی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا

لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا کہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ عبادت کے لائق سوائے ایک اللہ کے اور کوئی نہیں مگر لوگوں نے علما اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔ اب حرام حلال کے فتوے یہ لگا رہے ہیں۔ فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔ کوئی قادرِ مطلق اور علیم کل نہیں۔ حاضر و ناظر اور مختارِ مطلق صرف اللہ کی ذات ہے۔ مافوق الاسباب کوئی مشکل کشائی نہیں کرسکتا مگر صرف اللہ۔ اس کے سوا کوئی خالق اور مدبر نہیں۔ انہوں نے علما اور درویشوں کو حلال و حرام کے اختیارات دے دیے۔ اور عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ ان کی عقلوں پہ حجاب سوءِ معرفت پڑ گیا ہے اور یہ تباہ ہو گئے ہیں۔

فرمایا سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ کی ذات تو پاک ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ اللہ تعالے وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ کوئی اس کا ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ عبادت میں، نہ علم میں، نہ قدرت میں اور نہ ارادے میں۔ مشرک لوگ خدا کے باغی اور مجرم ہوتے ہیں اور شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اگر کوئی شخص زندگی میں توبہ نہیں کرسکا تو پھر اس کی بخشش کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔

درس سیزدہم ۱۳ — آیت ۳۲ تا ۳۳

يُرِيدُونَ اَنۡ يُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ :- چاہتے ہیں یہ کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے موہنوں (کی پھونکوں) سے اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ پورا کریگا اپنے نور کو اگرچہ کافر لوگ اس کو ناپسند کریں ﴿۳۲﴾ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کردے اس دین کو تمام ادیان پر اور اگرچہ ناپسند کریں شرک کرنیوالے ﴿۳۳﴾

ربط آیات

مشرکین سے برأت کے اعلان کے بعد جہاد کا حکم ہوا اور پھر اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر بھی فرمایا۔ ان کے خلاف بھی جہاد کا حکم ہوا۔ کیونکہ وہ بھی صحیح معنوں میں اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ ہی دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ، فرمایا ان کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ یہ مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کرلیں پھر فرمایا کہ ان کے عقائد اس قدر فاسد ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ (یہود) نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور دوسرے گروہ "نصاریٰ" نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اہلِ کتاب نے تحریم و تحلیل کا اختیار بھی اپنے راہبوں کے سپرد کر دیا اور اس طرح عملی طور پر انہیں اللہ کے سوا رب بنا

دیا۔ حالانکہ اُن سب کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اُسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اُن چیزوں سے مبرا ہے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پھونکوں سے یہ چراغ...

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ایک خرابی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ یہ ایسے غلط کار لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی توحید، اسلام اور دین کے پروگرام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ بعض دوسری آیات میں ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اہل کتاب ایسی ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں گویا کہ دینِ حق کو اتنی آسانی سے ختم کر دیں گے جیسے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور اس کی طرف آسانی سے نظرِ بد نہیں اٹھائی جا سکتی۔ اِن کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے وَیَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَہٗ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا۔ اگرچہ کافر لوگ اس کو ناپسند کریں۔ مشرکین نے تو اسلام کے ساتھ کھلے طور پر ٹکر لی، جنگیں لڑیں اور اسے مٹانے کی کوشش کی مگر انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ البتہ اہل کتاب نے مختلف حیلوں بہانوں سے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی ناکام رہے۔ ان دونوں گروہوں نے اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے اور لوگوں کو اس سے بیزار کرنے کے ہزار جتن کیے۔ یہ کام قدیم زمانے کے مشرک بھی کرتے رہے اور جدید دور کے مشرک اور ہنود، عیسائی اور یہودی سب نے مل کر دین کی بنیاد پر حملہ کیا مگر اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو قائم رکھے گا۔ چنانچہ اللہ نے ہمہ تن عامل اور صحیح الفکر جماعت کے ذریعے اپنے

دین کو باقی ادیان پر غالب کیا اور اس چراغ کو بجھانے والی تمام پھونکیں خود بجھ گئیں۔

ہدایت کی ضرورت

دینِ اسلام کی حقانیت کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے "هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی" خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔ ہدایت سے مراد راہنمائی کا سامان ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے اپنے بندوں کے پاس بھیجا۔ سورۃ بقرہ میں مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡهُدٰی کے الفاظ آئے ہیں۔ بینات اُن واضح باتوں کو کہتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت صبر شکر اور ایسے ہی دوسرے بڑے اصول البتہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ بغیر سیکھے سمجھ میں نہیں آتیں۔ چنانچہ اللہ نے نبی علیہ السلام کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ (البقرہ) کہ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو ایسی باتیں جن کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے، وہ ہدایت میں آتی ہیں۔ تو یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

دینِ حق کا غلبہ

فرمایا ایک تو اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا اور دوسری چیز وَدِیۡنِ الۡحَقِّ دینِ حق بھی عطا کیا۔ اس سے مراد وہ دائمی اور ابدی اصول ہیں جو اس دینِ اسلام میں موجود ہیں۔ یہ اصول ہر دور اور ہر قوم کے لیے یکساں طور پہ کارآمد ہیں اور اُن کی افادیت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ اسی دین کے متعلق فرمایا "وَذٰلِكَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَةِ" (البینہ) اور یہی پکا اور سچا دین ہے اس کے اصول بالکل اٹل ہیں جو کبھی نہیں ٹوٹتے بلکہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ تو اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ تاکہ اسے تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کر دے اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ اور مشیت ہے کہ اُس کا بھیجا ہوا دین تمام ادیان پر سربلند ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔
بہر حال آیت کا یہ حصہ اس سورۃ کے علاوہ سورۃ فتح اور سورۃ صف میں آیا ہے۔ اور ہر مقام پہ دینِ اسلام کے غلبے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ اگرچہ یہ شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ سورۃ صف میں "وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ" کے الفاظ آتے ہیں۔ چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناپسند ہو۔ سورۃ نور میں خلافت راشدہ کا نظام سمجھایا گیا ہے اور صاف کہا گیا ہے کہ اگر اس نظام کے خلاف چلو گے تو ظالم بن جاؤ گے اور اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم اس دینِ حق کو تمام ادیان پہ غالب کرنا چاہتے ہیں۔

غلبہ باعتبار دلیل

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سیاسی غلبہ اور دوسرا غلبہ باعتبار دلیل۔ یہاں پہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے کہ دلیل و برہان کی رو سے دینِ اسلام کے مقابلے میں کوئی دوسرا دین نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے اب تک قرآن کے دلائل کو غلط ثابت کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں، نبی علیہ السلام کے قول و فعل میں کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے مگر ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔ جب بھی مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ یا مباحثہ ہوا غیر مسلموں کو ذلیل و خوار ہی ہونا پڑا۔ انگریزی دور میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا محاذ قائم کیا۔ شاہجہان پور میں مناظرے کا بندوبست کیا جس میں بڑے بڑے پادری اور ہندو سکالروں کو بلایا گیا۔ بڑی دھواں دھار تقریریں ہوئیں، مگر جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسلام کی صداقت اور حقانیت پہ مدلل تقریر فرمائی تو سب لاجواب ہو گئے۔ اس سیمینار کی تمام تقریریں "مباحثہ شاہجہان پور" کے نام سے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ بہر حال یہ دینِ اسلام کے غلبہ باعتبار دلیل کی واضح مثال ہے۔

اسی طرح کا ایک علمی معرکہ حاجی امداد اللہ صاحب کے دوست مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فنڈر کے درمیان ہوا تھا۔ اس پادری کو انگریزوں نے خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف بدزبانی کے لیے بھیجا تھا بڑا عالم فاضل اور ذہین آدمی تھا مگر جب یہاں آکر مولانا کیرانوی سے واسطہ پڑا تو ملک ہی چھوڑ کر بھاگ گیا اور ترکی جا پہنچا۔ اس دوران مولانا رحمت اللہ بھی ہجرت کر کے مکہ چلے گئے تھے۔ حکومت ترکی کو آپ کی موجودگی کا علم ہوا تو آپ کو بلا بھیجا کہ اس پادری سے مقابلہ کرو۔ جب پادری کو پتہ چلا کہ مولانا یہاں بھی آ رہے ہیں تو وہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر حضرت مولانا نے اظہار الحق کے نام سے ترکی اور اردو زبان میں کتاب شائع کی۔ یہ سو سال پہلے کی بات ہے اس زمانے میں اخبار لندن ٹائمز نے لکھا تھا کہ اگر یہ کتاب دنیا میں پڑھی گئی تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کتاب نے انگریزوں کو سخت پریشان کر دیا۔ یہ بھی دلائل کی رو سے دینِ حق کے غلبے کا ایک نمونہ ہے۔

اسلام کا سیاسی غلبہ

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین کو صرف دلیل کے اعتبار سے ہی غلبہ حاصل ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا سیاسی غلبہ بھی چاہتا ہے۔ چنانچہ دینِ حق کو سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوا اگرچہ بعد میں مسلمانوں نے دینی کوتاہی کی وجہ سے اسے ضائع کر دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ بعثت سے لیکر واقعہ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کو آدھی دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل تھا۔ اس زمانے میں قیصر و کسریٰ کی دو بڑی طاقتیں تھیں مگر وہ دونوں اسلامی حکومت کے سامنے مغلوب ہو چکی تھیں۔ اس وقت بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں۔ قادسیہ کے مقام پر کسریٰ کے خلاف بہت بڑی جنگ ہوئی اور یرموک کے مقام پر رومیوں کے ساتھ تاریخی معرکہ پیش آیا جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی عیسائیوں

کے بڑے بڑے گڑھ مصر اور شام فتح ہو گئے۔ روم والے عیسائی بھی بالکل کمزور ہو گئے۔ اس دوران عیسائی اور مسلمانوں کے مقابلے قرن ہا قرن تک ہوتے رہے، تاہم اب بھی دنیا میں سب سے زیادہ آبادی عیسائیوں کی ہے۔

قیصر و کسریٰ کی محکومیت

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں شرک کے دو بڑے گڑھ قیصر اور کسریٰ تھے۔ کسریٰ تقریباً نصف دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اس زمانے میں ایران، ترکستان، زاولستان وغیرہ کسریٰ کے ماتحت تھے۔ اور اُدھر قیصر کے ماتحت مصر، حبشہ، روم، جرمنی اور دیگر علاقے تھے اللہ تعالیٰ نے عرب کے خطے سے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرما کر اِن دونوں بڑی طاقتوں کو مات دی۔ ہندوستان کے مشرک کسریٰ کے ماتحت تھے اور عیسائی لوگ رومی عیسائیوں کے باجگزار تھے۔ اسلام نے اِن دونوں مراکز کا خاتمہ کیا اور اس طرح اُسے سیاسی غلبہ بھی حاصل ہو گیا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ دین کا عمومی غلبہ حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ہوا کیونکہ اس وقت تک صرف خطہ عرب پر مکمل تسلط حاصل ہوا تھا، تاہم بعد میں اللہ نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذریعے مکمل فتح دلائی۔ خلافت راشدہ کا نظام نبوت کے ساتھ پیوستہ تھا اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مسلمانوں نے زبردست پیش قدمی کی۔ اسلام کو پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہو گیا اور باقی تمام ادیان مغلوب ہو گئے۔

مسلمانوں کا سیاسی تنزل

مسلمان اپنا یہ غلبہ زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکے۔ اِن میں بھی ملوکیت یا ڈکٹیٹرشپ عود کر آئی، نظامِ خلافت ختم ہو گیا اور مسلمان قوم کا تنزل شروع ہو گیا۔ پہلے چھ سو سال تک مسلمانوں کو دنیا میں سیاسی غلبہ حاصل رہا۔ مگر اس کے بعد ان میں خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ اگرچہ خلافت تو ابتدا ہی میں ختم ہو گئی مگر بادشاہت کے تحت بھی اسلامی نظام چھ صدیوں تک چلتا رہا، تاہم گذشتہ آٹھ صدیوں سے مسلمان انحطاط کا شکار ہیں

مسلمانوں میں مرکزیت اور امیر کی اطاعت کا جذبہ باقی نہ رہا۔ اس کی جگہ عرض ہوا نے لے لی۔ مسلمان اپنے مشن کو قائم نہ رکھ سکے اور غیروں کے محکوم بن کر رہ گئے۔ آج بھی دنیا میں پچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں موجود ہیں مگر سیاسی لحاظ سے دوسروں کی دست نگر ہیں کیونکہ انہوں نے خلافت علی منہاج النبوۃ کا مشن فراموش کر دیا ہے۔

اسلام کے خلاف سازشیں

تاریخ اسلام سے عیاں ہے کہ ملوکیت کی ابتدا یزید سے ہوئی اور یکے بعد دیگرے مسند اقتدار پہ بادشاہ ہی آتے رہے۔ کوئی اچھا آدمی آگیا تو وقت اچھا گزر گیا، ورنہ استبداد ہی کا دور دورہ رہا۔ مسلمانوں کی باہمی کش مکش سے اغیار نے فائدہ اٹھایا۔ پہلے تاتاریوں کا سیلاب آیا جس نے مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔ پھر عیسائیوں نے بڑے مظالم ڈھائے، جب بھی موقع ملا اہل اسلام کو دباتے کی کوشش کی گذشتہ دو صدیوں میں تو ساری دنیا پہ انگریزوں کو غلبہ حاصل رہا ہے۔ انہوں نے تو مسلمانوں کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے مسلمان ریاستوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تاکہ یہ طاقت نہ بن سکیں اور وہ ان پہ آسانی سے حکومت کرتے رہیں۔ برطانیہ دو سو سال کی سازشوں کے بعد کمزور ہو گیا، تو اس کی جگہ امریکہ نے لے لی ہے۔ یہ بھی پانچ صدیاں پہلے برطانیہ سے بھاگے ہوئے انگریز ہیں۔ انہوں نے امریکہ میں تسلط حاصل کر لیا۔ اب دنیا میں امریکہ بہت بڑی طاقت ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُدھر الحادی قوت روس ہے۔ وہ بھی عیسائی تھے مگر اس کی جگہ اب کمیونزم نے لے لی ہے۔ امریکہ والے عیسائی مذہب۔ کا نام لیتے ہیں اور روس والے مذہب کو تسلیم نہیں کرتے۔ دونوں آپس میں متصادم ہیں مگر دونوں غلط کار اور اسلام کے دشمن ہیں۔ جہاں اسلام کی بات آجاتی ہے، وہاں یہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور سازشیں کرتے ہیں۔ دنیا کی چھوٹی طاقتیں ان کے ہتھکنڈوں سے سخت نالاں ہیں مگر ان کے سیاسی غلبہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔

ملوکیت اور ڈکٹیٹرشپ

بہرحال اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کا جو پروگرام اہلِ اسلام کو دیا ہے اگر یہ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو انہیں دُنیا میں سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوگا اور اگر اس نظام کو ہی ترک کر دیا اور مسلمانوں کے فالتو سرمایہ کو صحیح جگہ پر صرف نہ کیا تو اجتماعی غلبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسلام کے سیاسی غلبے کو خود مُسلمانوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس میں نہ اللہ کا قصور ہے، نہ اُس کے رسول کا اور نہ نظام کا ہے مسلمانوں نے قرآن کے پروگرام کو چھوڑ دیا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے منہ موڑ لیا اور ملوکیت کو اختیار کر لیا یا ڈکٹیٹر شپ کو اپنا لیا حالانکہ یہ تو لعنت تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے ختم کر دیا تھا۔ اس غلط نظام کے حاملین قیصر و کسریٰ ختم ہوئے تو یہی چیز مسلمانوں نے پکڑ لی۔ خلافت راشدہ کے دَور میں کسی سے ذرا بھی چوک ہوتی تو دوسرا مسلمان فوراً اعتراض اٹھاتا اور معاملہ درست ہو جاتا۔ اگر ملوکیت کے دور میں کوئی آواز بلند کرے گا تو فوراً جیل میں ٹھونس دیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی جیسے بارعب خلیفہ کے جسم پر بھی اگر زائد کپڑا نظر آتا ہے تو ایک معمولی بدو اٹھ کر اعتراض کر دیتا ہے کہ سب مسلمانوں کو ایک ایک چادر غنیمت میں ملی تھی، تم نے یہ دو چادر کی قمیص کہاں سے بنوائی۔ امیر المؤمنین نے نہ اس کا بُرا منایا اور نہ معترض کو ڈانٹا بلکہ اعتراض کے جواب میں فوراً اپنے بیٹے کو پیش کر دیا جس نے وضاحت کی کہ اُس نے اپنے حصے کی چادر اپنے باپ کو دیکر اس کا کرتہ بنوایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خلافت کا نظام تو اس نہج کا تھا مگر آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے، سرمایہ کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ قوم کی دولت سیاسی رشوت کے طور پر لٹائی جا رہی ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں کیونکہ اس حمام میں سبھی ننگے ہیں۔ ملوکیت یا ڈکٹیٹر شپ سے یہی توقع کی جا سکتی ہے جب تک خلافت کا نظام قائم نہیں ہوگا، دنیا میں نہ شر و فساد مٹ سکتا ہے اور نہ دنیا کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

فرمایا، خدا کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق

سے کے ساتھ بھیجا تاکہ اِس کو سب دینوں کے مقابلے میں غالب کر دے۔
اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہی ہے
کہ اسی کا دین دنیا میں غالب ہو مگر خود مسلمان ہی اپنی ذمہ داری پوری نہیں
کریں گے تو دین کو غلبہ کیسے حاصل ہوگا۔

درس چہاردہم ۱۴ آیت ۳۴ تا ۳۵

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ
وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ
وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو ! بیشک بہت سے عالم اور درویش البتہ کھاتے ہیں لوگوں کا مال باطل طریقے سے اور روکتے ہیں اللہ کے راستے سے ۔ اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اُس کو اللہ کی راہ میں ، ان کو خوشخبری سُنا دیں عذاب الیم کی ﴿۳۴﴾ جس دن کہ گرم کیا جائے گا اُس (سونے اور چاندی) کو جہنم کی آگ میں داغی جائیں گی ان کے ساتھ ان کی پیشانیاں کروٹیں اور پشتیں اور (کہا جائے گا) کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم خزانہ کرکے رکھتے تھے اپنے نفسوں کے لیے ۔ پس چکھو اس کا مزا جو تم خزانہ کرتے تھے ﴿۳۵﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا ذکر فرمایا تھا پھر اس جہاد کی وجوہات بھی بیان ہوئیں۔ اہل کتاب کے عقائد باطلہ کا ذکر ہوا، اور ان حیلہ سازیوں کی بات ہوئی جو وہ اسلام کو مٹانے کے لیے کرتے رہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبے کا ذکر کیا۔ پہلے اہل کتاب کے عام لوگوں کی خرابیوں کا بیان ہو چکا ہے، اب آج کے درس میں ان کے خواص یعنی عالموں اور درویشوں کی خرابیوں کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی امت کو بھی خبردار کیا گیا ہے کہ جو خرابیاں اہل کتاب میں تھیں وہ تم میں بھی پیدا ہو جائیں گی جن کے بڑے خطرناک نتائج ظاہر ہوں گے۔

اہل کتاب کی خرابیاں

یہود و نصاریٰ اہل کتاب تھے۔ یہ لوگ اللہ کے نبیوں کو جانتے اور اس کے پیغمبروں کو پہچانتے تھے، مگر جب ان میں اغراض نفسانیہ پیدا ہو گئیں، مال و جاہ کی محبت آگئی تو انہوں نے صحیح عقیدہ چھوڑ دیا۔ دین میں بگاڑ پیدا کر لیا اور اس میں طرح طرح کی بدعات نکال لیں افسوس کہ اہل اسلام کے علماء، درویش، پیر اور پیشوا بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں

ترک دنیا

ارشاد ہوتا ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ بیشک بہت سے عالم اور درویش۔ احبار، حِبر یا حَبر کی جمع ہے جس کا معنیٰ علم والا ہے۔ یہودیوں میں اہل علم شخص کو حبر کہتے ہیں اور رہبان راہب کو کہتے ہیں جس کا معنیٰ پیر، عبادت گزار، درویش یا گوشہ نشین ہے، گرجوں میں رہنے والے تارک دنیا پادری راہب کہلاتے ہیں جو دنیا سے قطع تعلق کر کے اپنا تعلق صرف اللہ سے جوڑ لیتے ہیں۔ ان میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی جو زندگی بھر نکاح نہیں کرتے بلکہ اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ رہبانیت کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں، یہ یہودیوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے

اس قسم کی خرابی مہاتما بدھ کے پیروکاروں میں بھی پائی جاتی ہے، ترک دنیا کرنے والے لوگ بدھ بھکشو کہلاتے ہیں۔ پرانے ہندوؤں میں تارک دنیا سادھو کہلاتے ہیں۔ بدھ اس نظریہ کا حامی تھا کہ جو شخص دنیا میں آلودہ ہو جاتا ہے اس کو نجات نہیں حاصل ہو سکتی۔ مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ ترکِ دنیا خلافِ فطرت ہے۔ اس نظریہ کی رو سے جب مرد و زن مجبور ہونے لگے تو وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں جو ہونا چاہیئں تھیں، بدکاری کا سلسلہ چل نکلا۔ انہوں نے رہبانیت اللہ کے لیے اختیار کی تھی مگر اس کو نباہ نہ سکے۔ حضور علیہ السلام نے تو صاف طور پر فرما دیا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی دین اسلام میں ترکِ دنیا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا کو اختیار کر کے اس کے حقوق ادا کرو، معاشرے میں رہ کر تکالیف برداشت کرو اور ان پر صبر کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے ترکِ دنیا کو پسند نہیں کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی رہبانیت جہاد میں ہے۔ جو اللہ کے راستے میں گھر سے نکلتا ہے وہ راہب ہی ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی رضا کے لیے دشمن کو مغلوب کرنے کی غرض سے اور ملّتِ اسلامیہ کی تقویت کے لیے جادہ پیمائے حق ہوتا ہے تو اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرنے والا اور کسی کے کام نہ آنے والا شخص اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔

بدعات کی ایجاد

اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء و مشائخ کی یہ خصلت بیان فرمائی ہے۔ کہ اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے عالم اور درویش ایسے ہیں، لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ مفسرین کرام نے اس قسم کے اکلِ حرام کی بہت سی تفصیلات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہید بریلویؒ نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں تصوف اور سلوک کے ضمن میں ایسی بہت سی رسومات

کا ذکر کیا ہے جو اہل بدعت، روافض اور دیگر غلط کار پیروں اور مولویوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی متوفی ۱۹۱۴ء پنجاب کے رہنے والے تھے مگر دلی میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنی تفسیر حقانی میں بہت سی بدعات کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے علیائیوں کا تعاقب بھی کیا ہے اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں بدعات پہ سیر حاصل بحث کی ہے حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے اصلاح الرسوم کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اہل بدعت کی ایجاد کردہ بدعات سے خبردار کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر حضرات نے بھی بدعات کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

اکل حرام کے طریقے

حرام خوری بہت بڑا جرم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بار بار منع فرمایا ہے سورۃ بقرہ اور نساء میں واضح حکم موجود ہے لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ اور اس کی کئی ایک صورتیں ہیں۔ مثلاً علماء اور مفتی بادشاہوں اور دیگر سرمایہ داروں کی خوشنودی کے لیے حلال پہ حرام کا اور حرام پہ حلال کا فتویٰ لگاتے ہیں اور پھر اس کے معاوضہ میں جو مال حاصل کرتے ہیں وہ اکل حرام کی مد میں آتا ہے اہل کتاب کے علماء کے اکل حرام کی ایک شکل سورۃ آل عمران میں بھی بیان ہوئی ہے یہودیوں نے یہ فلسفہ گھڑ رکھا تھا کہ وہ اہل علم ہیں لہٰذا ان کے لیے عرب کے ان پڑھ لوگوں کا مال کھانا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ عربوں میں تو کوئی ایک دو فیصدی پڑھے لکھے لوگ ہوتے تھے، ورنہ ان کی غالب اکثریت جاہل ہی ہوتی تھی۔ ان کا سارا علم زبانی یادداشت پہ ہوتا تھا۔ اور گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے وہ اسی طریقے پہ چلے آرہے تھے۔ یہودی چونکہ پڑھے لکھے اہل کتاب لوگ تھے، اس لیے انہوں نے از خود یہ فلسفہ قائم کر رکھا تھا کہ ان کے لیے عرب کے امیوں کا مال حلال ہے۔ وہ کہتے تھے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي

الْاُمِّيِّنَ سَبِيْلٌ" (آل عمران) امیوں کا مال جس طریقے سے بھی ہاتھ لگے کھا جاؤ۔ اللہ نے فرمایا یہ بڑی بیہودہ اور ظالمانہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنے علم کی بنا پر جاہل کا مال ناحق طریقے سے کھا جائے اور پھر اُسے حلال بھی سمجھے۔

یہودیوں کے عالم، جج، قاضی اور مجسٹریٹ بھی رشوت لے کر غلط فیصلے کرتے تھے۔ قاتل کو رشوت لے کر بری کر دیتے تھے اور حکومت کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتے تھے، عام لوگ بھی اُن کی اس قبیح حرکت سے واقف نہ تھے اور وہ اندر ہی اندر حرام کا یہ کاروبار کرتے تھے۔ اکلِ حرام کی یہ بھی ایک صورت یہودیوں میں رائج تھی۔

تعویذ گنڈے

یہودی علماء تعویذ گنڈوں کے ذریعے بھی حرام خوری کرتے تھے۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے تعویذ دیتے تھے۔ جھاڑ پھونک کرتے تھے اور پھر اس پر معاوضہ وصول کرتے تھے۔ کام جائز ہے یا ناجائز، انہیں اُس سے کوئی غرض نہ ہوتی تھی۔ جس نے فیس دے دی اُسی کو تعویذ لکھ دیا۔ آگے کسی کو فائدہ ہو یا نقصان، اُن کی بلا سے۔ اس قسم کا کاروبار ہمارے ہاں بھی چلتا ہے۔ نقوشِ سلیمانی، نافع الخلائق اور شیخ گوالیاری کی جواہر خمسہ قسم کی کتابوں سے ہر قسم کے شرکیہ، بدعتیہ، جائز اور ناجائز قسم کے تعویذ لکھے جاتے ہیں اور اچھی خاصی کمائی کی جاتی ہے حالانکہ کسی ثقہ بزرگ اور اہل اللہ نے کبھی غلط کام کے لیے تعویذ نہیں دیا مگر آج کے نام نہاد عامل سو فیصدی ناجائز کام کے لیے بھی سب کچھ کر گزرتے ہیں، انہیں تو اپنی فیس سے غرض ہوتی ہے۔

مذہبی رسوم

بعض مذہبی رسوم بھی ایسی ہیں جو فیس کے بغیر ادا نہیں کی جاتیں، مثلاً نکاح پڑھانے کی اچھی خاصی فیس لی جاتی ہے بلکہ جنازہ پڑھانے کا بھی نذرانہ لیا جاتا ہے۔ یہ قباحت یہود و نصاریٰ میں تھی اب ہماری امت میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کے گناہ بخشوانے کے سلسلے میں

بھی فیس کے مختلف ریٹ ہیں مقررہ فیس ادا کر کے اپنے کسی مردہ عزیز کی جان عذاب سے چھڑا لو صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں کہ بوہرہ اور داؤدی فرقے کے لوگوں میں یہ رسم بھی پائی جاتی ہے کہ ملاں جی مرنے والے کے کفن میں جبریل کے نام ایک رقعہ لکھ کر ڈال دیتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا آدمی ہے۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ظاہر ہے کہ ایسے کام کے لیے اور اتنی بڑی سفارش کے لیے معاوضہ بھی اچھا خاصا ہوگا۔ غرضیکہ اس قسم کی کتنی ہی باطل رسوم ہیں جن کے ذریعے لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھایا جاتا ہے

تبرکات کی زیارت

تبرکات کی زیارت بھی آمدنی کا اچھا خاصا ذریعہ ہے۔ مسجدوں میں یا زیارت گاہوں میں بزرگوں کے نام پر بعض تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ کسی بزرگ کی پگڑی ہے یا کسی کا جبّہ ہے۔ کہیں کسی بزرگ کی تسبیح لٹک رہی ہے، کہیں ناخن کا ٹکڑا ہے۔ یہاں لاہور میں شاہی مسجد میں بھی بعض تبرکات موجود ہیں جن کی زیارت کرانے کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ کشمیر میں موئے مبارک کے جھگڑے نے بڑا طول پکڑا تھا۔ قرآن و شریعت جاتا ہے تو جائے کچھ پروا نہیں مگر ایک بال پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ کتنے آدمی مارے گئے۔ مشہور ہے کہ یہ موئے مبارک ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کی چوری سے چونکہ آمدنی بند ہو گئی اس لیے اس کی بازیابی کے لیے حکومتی سطح پر سب کچھ کرنا پڑا۔ یہ تمام حیلے بہانے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھایا جاتا ہے۔

ایصالِ ثواب

ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کے نام پر بھی لوگوں کا مال ہضم کیا جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایصالِ ثواب ملتِ ابراہیمیہ کا مسلمہ اصول ہے مگر مرنے والے کو ثواب تو جبھی پہنچے گا جب حلال مال میں سے سنت کے مطابق خرچ کیا گیا ہو۔ ایسے مال کا صحیح مصرف غربا و مساکین کو کھلانا اور پہنانا، طلباء کو کتابیں مہیا کرنا، مساجد و مدرسہ کی تعمیر، پانی کا انتظام

اور دیگر ضروریات کی بہم رسانی وغیرہ ہے۔ اگر دیگیں پکا کر غریبوں کی بجائے امیروں اور رشتہ داروں کو کھلا دیا جائے گا تو اس سے مرنے والوں کو کیا ثواب ہوگا۔ فوتیدگی کی تمام رسومات میں امرا بھی شریک ہوتے ہیں، حالانکہ یہ غریبوں کا حق ہے تو ایسے میں ثواب کی امید رکھنا کہاں تک درست ہے؟

ایصالِ ثواب کے لیے قرآنی خوانی کا ایک آسان طریقہ نکل آیا ہے حافظ صاحب کے پاس جاؤ کہ ہم نے مرے کو ایصالِ ثواب کے لیے قرآنی خوانی کرانی ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے کتنے قرآن پہلے ہی پڑھ رکھے ہیں جتنے ضرورت ہے لے جاؤ، صرف اتنی فیس ادا کرو۔ ہم اتنے قرآنِ پاک کا ثواب تمہارے فوت شدہ کو ہبہ کیے دیتے ہیں۔ کہو تو اتنے نفل پڑھ دیں گے۔ یا اتنے روزے رکھ دیں گے، ہماری فیس دے دو۔ اور ثواب لے جاؤ۔ اس قسم کی دکانداریاں چل رہی ہیں۔ کہیں سوئم ہے اور کہیں چالیسواں ہے۔ دیگیں پکیں گی، برادری والے کھا جائیں گے اور ثواب مرے کے کھاتے میں ڈال دیں گے۔ جتنی زیادہ فیس دو گے مولوی صاحب اتنا لمبا ختم پڑھ کر مرنے والے کو بخش دیں گے۔

فوتیدگی کی رسوم

۱۹۹۲ء کا واقعہ ہے، ہمارے ایک واقف کار لاہور میں محنت، مزدوری کرتے تھے بیوی بیمار ہوگئی اور پھر فوت ہوگئی، پیچھے ایک چھوٹا بچہ رہ گیا۔ اس کی طرف سے بڑی پریشانی تھی کہ اس کی پرورش کیسے ہوگی۔ وہ صاحب اپنے سسرال کے ہاں رہتے تھے، بیوی کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ کچھ وہاں خرچہ ہوگیا اور باقی رسم سوئم پر اٹھ گیا۔ چوتھے دن جب مزدوری کے لیے گھر سے نکلنے لگے تو ساس اور سسر نے روک لیا، کہنے لگے آگے چہلم آرہا ہے اس کے لیے تین سو روپے کا انتظام کرو۔ اس بیچارے نے گھر کے برتن بیچ کر تین سو مہیا کیے تو ان کی جان چھوٹی وہ بیچارا بیوی سے محروم ہوا، بچے کی فکر دامن گیر ہوئی اور اوپر سے رسومات نے کمر توڑ دی

آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہودی اور عیسائی بھی مذہبی رسومات کے نام پر لوگوں کا مال کھاتے تھے اور آج آخری امت کے علماء اور پیر بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لیے کھانا تیار ہوا ہے مگر امیر غریب سب کھا رہے ہیں حالانکہ یہ صرف غریب کا حق ہے اور امراء کے لیے مکروہ تحریمی کے درجے میں ہے۔ بھائی! کسی مستحق کو کھلا دو، کپڑا پہنا دو یا ضرورت کی دوسری چیزیں دے دو تو کچھ فائدہ بھی ہوگا۔ صاحبِ حیثیت لوگوں کو اعلیٰ درجے کے کھانے کھلانے سے مردے کو کیا فائدہ ہوگا؟

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مردے کے کفن دفن کے بعد سب سے پہلے اس کا ترکہ تقسیم کرو۔ ہر ایک وارث کا حق متعین کرو۔ قبل از تقسیم میت کے مال میں سے ایصالِ ثواب جائز نہیں۔ خاص طور پر اگر اس مال میں چھوٹے بچوں کا حصہ بھی ہے۔ تو ایسے مال کا خرچ کرنا حرام ہے۔ سوئم ساتا یا چہلم ہو مشترکہ مال سے خرچ کرنا ثواب کی بجائے گناہ کا احتمال ہے ہاں اگر بالغ آدمی اپنے جائز مال میں سے خرچ کرے گا تو ایصالِ ثواب ہوگا اس کا طریقہ یہ ہے کہ حلال کمائی سے اس نیت کے ساتھ صدقہ خیرات کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب مرنے والے کو عطا کرے تو درست ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب رسمیں ہیں اور محض مال کھانے کا ذریعہ ہیں۔ ایصالِ ثواب کی آڑ میں قبر پرستی ہو رہی ہے، عرس منعقد ہوتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں، تقریب لغیر اللہ کے لیے نذریں مانی جا رہی ہیں یہ سب حرام خوری ہے۔ اہلِ کتاب بھی کرتے ہیں اور ہماری امت کے لوگ بھی کر رہے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو خبردار کر دیا۔ کہ تم بھی اُن کی طرح نہ ہو جانا۔

اللہ کے راستے سے روکنا

فرمایا ایک تو یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسرا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے سے روکتے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی غلط کام کریگا۔ باطل رسومات ادا کریگا اور ان کی طرف دعوت دیگا وہ دراصل صحیح راستے سے روک رہا ہے۔ جو کوئی شخص بدعت کی طرف بلا رہا ہے، وہ اللہ کے راستے سے روک کر ہی باطل کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ علماء سوء کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ سیدھے راستے کو چھوڑ کر بدعات اور باطل رسوم میں پھنسے رہیں اور اُن کا پیٹ بھرتا رہے اُن کو نذرانے آتے رہیں اور یہ کاروبار چلتا رہے۔ لوگ جہنم میں جاتے ہیں، تو جائیں پیر صاحب کی نذر ونیاز پہنچنی چاہیئے۔ اسی لیئے مفسرین کرام فرماتے ہیں جو آدمی غلط کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے عمل کے ذریعے لوگوں کو راہِ راست سے روک رہا ہے۔ اہل ایمان کو بڑا محتاط رہنا چاہیئے، کہ کوئی ایسا نہ ہونے پائے جو دین حق سے نفرت کا باعث بنے بہر حال باطل کی طرف دعوت دینا اور اس کی تشہیر کرنا اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔

جمع مال و دولت

فرمایا وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اُن کو عذاب الیم کی بشارت سنادو۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے۔ سونا چاندی انسانوں کے لیئے مرغوب چیز رہا ہے۔ ہر شخص اسے اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا میں کار آمد ہے۔ اگرچہ اس سے عاقبت خراب ہی ہو جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز کی تعریف میں آتا ہے۔ امام بیضاویؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مال میں جو بھی کسی کا حق بنتا ہے، اگر وہ ادا نہیں کیا گیا، تو وہ مال اس آیت کریمہ کی رو سے خزانہ تصور ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے اقربا کو لازمی خرچہ ادا نہیں

کرتا، ایک آدمی بھوکا مر رہا ہے اور دولت مند اس کی حاجت برآری نہیں کرتا، ننگے کو کپڑا نہیں پہناتا تو اس کا مال کنز میں شمار ہو کر عذاب الیم کا باعث بنے گا۔ اسی طرح مال موجود ہونے کے باوجود صدقہ فطر ادا نہیں کرتا، قربانی نہیں دیتا، استطاعت ہے تو حج نہیں کرتا، یتیم، مسکین، مسافر اور بیوہ کی مدد نہیں کرتا تو اس کا مال خزانہ متصور ہوگا اور وہ شخص اس آیت کی وعید میں آئے گا۔

بخیل کے لیے عذاب

اپنے مال کا حق ادا نہ کرنے والے بخیل کے متعلق فرمایا یَوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ جس دن گرم کیا جائے گا اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں فَتُکۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ اور اس سے داغا جائے گا ان کی پیشانیوں کو اور پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو۔ ان کے ساتھ یہ سلوک میدان حشر میں ہوگا اور کب تک ہوتا رہیگا۔ اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں آتا ہے سَیُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ جس مال میں بخل کیا، حق ادا نہیں کیا اس کو گنجے سانپ کی شکل میں گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا جو بخیل کو ڈسے گا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہے گا۔ اَنَا کَنۡزُكَ اَنَا مَالُكَ میں تیرا خزانہ اور مال ہوں جسے تو نے دنیا میں جمع کر کے رکھا، اب اس کا مزا چکھو۔ سونے چاندی کا حق ادا نہیں کیا تو اسے گرم کر کے جسم کو داغا جائیگا اور اگر جانوروں کا حق ادا نہیں کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن مالک کو نیچے لٹایا جائے گا اور اس کے جانور اسے پاؤں سے پامال کریں گے اور منہ سے کاٹیں گے اور سینگ ماریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیگا۔ بہرحال اس کی تفصیلات قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

فرمایا هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ اللہ فرمائے گا یہی وہ

خزانہ ہے جو تم نے جمع کیا تھا کہ دُنیا میں اس سے فائدہ اٹھاؤ گے، تم نے حلال و حرام میں تمیز نہ کی، بس مال جمع کرنے کی دھن میں لگے رہے فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ اب اس کا مزا چکھو جو کچھ تم جمع کرتے رہے، تم نے دُنیا میں اس مال کا حق ادا نہ کیا، آج یہی مال تمہارے لیے وبالِ جان بن گیا ہے۔

درس پانزدہم ۱۵ — آیت ۳۶ تا ۳۷

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي
كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا
فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا
يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾
إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ
الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ
لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ع ۵/۸ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ :۔ بیشک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ
مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جس دن سے کہ پیدا کیا ہے اُس
نے آسمانوں اور زمین کو ، اور اِن (مہینوں) میں سے چار (مہینے)
حرمت والے ہیں یہ دین ہے مضبوط ، پس نہ ظلم کرو ان (مہینوں)
میں اپنی جانوں پر اور لڑو شرک کرنے والوں سے پورے کے
پورے جیساکہ وہ تمہارے ساتھ لڑتے ہیں پورے کے پورے ۔
اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے (۳۶) بیشک

مہینے کو پیچھے ہٹا دینا زیادتی ہے کفر میں۔ گمراہ کیے جاتے ہیں
اس کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ حلال ٹھہراتے ہیں اِن
کو ایک سال اور حرام ٹھہراتے ہیں اس کو ایک سال تاکہ پوری
کر لیں گنتی اس کی جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ پھر حلال
کر لیتے ہیں جس کو اللہ نے حرام بنایا ہے۔ مزین کیے گئے ہیں
ان کے بُرے اعمال اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اُن لوگوں کی
جو کفر کرنے والے ہیں۔ (۳۷)

ربط آیات

پہلی آیات میں اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا۔ اللہ نے کافروں اور مشرکوں کے ساتھ جہاد کرنے کے بعد اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ نیز فرمایا کہ اگر وہ مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیں تو اُن کو امن حاصل ہو گا۔ اللہ نے اُن کے عقائدِ فاسدہ کا ذکر بھی کیا کہ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جب کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں پھر اللہ نے فرمایا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر اہل کتاب کی بدنصیبی کہ انہوں نے یہ صفت اپنے عالموں اور درویشوں کے لیے ثابت کی۔ اہل کتاب کی ایک خرابی یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ دینِ حق کو مٹانے کے لیے مختلف قسم کے حیلے کرتے ہیں، گویا اس چراغ کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اس دین کو مکمل کرے چاہے کافر لوگ اسے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ نے دینِ اسلام کے غلبے کا ذکر کیا کہ اُس نے اپنے آخری نبی کو اس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب بنا دے۔ یہ غلبہ دلیل اور برہان کے لحاظ سے بھی ہے اور سیاسی قوت کے لحاظ سے بھی۔ اس کے بعد اہل کتاب کے علماء اور درویشوں کے متعلق فرمایا کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ اکثر لوگ مال جمع کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قیامت کو اُن کا جمع شدہ سونا چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا۔

اور اس سے اُن کی پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں کو داغا جائیگا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا خزانہ جسے تم نے دُنیا میں جمع کیا اور اس کے حقوق ادا نہ کیے۔ دوسری آیت میں بخل کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے مال گنجے سانپ کی شکل میں متشکل کر کے ان کے گلے میں ڈال دیے جائیں گے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں جسے جمع کرتا تھا مگر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تھا۔

حلت و حرمت کا اختیار

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار حرمت والے مہینوں کا ذکر کیا ہے اور مشرکین کی اس قبیح حرکت کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے وہ حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں سے از خود تبدیل کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے۔ اہل کتاب مختلف اشیاء کی حلت و حرمت میں دخل اندازی کرتے تھے جب کہ مشرکین اللہ کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں میں ادلا بدلی کر لیتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلْحَلَالُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ حلال وہ ہے جو اللہ نے حلال قرار دیا ہے وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ کوئی انسان از خود کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانے یا اُسے تبدیل کرنے کا مجاز نہیں۔ حضرت نعمان بن نوفل کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا، حضور! اگر میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں اور اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتا ہوں تو کیا مجھے نجات مل جائے گی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، تو نجات کا حقدار ہو جائیگا۔ مقصد یہ کہ حلت و حرمت کا مکمل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، جو کوئی یہ صفت غیر اللہ میں مانے گا، وہ مشرک ہوگا اور مجرم بنے گا۔

اسلامی کیلنڈر

یہاں پر مختلف مہینوں کی حلت و حرمت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ
بے شک اللہ کے ہاں اور اس کے حکم کے مطابق مہینوں کی گنتی بارہ
مہینے ہے اور یہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ اُس دِن سے یہی کیلنڈر مقرر ہے۔
یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس دِن سے اللہ تعالیٰ نے
آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے
نظام شمسی قائم کیا ہے۔ سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کی ہے۔ اور
پھر ان بارہ مہینوں میں مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ چار مہینے حرمت والے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں مہینوں کو ادب والے مہینے قرار دے کر
ان کے دوران جنگ وجدال کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے دور سے لے کر اُنکی ملّت کا یہ اہم اصول رہا ہے کہ ان حرمت والے
مہینوں میں ہر ایک کو امن وامان حاصل ہوگا۔ اور کوئی ایک دوسرے
کے خلاف تعرض نہیں کریگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت
اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں یہ اصول ڈیڑھ ہزار سال تک قائم رہا۔ ان مہینوں
کی حرمت کو برقرار رکھا جاتا رہا مگر حضور علیہ السلام کی بعثت سے چار یا ساڑھے
چار سو سال پہلے اِن مہینوں کی حرمت میں گڑبڑ واقع ہونی شروع ہوگئی اور لوگ
ان میں تغیر وتبدل کرنے لگے۔

تمام اقوام اور اہل مذاہب سال بھر کے بارہ مہینے تسلیم کرتے ہیں۔ اور
یہ نظام اُس وقت سے قائم ہے جب سے اللہ نے آسمان و زمین
کو پیدا کر کے نظام شمسی قائم کیا ہے۔ کیلنڈر دنوں، ہفتوں، مہینوں اور پھر
سالوں کے ذریعہ بنتا ہے۔ البتہ یہ حساب دو طریقے سے دنیا پر رائج ہے
ایک تقویم شمسی حساب کے ساتھ ہے جب کہ دوسری قمری حساب سے
ان دونوں میں سے کون سا حساب آسان ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ
کہ قمری تقویم فطری ہے۔ کوئی جاہل آدمی اگر کسی جنگل یا سمندر کی سطح پر بھی ہے

جہاں اُس کے پاس مہینہ کی تکمیل معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تو وہ ہر نئے چاند کے طلوع پر معلوم کرلے گا کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر نیا مہینہ شروع ہو گیا ہے برخلاف اس کے محض سورج کو دیکھ کر کوئی شخص از خود اندازہ نہیں لگا سکتا کہ مہینہ کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا، تا وقتیکہ مہینے کی ابتدا اور اختتام کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قمری تقویم زیادہ آسان اور فطرت کے مطابق ہے۔

حرمت والے مہینے

فرمایا اللہ کے نزدیک سال بھر میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ اُن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں کہ اُن کا ادب و احترام کیا جاتا ہے اور ان میں لڑائی جھگڑا نہیں کیا جاتا ہے اِن چار مہینوں کے نام قرآن پاک میں تو نہیں ہیں البتہ اُن کی تشریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ ان چار میں سے تین مہینے تو اکٹھے آتے ہیں۔ یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ ان چار میں سے حج کا موسم بھی اول الذکر تین مہینوں میں پڑتا ہے، چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینے محترم سمجھے جاتے تھے اس لیے اِس دوران لوگوں کی آمد و رفت عام ہوتی تھی۔ کوئی مسافر خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا۔ تجارتی اور عام قافلے بلا خوف و خطر سفر کرتے تھے اور اس طرح حج کا سفر بھی بخیر و خوبی انجام پاتا تھا۔ فرمایا ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی مضبوط دین ہے۔ ملت ابراہیمی کا یہ اٹل اصول ہے کہ حرمت والے مہینوں میں کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی۔ فرمایا فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ پس ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ جان پر ظلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے، اُس کے حکم کو توڑ کر گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤ۔ دراصل معصیت میں گرفتار ہو کر عذاب الٰہی کا مستحق بننا خود اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے

کی جان پر ظلم کرتا ہے، اُس کو جسمانی، ذہنی یا مالی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ بھی دراصل اُس کی اپنی جان پر ظلم ہوتا ہے کیونکہ اُسے بالآخر اس ظلم کا بدلہ چکانا ہوگا۔

تخصیص کی وجہ

مفسرین کرام نے یہاں پر یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ ظلم تو مطلقاً حرام ہے۔ پھر یہاں پر ان چار مہینوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گناہ کرنا کسی وقت اور کسی مقام پر بھی حرام ہے مگر حرم شریف میں اس کا ارتکاب زیادہ سنگین اور ڈبل سزا کا موجب ہے۔ اسی طرح عام گلی، بازار میں گناہ کرنے سے مسجد میں گناہ کرنا زیادہ سنگین جرم ہے۔ اس کی ایک مثال سورۃ لبقرہ میں یوں بھی آتی ہے "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" حج کے مہینے معلوم ہیں۔ "فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" پس جو کوئی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ لے پھر وہ نہ کوئی شہوانی بات کرے، نہ گناہ کا ارتکاب کرے اور نہ جھگڑا فساد کرے۔ یہاں بھی یہی بات ہے کہ جھگڑا فساد اور معصیت تو ہر وقت حرام ہے، پھر احرام کی حالت میں اس کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ ان ایام میں گناہ کی سنگینی بڑھ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا حضور! بڑا گناہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ۔ حالانکہ اُس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ عرض کیا اس کے بعد بڑا گناہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ زنا تو بذات خود ایک عظیم جرم ہے مگر جب اپنے پڑوسی کے گھر پر ڈاکہ ڈالا جائے تو اس کی سنگینی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ پڑوسی کا ایک دوسرے پر بڑا حق ہوتا ہے۔ اگر ایک پڑوسی دوسرے کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کی عزت

کی حفاظت کی بجائے اُسے برباد کرتا ہے تو عام حالات کی نسبت اسکے جرم کی نوعیت بڑھ جاتی ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ حرمت والے مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

قمری تقویم کی تقدیم

امام رازیؒ فرماتے ہیں، چونکہ حرمت والے مہینوں کا تعلق قمری تقویم سے ہے اس لیے یہاں سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ حساب کتاب میں قمری تقویم کو اولیت دینی چاہیئے۔ اگر شمسی حساب سے بھی کیلنڈر بنانا ضروری ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم اولیت قمری کیلنڈر کو ہی حاصل ہونی چاہیئے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے تمام احکام شرعیہ کا مدار قمری مہینوں پر ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، روزے حج اور عدت وغیرہ قمری مہینوں کے حساب سے ہی پورے کیے جاتے ہیں لہٰذا قمری تقویم کو بالکل ترک کر کے صرف شمسی تقویم پر انحصار کرنا مکروہ تحریمی میں داخل ہے۔ ایسا کرنے والے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ انگریزی کیلنڈر کے علاوہ ہندوؤں کا بکرمی سنہ، پارسیوں کا فصلی سنہ اور رومیوں کا اپنا کیلنڈر بھی چلتا ہے۔ تاہم اولیت قمری تقویم کو حاصل ہے اور یہی فطری تقویم ہے۔

ادلے کا بدلہ

فرمایا یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان میں لڑائی بالکل حرام ہے اور اگر مشرکین ان مہینوں کا احترام نہ کریں وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً تو پھر مشرکوں کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ ٹکرا جاؤ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً جس طرح وہ تمہارے ساتھ پوری طرح جنگ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ آمادہ بر لڑائی ہوں تو پھر مسلمانوں کو بھی اجازت ہے کہ وہ بھی پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں۔ سورۃ بقرہ میں ہے "اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ" حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے مقابل ہے۔ اور تمام حرمتوں کا

بدلہ ہے۔ "فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ" پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کے مطابق زیادتی کرو۔ مقصد یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں کا تقدس اسی وقت تک قائم ہے جب تک مشرک بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو پھر ان کی سرکوبی کرنے کے لیے تم سے بھی لڑائی نہ کرنے کی قید اٹھ جائے گی فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نصرت متقیوں کے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم کا جس قدر احترام کرے گا، اسی درجے میں اسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوگی۔

حرام مہینوں کا تبادلہ

حرمت والے مہینوں کا تقدس و احترام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس خرابی کا ذکر فرمایا جو وہ اس سلسلے میں کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِی الْكُفْرِ بیشک مہینے کو پیچھے ہٹا دینا کفر میں زیادتی ہے۔ نسی، نسئی موخر کرنے کو کہتے ہیں کسی چیز کا آگے پیچھے کر دینا۔ یہاں پر نسی سے مراد حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا ہے يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کافر لوگ اسی نسی کے ذریعے گمراہ کیے گئے یعنی اللہ کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں میں ادلا بدلی کر کے کافر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک تو حرمت والے مہینوں کا پوری طرح احترام کیا جاتا رہا مگر اس کے بعد مشرکین نے گڑبڑ کرنی شروع کر دی، اگر وہ کسی حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا چاہتے تو حج کے موقع پر متعلقہ قبیلے کے سردار اعلان کر دیتے کہ اس سال حرمت کا فلاں مہینہ فلاں مہینے کے ساتھ بدل جائیگا۔ اس طرح وہ اصل محترم مہینے کی حرمت کو پامال کر کے اسی میں لڑائی لڑتے اور اس حرمت کو کسی دوسرے مہینے پر موخر کر دیتے

اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ان کے کفر میں اضافہ کا باعث ہے، کافر تو پہلے ہی ہیں۔ اب ان کے کفر میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا یُحِلُّونَهُ عَامًا وَّيُحَرِّمُونَهُ عَامًا اسی نسی کے ذریعے وہ ایک ہی مہینے کو کسی سال حلال ٹھہرا لیتے ہیں اور کسی سال حرام قرار دے لیتے ہیں۔ حلت و حرمت کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر انہوں نے اس کو از خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بالکل ایسا ہی کام ہے۔ جیسا یہود و نصاریٰ نے حلت و حرمت کا اختیار اپنے عالموں اور درویشوں کو تفویض کر رکھا تھا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ تاکہ اُس گنتی کو پورا کر لیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ پس وہ حلال کر لیتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ نے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینوں کو حرام قرار دیا ہے تو انہوں نے اُن کی بجائے بعض دوسرے مہینوں کو حرام قرار دے دیا اور ان مہینوں کی حرمت کو گول کر گئے۔ فرمایا یہ بات کفر میں زیادتی کا موجب ہے۔

شمسی اور قمری تقویم میں مطابقت

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام پر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ قمری سال شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے اور اس طرح تین سال میں ایک پورے ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ دونوں تقویموں میں اس فرق کو پورا کرنے کے لیے بعض لوگ ہر تین قمری سالوں کے بعد قمری تقویم میں ایک ماہ کا اضافہ کر لیتے ہیں تاکہ شمسی اور قمری سال برابر رہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہر تین قمری سال بعد ایک ماہ لیپ LEAP کا بڑھا دیا جاتا ہے تو شاہ صاحب نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ کیا ایسا کرنا نسی کی زد میں تو نہیں آتا جسے اللہ تعالیٰ نے کفر میں زیادتی قرار دیا ہے۔ امام رازیؒ اور بعض مفسرین ایسا کرنے کو بھی نسی میں داخل کرتے ہیں حالانکہ حق بات یہ ہے کہ ایسا کرنا محض حساب کتاب کی تکمیل ہے اور اسمیں

کسی مہینے کی حلت وحرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا اس قسم کا اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس انتظام کو کبیسہ کہتے ہیں اور یہ قدیم یونانیوں اور ایرانیوں کے ہاں بھی رائج تھا۔ لہٰذا عام مفسرین کے نزدیک یہ نسی میں داخل نہیں۔

برے اعمال کی تزئین

فرمایا زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔ وہ غلط کام کر رہے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ دیا۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی، اس کی منشاد کے خلاف کام کیا مگر اسی زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی بلکہ چار حرمت والے مہینوں کی بجائے چار دوسرے مہینے مقرر کر کے انہوں نے گنتی پوری کر دی ہے اور اس طرح اللہ کے احکام کی تعمیل بھی کر دی ہے۔ سورۃ انعام میں بھی ہے" وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ " وہ جو کچھ الٹا سیدھا کام کرتے تھے شیطان اس کو مزین کر کے دکھاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت اچھا اور نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ آج بھی بزرگوں کی تعظیم کے نام پر شیطان کتنے ہی شرکیہ کام لوگوں سے کرواتا ہے۔ قبروں پر سجدے ہو رہے ہیں، مرادیں مانگی جا رہی ہیں، چادریں چڑھتی ہیں، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے۔ یہ سب بزرگوں کی تعظیم کے نام پر شیطان کرواتا ہے اور لوگ اسے ثواب دارین سمجھ کر کر رہے ہیں۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں اور وہ انہی میں مگن ہیں اور نہیں جانتے کہ کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ کافر لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ جو کفر میں بڑھ جاتے ہیں ان کی واپسی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور پھر وہ زندگی بھر کفر کے

اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی ہدایت کی طرف واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ نساء میں اللہ کا فرمان ہے
"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ" پھر جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں، ادھر ہی جانے کی توفیق دے دیتے ہیں اور اسے ہم جہنم میں پہنچا دیتے ہیں وَسَاءَتْ مَصِيرًا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اگر کفر و شرک میں مبتلا کوئی شخص توبہ نہیں کرتا، حق و صداقت کو قبول نہیں کرنا چاہتا، گمراہی میں پڑا ہوا ہے، تو ایسا شخص اپنے برے اعمال کو اچھا سمجھ رہا ہے اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کی ہرگز راہنمائی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کو ہدایت نصیب ہوتی ہے، وہ گندگی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ
انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى
الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ
فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا
قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم بوجھل ہوئے جاتے ہو زمین کی طرف۔ کیا تم راضی ہو چکے ہو دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر۔ پس نہیں ہے نفع دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلے میں مگر بہت تھوڑا ﴿۳۸﴾ اگر تم نہ کوچ کرو گے تو سزا دے گا وہ (اللہ) تم کو دردناک، اور تبدیل کر دے گا تمہاری جگہ دوسری قوم کو اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۳۹﴾

سابقہ مضامین کا خلاصہ

سورۃ ہذا کی ابتدا مشرکین سے برأت اور اُن کے خلاف اعلانِ جنگ سے ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مانعاتِ جہاد کا ذکر کیا۔ کفر اور شرک کرنے والوں کی خرابیاں بیان فرمائیں جن کی وجہ سے اِن کے خلاف جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر اُن کے ساتھ دوستانہ

کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اللہ نے اہلِ ایمان کو مستعد رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا خود بھی امتحان لے گا اور مجاہدین اور کمزوروں کو ممتاز کریگا۔ پھر اللہ نے ایمان والوں کو مختلف طریقوں سے دی جانے والی امداد کا ذکر کیا۔ مشرکین کو بیت اللہ شریف کے قریب آنے سے منع فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ اس سال کے بعد حج کے لیے نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائیں کہ وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، نیز یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ ہی دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے خلاف جہاد ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کرنے لگیں، ایسی صورت میں امن و امان حاصل ہو جائیگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقائد باطلہ کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ شرک کی بدترین قسموں میں مبتلا ہیں۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا اور عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں ابنیت کا عقیدہ اختیار کیا۔ یہ لوگ اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے تھے، لہٰذا اللہ نے اِن کی طرف سے مسلمانوں کو خبردار کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کے عمومی غلبہ کا ذکر فرمایا۔ اُس نے اپنے نبی علیہ السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ اسلام کے سچے دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پھر اہل کتاب کے خاص گروہ یعنی اُن کے علماء اور درویشوں کا ذکر کیا کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ مال کو جمع کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ فرمایا کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ مگر اہل کتاب نے یہ اختیار اپنے علماء اور درویشوں کو سونپ رکھا ہے، اُن

کے خلاف جہاد کرنے کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔ فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اسی طرح تبدیل کر دیتے ہیں جس طرح مشرکین، حرمت والے مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اللہ نے سال بھر میں چار مہینے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو حرمت والے مہینے قرار دیا ہے جن کے دوران لڑائی بھڑائی کو منع فرمایا ہے، مگر مشرکوں کا حال یہ ہے جب وہ کسی حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا چاہتے تو اس مہینے کو کسی دوسرے مہینے سے تبدیل کر دیتے اور اپنی خواہش پوری کر لیتے۔ فرمایا یہ بھی کفر کی بات ہے اور تحلیل و تحریم کا اختیار غیر اللہ کو سونپ دینا بھی کفر ہے۔ بہر حال آج کی آیات سورۃ کے ابتدائی مضمون کے ساتھ مربوط ہیں آج کی آیات جنگ ہی کے ضمن میں غزوۂ تبوک سے متعلق تمہیدی آیات ہیں، آگے اس واقعہ کی تفصیل بیان ہوگی۔

غزوہ تبوک کا پس منظر

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد شوال میں غزوۂ حنین پیش آیا اس کے بعد مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کیا اور پھر جب حضور علیہ السلام وہاں سے لوٹے تو ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے لیے اعلان فرما دیا۔ اس جنگ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ رومیوں کے بادشاہ ہرقل کے خوشامدیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ عرب کا مدعی نبوت فوت ہو چکا ہے۔ ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے، ملک میں قحط سالی کا دور دورہ ہے لہٰذا سرزمین عرب پر حملہ کرنے کا یہ بہترین وقت ہے اس زمانے میں مصر، شام، فلسطین، حمص اور ایشائے کوچک کے اطراف میں رومیوں کا تسلط تھا۔ اور وہ سرزمین عرب پر بھی اپنا تسلط جمانا چاہتے تھے۔ یہ وہی ہرقل ہے جس کی طرف حضور علیہ السلام نے اسلام کا دعوت نامہ بھی بھیجا تھا مگر یہ اس کی بدبختی تھی کہ اپنی بادشاہت کے تحفظ کی خاطر اس نے ایمان قبول نہ کیا۔

طائف سے واپسی کے وقت مدینہ شریف کے جو حالات تھے

اُن کا پتہ مسلم شریف کی روایت سے چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت ہم پر کچھ دہشت طاری تھی کیونکہ رومیوں کی طرف سے جنگی تیاریوں کی مسلسل خبریں آرہی تھیں۔ چنانچہ ہرقل نے کباد نامی ایک شخص کی کمان میں چالیس ہزار کا ایک لشکر عرب پر حملہ کرنے کے لیے دے دیا۔ شام کے علاقے میں عربوں کے بعض قبائل مثلاً لخم، عاملہ، غسان، اور جذام وغیرہ آباد تھے جنہوں نے عیسائیت قبول کر رکھی تھی اور وہ رومیوں کے ماتحت تھے۔ ان میں غسان کے بادشاہ بڑے مشہور تھے شاہ ہرقل نے ان قبائل سے بھی امداد حاصل کی اور جنگی تیاریاں پورے زور وشور سے کرنے لگا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ دشمن مدینہ پر حملہ کرتا حضور علیہ السلام نے طائف سے واپسی پر فوراً اعلان کر دیا کہ دشمن کے ساتھ اُس کی سرحد پر جا کر جنگ لڑی جائے گی۔

جنگ کے لیے تیاری

غزوہ تبوک سے پہلے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں حضور علیہ السلام کسی خاص مقام کی طرف کوچ کرنے کا صراحت کے ساتھ اعلان نہیں فرماتے تھے بلکہ صرف اس قدر بتاتے تھے کہ جہاد کے لیے جانا ہے۔ تبوک کا معرکہ پہلا واقعہ ہے جب آپ علیہ السلام نے روانگی سے کئی ماہ پیشتر ہی تیاری کا حکم دے کر منزلِ مقصود کی وضاحت بھی فرما دی۔ آپ نے اطراف کے قبائل کی طرف بھی آدمی بھیج کر جنگ کی تیاری کا پیغام بھیجا جس کے جواب میں جنگ کی تیاری زور شور سے شروع ہو گئی۔ چونکہ قحط سالی کا زمانہ تھا، لوگوں کی مالی حالت کمزور تھی اس لیے مجاہدین کے لیے مطلوبہ سواریاں بھی میسر نہیں آرہی تھیں۔ روایت میں آتا ہے کہ چھ چھ یا دس دس آدمیوں کے حصے میں ایک ایک سواری آئی تھی۔ سامانِ جنگ اور خورد ونوش کی بھی قلت تھی، تاہم نبی علیہ السلام نے اس جہاد کے لیے پختہ ارادہ فرما لیا۔

چونکہ اس جہاد پہ روانگی کے ایام مسلمانوں پر تنگی کے دن تھے اس لیے اس غزوہ کو جیش ذات العسرۃ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے یعنی تنگی والا جہاد۔ اس جہاد کے لیے حضور علیہ السلام نے تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا۔ بعض مورخین نے چالیس ہزار اور اکسٹھ ہزار کا ذکر بھی کیا ہے تاہم اس لشکر کی تعداد تیس ہزار سے کم نہ تھی۔

منافقین کا کردار

اس واقعہ میں منافقین کی کمزوری اور ان کی رسوائی کا بیان بھی آیا ہے اس لیے اس غزوہ کا ایک نام غزوۂ فاضحہ بھی ہے۔ چنانچہ یہاں سے لے کر واقعہ کے آخر تک منافقین کا حال بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ لوگ حیلے بہانے سے جنگ سے گریز کرنے کی کوشش کرتے رہے آپ علیہ السلام نے ان سے تعرض نہیں کیا مگر تمام مخلص مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جنگ میں ضرور شریک ہوں۔ اس جنگ میں پیچھے رہنے والوں میں صرف معذور آدمی تھے یا وہ تین توانا آدمی بھی تھے جو بلا عذر پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اشخاص پر بڑی سختی آئی جس کا ذکر اسی سورۃ میں موجود ہے پھر ان لوگوں کی توبہ بڑی مشکل کے ساتھ قبول ہوئی۔ اس سورۃ کا نام توبہ اسی مناسبت کے ساتھ ہے۔ بہرحال اس موقع پر جو لوگ کمزوری دکھا رہے تھے یا تنگی کی وجہ سے گھبراتے تھے اللہ نے ان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر تم اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کا کوئی دوسرا ذریعہ پیدا فرما دیگا۔ اور تمہارا حشر بہت برا ہوگا۔ آگے اللہ نے منافقین کی صریح طور پر ملامت کی ہے اور ان کی فضیحت (ذلت) کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی دل شکستگی

الغرض! غزوۂ تبوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہید اس طرح اٹھائی ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے

کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو۔ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ تو تم زمین کی طرف بوجھل ہوئے جاتے ہو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا غزوہ تبوک کے اعلان کے وقت حالت یہ تھی کہ مسلمان قحط سالی کا شکار تھے، لمبا سفر درپیش تھا، وسائل کی کمی تھی، کھجور کی فصل بھی پک چکی تھی جس کی برداشت مطلوب تھی مگر مسلمانوں کے لیے روانگی کا اعلان ہو چکا تھا۔ دوسری طرف ایک بڑی، مستقل اور منظم سلطنت کے ساتھ ٹکر تھی جس کی وجہ سے بعض ذہنوں میں شکستگی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اے اہلِ ایمان! ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے بد دل نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہو۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت تو منسوخ ہو گئی تھی کیونکہ خود مکہ معظمہ دارالاسلام بن چکا تھا۔ البتہ جہاد کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کی ضرورت تھی۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا عام حکم تھا۔ اِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا یعنی جب بھی تم سے جہاد کا مطالبہ کیا جائے فوراً چل پڑو اور کوئی پس و پیش نہ کرو۔ یہاں یہ فرمایا کہ جہاد کے نام پر تم زمین کی طرف بوجھل ہوئے جاتے ہو جیسے کوئی شخص زیادہ بوجھ پڑ جانے کی وجہ سے نیچے جھک رہا ہو۔ اس قسم کی مثال سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو صاحب کرامت بنایا تھا مگر وہ مادی مفاد، شہوانی تصورات اور تعیش کی طرف جھک گیا۔ وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ گویا اس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے کے لیے حقیر مفاد کو قبول کر لیا۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم آرام طلبی، خوشحالی اور تعیش کی خاطر جہاد کی مشقت سے منہ موڑ رہے ہو اور دنیا کا حقیر فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔

دنیا بھی با عزت ملے

فرمایا اَرَضِیتُم بِالحَیٰوۃِ الدُّنیَا مِنَ الاٰخِرَۃِ کیا تم راضی ہو چکے ہو دنیا کی زندگی پہ آخرت کو چھوڑ کر؟ ادھر دنیا کا چند روزہ عارضی سامان ہے اور ادھر آخرت کی دائمی اور بہار زندگی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایک مومن اور مسلمان کے نزدیک اولیت آخرت کی زندگی کو حاصل ہے۔ جب کہ اس دنیا کے تمام تر مفادات درجہ دوئم میں آتے ہیں۔ جہاد کے ذریعے دنیاوی مفاد بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن اصل مقصود آخرت کی کامیابی ہوتی ہے۔ مومن دنیا میں جو کام بھی کرتا ہے اس کی اصل غایت یہی ہونی چاہیئے کہ کسی طرح دائمی زندگی سنور جائے نماز کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اگرچہ اس کے ذریعے اس دنیا میں بھی پابندئ وقت، تنظیم، ڈسپلن، اجتماعیت اور انسانی ہمدردی جیسے مفاد حاصل ہوتے ہیں مگر اصل مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح ہوتی ہے۔

فرمایا اگر تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو فَمَا مَتَاعُ الحَیٰوۃِ الدُّنیَا فِی الاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیلٌ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بالکل تھوڑا ہے۔ کوئی شخص سو سال کی عمر بھی پالے اور دنیا کا کتنا بھی ساز و سامان جمع کرلے، اس کی حیثیت بہر حال عارضی ہے۔ زندگی بھی فانی ہے اور مال بھی ختم ہو جانے والا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے[1] اعمار امتی ما بین سبعین و ستین وقل ما یجوز ذٰلک یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے آگے جاتے ہیں۔ تو فرمایا تم اتنی حقیر زندگی کو آخرت کی دائمی زندگی پہ ترجیح دیتے ہو۔ یاد رکھو! اس زندگی کی کوئی حیثیت نہیں۔

ترک جہاد پہ غلامی

اللہ نے فرمایا کہ یہ تمہیں تنبیہ کی جا رہی ہے اِلَّا تَنفِرُوا اگر تم

[1] ترمذی ص ۳۳۸ (فیاض)

اللہ کی راہ میں کوچ نہیں کرو گے، جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کریگا۔ مفسرین کرام کے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے، وہ ذلت و رسوائی کا شکار ہو جاتی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطبے میں یہی فرمایا۔ ترک جہاد کے نتیجے میں ایک سزا غلامی کی صورت میں آتی ہے اور غلامی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سزا نہیں۔ انگریز کی دو سو سالہ غلامی سے ہم بھی گزرے ہیں۔ آج بھی کئی ممالک کافروں کی غلامی میں ہیں، کتنے ہی چینی، روسی اور قبرصی مسلمان ہیں، جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے دین سے اغماض برتنے، قرآن پاک پس پشت ڈالنے اور جہاد سے منہ موڑنے کا۔ جب بھی اس قسم کی غفلت آئے گی، اس کا نتیجہ غلامی ہو گا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

غلامی بڑی لعنت ہے، انسان بے ضمیر ہو کر رہ جاتے۔ غلام کو کوئی عزت حاصل نہیں ہوتی، نہ اس کی اپنی رائے ہوتی ہے اور نہ حیثیت۔ اُسے تو ہر وقت اپنے آقا کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے انگریز کی غلامی کی ہے انہیں کیسے کیسے ذلیل کام کرنا پڑے۔ انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں پر گولیاں چلائیں، خانہ کعبہ پر چڑھائی کر دی اور وہاں پر لوگوں کو ذبح کیا۔ سات سو ترکوں کو مسجد حرام میں شہید کیا گیا۔ عراق اور مصر پر مسلمانوں سے حملہ کرایا گیا۔ انگریز کے غلام معمولی تنخواہ، عہدہ یا خطاب کی خاطر ضمیر کے خلاف گھٹیا ترین کام کرنے پر مجبور ہوتے تھے، کبھی مسلمانوں کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ اس درجہ تک بھی گر جائیں گے، تاتاریوں کے غلبے کے بعد دنیا بھر کے

مسلمان پریشان ہوگئے کہ اب اُن کی اجتماعیت کیسے قائم رہ سکیگی۔ ہماری نمازیں اور جمعے کیسے ادا ہوں گے، چونکہ یہ مسلمانوں کے لیے تنزل کا پہلا واقعہ تھا۔ اس لیے وہ سخت پریشان ہوئے تھے مگر اس کے بعد مسلمان مسلسل انحطاط میں جارہے ہیں اور اب ان میں احساس محرومی بھی باقی نہیں رہا۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اگر جہاد کو چھوڑ دوگے تو اللہ جس قسم کی سزا چاہیگا، دیگا، اور اس میں غلامی کی سزا بھی شامل ہے۔

قوم کی تبدیلی

فرمایا کہ اللہ تمہیں سزا دیگا۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو بدل دیگا۔ اگر تم دین کی خدمت سے منہ موڑ دوگے تو اللہ تعالیٰ یہ کام دوسرے لوگوں سے لے لیگا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کہا کرتے تھے، کیا ہوا جو پنجاب کے سیدوں نے دین کی خدمت نہ کی۔ اللہ نے اُن کی بجائے یہاں کے سکھوں کو کھڑا کر دیا۔" دیکھ لیں مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا احمد علی لاہوری کون لوگ تھے اِن کا تعلق سکھ خاندانوں کے ساتھ تھا۔ اللہ نے اُن سے وہ کام لیا جو دنیا میں کروڑوں سیّد نہ کر سکے، تو فرمایا اگر تم نے اپنے مشن کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ یہ کام دوسرے لوگوں سے لے لیگا اور تمہارے حصے میں ذلت کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ جب عربوں میں کمزوری آئی تو اللہ نے اُن کی جگہ ترکوں کو کھڑا کر دیا۔ یہ ترک بڑی مدت تک ایمان سے محروم رہے مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا اتركوا الترك كما تركوكم جب تک ترک خود نہیں نہ چھیڑیں ان کو کچھ نہ کہنا۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ اللہ نے دین کی خدمت کے لیے ترکوں کو منتخب کیا۔ جب عرب ملوکیت، شہنشاہیت اور عیاشی میں پڑ کر کمزور ہوگئے تو اللہ نے اُن کی بجائے ترکوں کو خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرمائی۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ایک دِن میں چار لاکھ ترکوں نے اسلام قبول کیا۔ جو لوگ کبھی دین کے

بدترین دشمن تھے، وہی لوگ اس کے داعی بن گئے۔

ترکوں کا عروج و زوال

ترکوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چار سو سال تک یورپی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے اور اسلام کے جھنڈے کو سربلند رکھا۔ ان میں بعض کمزوریاں بھی تھیں، اس کے باوجود انہوں نے علیا کی طاقتوں کا خوب مقابلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے ترکوں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد انہیں بہت ذلیل کیا۔ بلکہ انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا بہرحال فرمایا کہ اگر تم اسلام کی خدمت میں کمزوری دکھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیگا۔ چنانچہ یرموک وغیرہ کی جنگوں میں یمنی لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور انہوں نے دین کی خاطر بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔ جب بھی ضرورت پڑتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام دوسروں سے لے لیتا ہے۔ وہ تمہاری کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں منظر سے ہٹا دے گا وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے فرمایا یاد رکھو! وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے ابھی اور بھی تنبیہات چل رہی ہیں تاکہ مسلمانوں میں کمزوری نہ واقع ہو جائے چونکہ تبوک کا سفر بڑا لمبا سفر تھا، راستے کی مشکلات پیش نظر تھیں، سامان کی قلت تھی، ایسے حالات میں مسلمانوں کی دل شکستگی قدرتی امر تھا، اس لیے اللہ نے تنبیہ کر دیا کہ کمزوری نہ دکھانا، اس سے اللہ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ بلکہ تمہیں ہی نقصان ہوگا۔ پہلے کے مسلمانوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ یہ منازل طے کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب فرمائی جب حضور علیہ السلام تبوک میں خیمہ زن ہوئے تو رومیوں پر دہشت طاری ہو گئی شاہ ہرقل کانپ اٹھا کہ جو لوگ ایک ہزار میل کا کٹھن سفر طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مسلمانوں کے غیر متزلزل ایمان کا

نتیجہ تھا کہ رومیوں پر رعب طاری ہوگیا۔ بہر حال اللہ نے یہاں پر فرمایا ہے کہ کمزوری نہ دکھانا ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے اور اپنی حیثیت کو گم کر دو گے ایسی صورت میں ہم دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ کھڑا کر کے اُن سے کام لے لیں گے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

ترجمہ :- اگر تم اس (اللہ کے رسول) کی مدد نہیں کرو گے ، پس بیشک اللہ نے اُس کی مدد کی جب کہ اُس کو نکالا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ، وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ دونوں غار کے اندر تھے جب کہ وہ کہہ رہے تھے اپنے ساتھی سے ، تو غمگین نہ ہو ، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ۔ پس اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور اس کی تائید کی اپنے لشکر کے ساتھ جن کو تم نہیں دیکھتے ۔ اور کر دیا ان لوگوں کا کلمہ جنہوں نے کفر کیا تھا پست اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے ﴿۴۰﴾

ربط آیات اِس رکوع کی پہلی آیت میں جہاد کے لیے ترغیب اور تنبیہ ہے ۔ اور اس کے بعد پھر تنبیہات ہیں ۔ یہ غزوہ تبوک کا ذکر ہے جو ۹ھ میں پیش آیا ۔ فتح مکہ اور حنین

...ی اط...ف کے بعد حضور علیہ السلام نے تبوک پہ چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا قحط سالی کا زمانہ تھا، سخت گرمی اور ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے جانا تھا۔ سامان سفر بھی قلیل تھا اور مجاہدین کے لیے سواریاں بھی کم تھیں۔ حتی کہ دس دس آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ ہوتا تھا۔ اس جہاد میں عام لوگوں کو شمولیت کی دعوت دی گئی اور معذوروں کے سوا کسی کو پیچھے رہنے کی اجازت نہ تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ اپنے نبی کی آواز پہ فوراً نکل کھڑے ہوں۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو پہلے بھی اپنے نبی کی مدد کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کرے گا۔ مگر یہ چیز تمہارے لیے باعث شقاوت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا اور تم اس سعادت سے محروم رہ جاؤ گے۔

نصرت الٰہی کی مثال

جہاد کی دو قسمیں ہیں یعنی فرض عین اور فرض کفایہ۔ عام حالات میں جب کہ دشمن کے مقابلے کے لیے مجاہدین کافی تعداد میں موجود ہوں تو باقی لوگوں کا جہاد میں شریک ہونا ضروری نہیں ہوتا، صرف مجاہدین کی شمولیت باقیوں کو بھی کفایت کر جاتی ہے۔ البتہ جب دشمن ہجوم کر جائے اور محض مجاہدین سے دفاع ممکن نہ ہو تو پھر عام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر ایک عاقل، بالغ مسلمان پیچھے رہ جائے تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ غزوہ تبوک کے لیے بھی عام لام بندی کا اعلان کیا گیا تھا، تو اس آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اے مسلمانو! اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے، اس موقع پہ جانی اور مالی قربانی پیش نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں۔ اس واسطے کہ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کی پہلے بھی مدد کی تھی اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب کہ نکال دیا تھا آپ کو کافروں نے۔ یہ ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب مسلمان بلحاظ دلیل

مشرکین مکہ پر غالب آ رہے تھے اور وہ لوگ تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹ ڈال لینے سے عاجز آ چکے تھے تو قصی ابن کلاب کے مکان دار الندوہ میں جمع ہوئے تاکہ اسلام کے راستے میں بند باندھنے کا کوئی حتمی پروگرام طے کر سکیں۔ چنانچہ بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک نوجوان رات کو نبی علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کر لے اور جس وقت آپ گھر سے باہر نکلیں، سب لوگ بیک بارگی حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں ان کی سکیم یہ تھی کہ جب اس قتل میں تمام قبائل ملوث ہوں گے تو آپ کا خاندان قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکے گا اور اس کی بجائے مشترکہ طور پر دیت ادا کریں گے۔ اس پروگرام کے تحت رات کو منتخب آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصوبے کی خبر دیدی اور ساتھ ہی ہجرت کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام رات کے وقت اٹھے، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور حکم دیا کہ صبح تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں اور پھر مناسب وقت پر مدینہ طیبہ آ جائیں۔ آپ گھر سے باہر نکلے، شاہت الوجوہ کہتے ہوئے اور مٹی کی مٹھی محاصرے پر موجود لوگوں کی طرف پھینکتے ہوئے چل دیئے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے اور ان کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے پندرہ سولہ کیلومیٹر دور غار ثور میں جا ٹھہرے۔

غار ثور میں قیام

غار ثور جبل ثور کے آخری سرے پر ہے، راستہ دشوار گزار ہے۔ یہ غار پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ غار میں داخلے کا راستہ اتنا تنگ ہے کہ آدمی بیٹھ کر بھی داخل نہیں ہو سکتا بلکہ لیٹ کر داخلہ ممکن ہوتا ہے۔ غار میں پہنچ کر پہلے حضرت صدیق اکبرؓ اندر داخل ہوئے۔ غار کو صاف کیا اس کے سوراخوں کو بند کیا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا جسے بند کرنے کے لیے کچھ نہ ملا۔ حضور علیہ السلام غار کے اندر تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

زانو پر سر رکھ کر محوِ استراحت ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے آخری سوراخ کو بند کرنے کے لیے اپنا پاؤں اس کے آگے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد کسی سانپ وغیرہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو کاٹ لیا۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی مگر آپ اپنے مقام سے سر مو بھی ادھر اُدھر نہ ہوئے کہ کہیں حضور کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ جب نبی علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کو علم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ تکلیف پہنچی ہے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت صدیق ؓ کے پاؤں پر لگایا تو تکلیف فوراً رفع ہو گئی۔ زہر کا اثر زائل ہو گیا اور اللہ نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔

مشرکین کی ناکامی

ادھر جب صبح ہوئی تو محاصرین نے حضور علیہ السلام کو اپنے مکان میں نہ پایا۔ حضرت علیؓ موجود تھے۔ اُن سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ انہیں معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کہاں تشریف لے گئے ہیں مشرکین نے جب اپنا منصوبہ ناکام ہوتے دیکھا تو فیصلہ کیا کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کیا جائے اور جو شخص آپ کو زندہ یا شہادت کی حالت میں لائے گا ایک سو اونٹ انعام کا حقدار ہو گا۔ انعام کے لالچ میں بہت سے لوگ تلاش کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ماہر کھوجی کی خدمات بھی حاصل کیں جو انہیں پاؤں کے نشانات کے ساتھ ساتھ جبل ثور کے دامن تک لے گیا۔ پھر اُوپر چڑھائی شروع ہوئی حتیٰ کہ مشرکین غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ اب یہاں اُس نصرتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو اس مشکل مرحلے پر حضور علیہ السلام کو میسّر آئی۔ طبرانی اور بعض دوسری کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام اور حضرت صدیق اکبرؓ غار کے اندر چلے گئے تو غار کے تنگ منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور وہاں دہانے کے قریب ہی جنگلی کبوتروں نے گھونسلہ تیار کیا اور انڈے دے دیے۔ جب یہ صورتِ حال دیکھی تو مشرکین نے کھوجی کی بات پر اعتبار نہ کیا، کہنے لگے یہ

حالانکہ تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے، وہ اس غار کے
کدھر سے جا سکتے ہیں؟

صدیق اکبرؓ کی پریشانی

غار کے اندر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشرکین کے پاؤں دیکھے تو آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ وہ غار کے دہانے تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں پر یہ بات توجہ طلب ہے کہ حضرت صدیقؓ کی پریشانی اپنی ذات کے لیے نہ تھی بلکہ آپ کو فکر حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ کی تھی کہ دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ اگر یہ لوگ پاؤں کی طرف جھک کر اندر دیکھیں تو ہمیں پالیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ما ظنک یا ابابکر باثنین اللہ ثالثھما اے ابوبکرؓ! تمہارا ان دو اشخاص کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم دونوں کا مددگار ہے تو ہمیں کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ ہم اسی کے حکم سے مکہ مکرمہ سے نکلے ہیں۔ اب وہی ہمیں دشمن سے بچائے گا۔

یہاں پر یہی بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد فرمائی ثَانِیَ اثْنَیْنِ وہ دو میں سے دوسرے تھے۔ حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیقؓ ہر ایک دوسرے کے اعتبار سے ثانی ہیں اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ جب کہ وہ دونوں غار کے اندر تھے۔ اسی لیے حضرت صدیقؓ کو یارِ غار اور مخلص ساتھی کہا جاتا ہے کہ وہ اتنے کٹھن وقت میں بھی آپ کے ساتھ رہے بہرحال اس سخت خطرے کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور علیہ السلام ہی کی فکر دامن گیر تھی۔ یہ دونوں حضرات صرف اسی مقام پر اکٹھے نہیں ہوئے بلکہ ہر موقع اور محل پر یہ دونوں ساتھی اکٹھے نظر آتے ہیں زمانہ امن ہو یا جنگ اور سفر ہو یا حضر حضور علیہ السلام جہاں بھی جاتے حضرت صدیقؓ آپ کے ہمرکاب ہوتے۔ حضرت صدیقؓ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ

آپ ہی کا حصہ تھے۔

اب غار کے اندر کی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ جب وہ دونوں ساتھی غار کے اندر تھے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ جب وہ اللہ کا برگزیدہ رسول اپنے ساتھی سے کہ رہا تھا۔ صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہیں۔ گویا آپ کی صحابیت نصِ قرآنی سے ثابت ہے، اسی لیے حضرت صدیق رضؓ کی صحابیت کے منکرین کے خلاف علمائے حق کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کیونکہ یہ نصِ قرآنی کا انکار ہے۔ علمِ کلام والے کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی کا منکر فاسق ہوتا ہے۔ بدعتی، گنہگار اور مجرم ہوتا ہے۔ مگر صدیق کی صحابیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ بہرحال صدیق اکبر رضؓ کی پریشانی کو دیکھ کر اللہ کے برگزیدہ رسول نے فرمایا لَا تَحْزَنْ آپ غم نہ کھائیں، فکر نہ کریں۔ مفسرین یہاں پہ یہ نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہاں پر لفظ غم بتلا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنی جان کی فکر نہیں تھی بلکہ آپ حضور علیہ السلام کی ذات کے متعلق فکرمند تھے۔

فرمایا غم نہ کر اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ اللہ ہو، وہ یا تو نبی ہوگا۔ اور یا ولی۔ تو ان دونوں حضرات میں ایک اللہ کا برگزیدہ ترین نبی ہے اور دوسرا برگزیدہ ترین ولی ہے۔ فرمایا اے صدیق رضؓ! تم غم نہ کھاؤ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو جائے اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اللہ تعالیٰ کی معیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر نکل کھڑے ہوئے تو آگے بحرِ قلزم تھا اور پیچھے فرعون کے لشکر تھے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "کَلَّا ج اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" (الشعراء) خبردار! بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہی راہنمائی کرے گا۔ مقصد یہ کہ وہاں واحد کا صیغہ ہے۔ کہ اُس وقت اللہ کے برگزیدہ بندے صرف موسیٰ علیہ السلام

تھے۔ اور یہاں دو ہیں اور جمع کا صیغہ ہے کیونکہ دونوں برگزیدہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کا کیا ذریعہ بنایا؟ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور ترین چیز کو حفاظت کا بہترین ذریعہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے "اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ" یعنی ہر قسم کے کیڑے مکوڑوں کے گھروں میں کمزور ترین گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ اللہ نے شرک کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی ہے کہ شرکیہ عقیدہ اتنا کمزور ہے۔ مشرکین کا محض وہم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی مدد کر سکتا ہے یا کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ مگر اس مقام پر اللہ نے مکڑی کے جالے سے مضبوط ترین قلعے کا کام لیا۔ اور ایسی تدبیر کی کہ مشرکین کے وہم و گمان میں نہ آسکا تھا کہ حضور علیہ السلام اس غار میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اہل ایمان! اگر تم اپنے نبی کی مدد نہیں کرو گے، اس کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ہمیشہ مدد کی ہے اور وہ آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ جہاد سے پیچھے رہ کر اللہ کے نبی کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اس میں تمہارا ہی گھاٹا ہے کہ تم بہت بڑی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔

سکینۃ کا نزول

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس مشکل موقع پر بھی اپنے نبی کی مدد فرمائی فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ اور اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی، آپ کا ساتھی بہت غمگین ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی کا نزول فرمایا وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور اس کی مدد ایسے لشکر سے کی جس کو تم نہیں دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے بدر اور حنین کے مواقع پر بھی اپنے فرشتے نازل فرما کر مدد فرمائی تھی اور اس موقع پر بھی اللہ نے فرشتے اتار کر مشرکین کے خیالات ہی پلٹ دیے اور وہ سوچ بھی نہ سکے کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس غار کے اندر

بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے فرشتوں نے جبلِ ثور پر اُتر کر یہ ساری تدبیر کر دی فرشتوں کی تائید کا یہی مطلب ہے۔

کلمہ توحید کی بلندی

خلاصہ کلام یہ ہے وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔ یہ کلمہ توحید اور ایمان ہے جسے اللہ نے غالب کر دیا۔ اس شدید ترین موقع پر اپنے نبی اور صدیق کی مدد کی۔ دشمن پیچھے لگے ہوئے تھے مگر اللہ نے ان کی تمام تدابیر ناکام کر دیں کیونکہ اللہ کی مشیت ہی ہمیشہ غالب آتی ہے، لہٰذا تمہارا جہاد میں شامل نہ ہونا تمہارے ہی حق میں بُرا ہوگا۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے، اور حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت سے دوسرے مواقع پر بھی اپنے نبی اور دین کی مدد کر سکتا ہے مگر تم سعادت سے محروم ہو جاؤ گے اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے نبی کی مدد کرو۔ اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ، دین کو غالب کرنے کے لیے پوری جانفشانی کے ساتھ مصروفِ عمل ہو جاؤ تاکہ دینِ حق کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ جب اسلام غالب آ جائے گا تو پھر جماعت المسلمین صحیح نظام قائم کرنے کے قابل ہو جائے گی۔

درس ہشردہم ۱۸ آیت ۴۱ تا ۴۲

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا
قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ
عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
ع ۶ ۱۲ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ :- (اے لوگو !) کوچ کرو ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں - یہ بات بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿۴۱﴾ اگر ہوتا سامان قریب کا اور سفر درمیانہ تو یہ منافق لوگ آپ کے پیچھے جاتے، لیکن مسافت اُن پر بعید ہو گئی ہے اور یہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور نکلتے تمہارے ساتھ - یہ ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو . اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾

ربط آیات جہاد کے سلسلہ میں غزوہ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے - ابتدائی آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی اور پھر جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کو تنبیہ کی گئی - ایمان والوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد نہیں کریں گے یعنی آپ کے

ساتھ جہاد میں شامل نہیں ہوں گے تو یہ نہ سمجھیں کہ جہاد محض انہی پہ موقوف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی اپنے نبی کی مدد کرنے پہ قادر ہے۔
اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ اس نے ہجرت کے مشکل ترین موقع پہ بھی مدد فرمائی تھی۔ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا اور مسلح نوجوانوں نے رات کے وقت آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت کے ساتھ آپ کو وہاں سے نکال کر غار ثور میں پہنچا دیا تھا۔ جہاں آپ نے تین دن قیام فرمایا اور پھر آگے مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسی غار کے قیام کے متعلق گذشتہ درس میں یہ بیان گزر چکا ہے "ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" وہ دو میں سے دوسرے تھے۔ کہ آپ نے اپنے ساتھی کو تسلی دی تھی کہ غم نہ کھائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے حضور علیہ السلام نے اپنے یارِ غار حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ بھی فرمایا تھا أَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ فِي الْحَوْضِ اے ابوبکر صدیقؓ! جس طرح آپ غار ثور میں میرے رفیق ہیں اسی طرح حوض کوثر پہ بھی میرے ساتھی ہوں گے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شمولیت کے بغیر بھی اپنے نبی کی مدد کر سکتا ہے، تاہم جہاد میں تمہاری عدم شرکت خود تمہارے ہی لیے وبال جان بن جائیگی۔

فریضۂ جہاد

اب آج کی آیات میں تمام اہل ایمان کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا کوچ کرو ہلکے ہو یا بوجھل۔ ہر حالت میں نکل کھڑے ہو وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ فرمایا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو یعنی کچھ سمجھ رکھتے ہو۔
جہاد ایک عبادت ہے اور یہ دو صورتوں میں ادا ہوتی ہے۔

جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے اور اس میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے، تندرست بیمار سب کے سب ماخوذ ہوتے ہیں۔ مثلاً غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن نے مدینہ طیبہ پر زبردست چڑھائی کر دی تھی۔ ایسے حالات میں ہر کس و ناکس پر دفاع فرض عین ہوتا ہے اور اس سے کوئی فردِ واحد بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر جو کوئی سستی دکھاتا ہے وہ سخت مجرم ہوتا ہے اور اس کا وبال پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ البتہ عام حالات میں جہاد کا فریضہ بطور فرض کفایہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا فرض ہوتا ہے کہ قوم کے بعض لوگ ادا کر لیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بھی یہ فریضہ ادا نہ کرے تو سب کے سب گنہگار ہوتے ہیں۔ مثلاً مُردوں کا کفن دفن، جنازہ، حدود اللہ کا قیام، دین کی تعلیم وغیرہ فرائض کفایہ ہیں اور بعض کی ادائیگی سے یہ فرائض سب کی طرف سے ادا ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں جہاد بھی فرض کفایہ ہوتا ہے۔ اگر قوم کے منتخب مجاہدین اس کام کو انجام دے رہے ہیں تو یہ سب کی طرف سے ادا سمجھا جائے گا۔

امام ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آپ دس دفعہ قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ اے لوگو! سن لو، جہاد فرض ہے۔ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو مدد کریں اور جب انہیں ساتھ چلنے کو کہا جائے تو اُن کا جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کی جہاد میں ضرورت نہیں ہے تو بیشک گھر میں بیٹھا ہے اور اگر ضرورت ہے تو پھر اس کو لازماً جانا ہو گا۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے کہ جو آدمی بیمار ہے، معذور ہے تو وہ مستثنیٰ ہو گا مگر اس شرط کے ساتھ اِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہی کرنے والے ہوں اگر جہاد میں بالفعل شریک نہیں ہو سکتا۔ تو زبان سے ہی خیر خواہی کی بات کرے، اہل ایمان کے حق میں پراپیگنڈا ہی کرے جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور دشمنوں کی

حوصلہ شکنی ہو۔

شرائط بیعت

جیسا کہ پہلے عرض کیا اس مقام پر غزوۂ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس موقع پر نفیرِ عام کا حکم ہوا اور حضور علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی بشیر ابن الخصاصیہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور! آپ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں فرمایا سب سے پہلی بات یہ ہے اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں دن میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہوں گی، رمضان کے روزے رکھنا ہوں گے۔ مال ہے تو ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر استطاعت ہے تو بیت اللہ کا حج کرنا ہوگا۔ نیز اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میں ان چھ باتوں پر بیعت لیتا ہوں۔ اس پر بشیر کہنے لگا حضور عقیدہ تو درست رکھوں گا، نماز اور روزے بھی ادا کروں گا۔ مگر میرے پاس وافر مال نہیں ہے اس لیے نہ تو میں زکوٰۃ ادا کر سکوں گا اور نہ حج کے لیے جا سکوں گا۔ اس کے علاوہ میں کمزور دل آدمی ہوں لہٰذا جہاد میں بھی شریک نہیں ہوں گا اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ہاتھ مبارک بیعت سے پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا اے بشیر! لَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَةَ فَبِمَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اگر تم جہاد میں شامل نہیں ہو گے اور صدقہ نہیں دو گے تو جنت میں کیسے داخل ہو گے۔ یہ سن کر بشیر نے تمام ارکان پورا کرنے کا وعدہ کر کے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

ارکان اسلام اور جہاد

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عقیدے کی اصلاح کے بعد پانچ عبادات ہیں۔ ان میں سے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ فرض عین ہیں اور پانچویں عبادت جہاد ہے جو کبھی فرض عین ہوتی ہے۔ اور کبھی فرض کفایہ۔ فرض عین کا حکم

یہ ہے کہ اگر استطاعت موجود ہو تو وہ ہر حالت میں فرض ہوتی ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ ہر عاقل، بالغ اور تندرست آدمی پر فرض ہے۔ اگر کسی وقت کوئی عذر ہے تو یہ عذر رفع ہونے پر نماز یا روزہ کی قضا دینا ہو گی۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج ہے اگر مال موجود ہے اور نصاب کو پہنچ گیا ہے تو سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہو گا۔ یہ کسی صورت نہیں ٹل سکتی۔ اگر سفر خرچ موجود ہے اور آدمی سفر کے قابل ہے تو اسے حج بھی لازماً کرنا پڑے گا۔ حضور نے فرمایا جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا۔ وہ ہماری طرف سے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ ہمیں کچھ سروکار نہیں۔ حج فرض عین ہے۔ یہ بھی کسی عذر کی وجہ سے مؤخر تو کیا جا سکتا ہے مگر ساقط نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا جہاد تو جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس کی دو حالتیں ہیں۔ ایک فرض عین ہے۔ جب کہ نفیر عام ہو تو جہاد کسی چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، بچے، بوڑھے کو معاف نہیں بلکہ سب کو حصہ لینا پڑے گا۔ البتہ اگر عام لام بندی کی ضرورت نہیں بلکہ مجاہدین دفاع کے لیے کافی تعداد میں موجود ہیں، تو یہ فرض کفایہ ہو گا اور دفاعی یا اقدامی جنگ لڑنے والے سپاہی ساری قوم کی کفایت کریں گے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ارکانِ اسلام والی حدیث میں بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ کا ذکر ہے یعنی اسلام کے ارکان کی تعداد پانچ ہے۔ اس میں عقیدہ توحید و رسالت کے بعد چار عبادات یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ تاہم دوسری حدیث میں جہاد کو بھی عبادات میں شامل کیا گیا اور یہ پانچویں فرض عبادت ہے۔

جہاد بطور عبادت

جب سے جہاد کی ذمہ داری عام مسلمانوں کی بجائے صرف فوج پر ڈالی گئی ہے، اس وقت سے جذبہ جہاد مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔ فوج کے افسر اور سپاہی تنخواہ اور مراعات کے بدلے میں اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں وہ جہاد کو ایک عبادت سمجھ کر نہیں کرتے۔ جہاد کا تعلق ہر مومن کے ایمان

رکھے ہاتھ بٹ جو اُسے نماز اور روزہ کی طرح فرض سمجھ کر بجا لانے کا پابند ہے نہ کہ محض تنخواہ وصول کرنے کے لیے۔ اگر کوئی مسلمان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتا، تو پانچویں عبادت جہاد کے لیے کیسے تنخواہ وصول کر سکتا ہے۔ بوقت ضرورت ہر تندرست مومن جہاد میں شریک ہونے کا پابند ہے تاہم اس کی یہ شرکت اُس کی اہلیت کے مطابق ہوگی۔ اگر وہ محاذ پر جا کر لڑ سکتا ہے تو وہاں جائے گا اور اگر اس قابل نہیں ہے تو مجاہدین کو اسلحہ پہنچانے کا کام کرے گا۔ اُن کے لیے خوراک کا انتظام کرے گا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجے کا کام کرے گا یا پھر اندرون ملک شہری دفاع کے امور انجام دے گا۔ بہرحال اپنی حیثیت کے مطابق کوئی بھی مسلمان جہاد جیسی عبادات سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ موجودہ دور میں محاذِ جنگ پہ لڑنے والی فوج کے لیے خصوصی تربیت کی ضرورت ہے جو ملک کے ہر باشندے کو تو نہیں دی جا سکتی۔ تاہم ضرورت کے مطابق شہری دفاع کی تربیت ہر شخص کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔ اور دورانِ جنگ جو شخص جہاں بھی کوئی فرض ادا کر سکتا ہے اُسے شامل ہونا چاہیے کیونکہ اُس وقت جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے اور ہر شخص کو بقدر استطاعت حصہ لینا اپنے فرض کی ادائیگی کرنا ہے۔ اگر وہ کوتاہی کرے گا تو عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ جہاد کے لیے کوچ کرو، تم ہلکے ہو یا بوجھل مطلب یہ ہے کہ جو بھی ڈیوٹی انجام دے سکتے ہو۔ اس کے لیے نکل کھڑے ہو۔

ہر حالت میں جہاد

بعض فرماتے ہیں کہ ہلکے اور بوجھل کا مطلب یہ ہے۔ پیدل یا سوار، فقیر یا غنی، جوان یا بوڑھے، غرضیکہ نفیرِ عام کے موقع پر کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا، ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلنا پڑے گا۔ شاہ ولی اللہؒ خفاف اور ثقال کے متعلق فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس سامان تھوڑا ہے یا زیادہ، تم بہرحال میدانِ جہاد میں کود پڑو۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے پاس

کتنا سامان تھا؟ جب معمولی اسلحہ اور معمولی سامان کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکل آئے تو اللہ نے فتح سے ہمکنار کیا۔ فرمایا مال اور جان دونوں چیزوں کے ذریعے جہاد میں حصہ لو۔ جس کے پاس دونوں چیزیں ہیں وہ دونوں بروئے کار لائے۔ جو خود شریک نہیں ہو سکتا، معذور ہے، وہ مال دے اور جس کے پاس مال نہیں وہ اپنی جان پیش کرے اور اگر دونوں چیزوں سے معذور ہے۔ تو نصیحت کی بات ہی کر دے۔ مجاہدین کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی حوصلہ شکنی کی بات کر دے تو اُس کے لیے یہی جہاد ہے فرمایا ہر صورت میں جہاد میں شامل ہونا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر اس میں سستی دکھاؤ گے تو پھر ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر ضعف دکھاؤ گے تو پھر اللہ کے حکم کے منتظر رہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ اگر جہاد سے منہ موڑو گے کمزوری کا اظہار کرو گے يُسَلِّطُ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الذِّلَّةَ تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دیگا۔ پھر تمہارا دین بھی ذلیل ہوگا، غلام بن جاؤ گے جو کسی قوم کے لیے بدترین سزا ہے۔

منافقین کی حیلہ سازی

اب آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ آگے دُور تک چلا جائے گا۔ جیسا کہ اگلے رکوع میں آرہا ہے غزوہ تبوک کے موقع پر بعض منافقین حیلے بہانے سے پیچھے رہ گئے اور پھر حضور علیہ السلام کی واپسی پر عذر پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ایسے منافقین کی قلعی کھول کر ان کو رسوا کیا ہے، اُن کے جھوٹ کو ظاہر کیا ہے اور آئندہ کے لیے خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ چال بالکل پسند نہیں۔ غزوہ تبوک کے لیے حضور علیہ السلام نے روانگی[1] سے کئی ماہ پیشتر تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ مدینہ سے بارہ منزل دور تقریباً ایک ہزار میل کا سفر طے کرنا تھا۔ مگر منافقین یوں کہنے لگے لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا اگر سامان ہوتا قریب کا یعنی اس

---

[1] جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۲۲۲ ج ۲ (فیاض)

سفر میں وافر مالِ غنیمت ملنے کی توقع ہوتی وَسَفَرًا قَاصِدًا اور سفر درمیانہ یعنی ہلکا ہوتا لَّاتَّبَعُوكَ تو ضرور آپ کے پیچھے جاتے یعنی شریک جہاد ہوتے۔ جیسا کہ خیبر کے موقع پر کہتے تھے ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ (الفتح) ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دیں۔ مگر اللہ نے فرمایا قُل لَّن تَتَّبِعُونَا (الفتح) تم بالکل ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ منافقین جانتے تھے کہ خیبر میں بہت سا مالِ غنیمت ملے گا اور سفر بھی قریب تھا، اس لیے اُس معرکہ میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ مگر نبی علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ خیبر کے لیے وہ شخص جائیگا جو حدیبیہ میں شریک ہوا تھا، لہٰذا منافقین وہاں نہ جا سکے۔ اور ادھر تبوک کے سفر کے لیے حالات ناساز گار اور سفر دراز تھا اُدھر جانے کے لیے بہانے بناتے تھے۔

فتح تبوک

فرمایا، منافقین کہتے ہیں کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور سامان قریب ہوتا تو ہم بھی غزوۂ تبوک میں شریک ہوجاتے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ کہ اُن پر مسافت بعید ہوگئی ہے۔ ہزار میل کا فاصلہ اور گرمی کا موسم تھا، قحط سالی کا زمانہ تھا، راشن، سامان سفر اور سواریاں بھی کم تھیں، پانی کی قلت بھی، راستے میں بے حد تکالیف اٹھانا پڑیں۔ لشکر اسلام تبوک میں ایک ماہ تک قیام پذیر رہا مگر دشمن کو سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دہشت طاری کر دی اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ علاقے بھر کی طاقتوں نے وفاداری قبول کر لی۔ آپ نے اُن سے جزیہ کا معاہدہ کیا، نیز انہوں نے یہ بھی عہد کیا کہ آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور رومیوں کی طرفداری نہیں کریں گے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فتح عطا فرمائی اور وہ کامیاب و کامران واپس لوٹے، یہ اتنا کٹھن سفر تھا کہ آج بھی جب واقعات پڑھتے ہیں تو اہل ایمان کی جانثاری اور عظیم قربانی پر حیرت ہوتی ہے۔

منافقین کی اظہار معذوری

فرمایا منافقین کا حال یہ ہے وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ یہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ ہم کوئی حیلہ بہانہ نہ کرتے کہ ہمیں فلاں مجبوری ہے فرمایا يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ جھوٹے بہانے بنا کر خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ایسے بہانے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں چل سکتے صحیح حیلہ تو مسموع ہو سکتا ہے مگر جھوٹے بہانے تراش کر یہ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچ جائیں مگر آخرت کی رسوائی اور ہلاکت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

فرمایا وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ جہاد سے جی چراتے ہیں اور اب جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں۔ منافقین کی مذمت کا سلسلہ آگے دور تک جا رہا ہے۔ اللہ نے ان کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

درس نوزدہم ۱۹
آیت ۴۳ تا ۴۸

عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ
لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۴۳﴾ لَا یَسۡتَاۡذِنُکَ
الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا
بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۴﴾
اِنَّمَا یَسۡتَاۡذِنُکَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ
الۡاٰخِرِ وَ ارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡ رَیۡبِہِمۡ
یَتَرَدَّدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوۡ اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا لَہٗ عُدَّۃً
وَّ لٰکِنۡ کَرِہَ اللّٰہُ انۡۢبِعَاثَہُمۡ فَثَبَّطَہُمۡ وَ قِیۡلَ
اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِیۡنَ ﴿۴۶﴾ لَوۡ خَرَجُوۡا فِیۡکُمۡ مَّا
زَادُوۡکُمۡ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَا۠اَوۡضَعُوۡا خِلٰلَکُمۡ یَبۡغُوۡنَکُمُ
الۡفِتۡنَۃَ ۚ وَ فِیۡکُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ
بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَۃَ مِنۡ قَبۡلُ
وَ قَلَّبُوۡا لَکَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَ ظَہَرَ اَمۡرُ اللّٰہِ
وَ ہُمۡ کٰرِہُوۡنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ :۔ اللہ درگزر کرے آپ سے، آپ نے کیوں
رخصت دی ان کو یہاں تک کہ واضح ہو جاتے آپ کے لیے

وہ لوگ جو سچ کہنے والے ہیں اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو (۴۳)
نہیں رخصت طلب کرتے آپ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے
ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں
اور اپنی جانوں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے
متقیوں کو (۴۴) بیشک آپ سے رخصت مانگتے ہیں وہ لوگ
جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور شک
میں پڑے ہوئے ہیں اُن کے دل اور وہ اپنے شک میں ہی
متردد ہیں (۴۵) اور اگر یہ لوگ ارادہ کرتے نکلنے کا جہاد کے
لیے تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے سامان لیکن اللہ نے
ناپسند کیا ہے ان کے اٹھنے کو۔ پس اِن کو کسل مند کر
دیا اور ان سے کہا گیا کہ بیٹھ جاؤ تم بیٹھنے والوں کیا تھ (۴۶)
اگر یہ نکلتے تمہارے درمیان تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے
مگر خرابی اور دوڑاتے تمہارے درمیان گھوڑے اور اونٹ۔
تلاش کرتے ہیں یہ تمہارے لیے فتنہ۔ اور تمہارے درمیان ایسے
لوگ بھی ہیں جو ان کی بات کو سُنتے ہیں اور اللہ خوب جانتا
ہے ظلم کرنے والوں کو (۴۷) بیشک (منافقین نے) تلاش
کیا فتنہ اس سے پہلے بھی اور اُلٹ دیا انہوں نے معاملات
کو آپ کے سامنے۔ یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا
حکم غالب ہو گیا اور یہ لوگ ناپسند کرنے والے ہیں (۴۸)

ربطِ آیات

یہ غزوہ تبوک ہی کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی
اور پھر اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ اس معاملہ میں سستی نہ دکھائیں بلکہ ہر حالت میں جہاد میں
شریک ہوں۔ پھر جہاد کی حکمت بھی بیان فرمائی کہ اس سے مقصود اللہ کے کلمے کی بلندی ہے،

ایمان والوں کو اسی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ اگر ایمان والے آگے نہیں بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ دین کا کام کسی اور جماعت سے لے لیگا اور یہ چیز پیچھے رہ جانے والوں کے لیے تذلیل کا باعث ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان کیا کہ جہاں انہیں کوئی مفاد نظر آتا ہے وہاں حضور علیہ السلام کے ساتھ چل نکلتے ہیں اور جہاں کوئی مشقت طلب کام ہوتا ہے وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ غزوہ تبوک کا سفر چونکہ بہت لمبا تھا، گرمی کا موسم اور قحط سالی کا زمانہ تھا اس لیے منافقین نے اس سفر سے حتی الامکان گریز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ سورۃ کے آخر تک چلا گیا ہے۔

رخصت میں جلدی

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ منافقین نے کئی حیلے بہانے بنائے کہنے لگے اگر سامان قریب ہوتا اور سفر درمیانہ ہوتا تو ہم ضرور جہاد میں شامل ہوتے بعض نے کئی قسم کی مجبوریاں ظاہر کیں اور غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے معذرت کر لی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اُن کے عذر قبول کرتے ہوئے اُن سے درگزر فرمایا۔ اگرچہ آپ نے یہ کوئی غلط کام نہیں کیا تھا مگر یہ پسندیدہ بھی نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی لطیف پیرائے میں حضور علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی ہے عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ آپ نے ان کو کیوں رخصت دی کہ انہیں عدم شمولیت کا بہانہ مل گیا۔ آپ ان کو رخصت نہ دیتے حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ کے لیے وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ اور آپ جھوٹوں کو بھی جان جاتے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کو منافقین کو رخصت دینے میں جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر آپ ذرا خاموش رہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو سچے اور جھوٹے کی پہچان کرا دیتا۔ منافقین تو کسی حالت میں بھی جہاد میں شریک ہونے

پہ آمادہ نہیں تھے مگر آپ کی طرف سے اجازت اُن کی عدم شرکت کا معقول بہانہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے عزائم اور باطنی کیفیات کو جانتا ہے، یہ لوگ کسی حیلے کی تلاش میں تھے جو انہیں میسر آگیا اور انہوں نے اپنے آپ کو کسی حد تک الزام سے بری کر لیا۔

مومنین کا شیوہ

فرمایا یہ تو منافقوں کی حالت ہے کہ حیلے بہانے سے جہاد سے گریز کرتے ہیں مگر مومنوں کا حال یہ ہے۔ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے ہرگز رخصت طلب نہیں کرتے۔ جن لوگوں کے دلوں میں نورِ ایمان راسخ ہو چکا ہے وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اللہ کا رسول تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ پیچھے بیٹھے رہیں۔ فرمایا وہ نہیں رخصت طلب کرتے أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ اس بات سے کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں کیساتھ اور اپنی جانوں کیساتھ مقصد یہ ہے کہ اہلِ ایمان اپنے مالوں اور جانوں کی قربانی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں آرہا ہے " وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ " وہ لوگ اپنی جان کو نبی کی جان پر ترجیح نہیں دیتے۔ جب اللہ کا رسول خود مشقت برداشت کر رہا ہے تو مومن کیسے سکون پکڑ سکتے ہیں؟ فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کن لوگوں کے دل میں خوفِ خدا ہے اور کن کے دلوں میں کفر، شرک اور نفاق بھرا ہوا ہے۔

غزوۂ تبوک کے جو حالات تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان نہایت ہی کٹھن حالات میں سخت تکالیف کو برداشت کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جو لوگ کسی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گئے وہ بھی نہایت ہی نامساعد حالات میں مجاہدین سے جا ملے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ دورانِ سفر چلنے سے

معذور ہو گیا۔ انہوں نے اونٹ کو وہیں چھوڑا اور سامان سفر اپنی گردن پر اٹھا کر چل دیے۔ منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے قافلے سے جا ملے۔ جب حضور علیہ السلام نے اُن کو دُور سے آتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ ابوذرؓ دنیا میں بھی یگانہ ہے اور یہ آخرت میں بھی یگانہ ہو گا۔

ابو خیثمہؓ صحابی نے رات بھر مزدوری کی اور ایک صاع کھجوریں لا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں اور عرض کیا کہ میری طرف سے جہاد کے لیے قبول فرمالیں۔ منافقین نے فوراً طعن کیا کہ یہ شخص لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ بھلا اتنے بڑے معرکے کے لیے ایک صاع کھجوروں کی کیا حیثیت ہے؟ ۔ ادھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں جنہوں نے اس جنگ کے لیے چار ہزار درہم یا دینار حضور کی خدمت میں پیش کیے منافقوں نے یہاں بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا، کہنے لگے کہ اتنی بڑی رقم دکھلاوے کے لیے دے رہا ہے۔

اُسی ابو خیثمہؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا اور پھر اکیلا ہی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب قافلے کے قریب پہنچا تو حضور علیہ السلام نے دُور سے گرد و غبار اٹھتا ہوا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القا کر دیا کہ یہ ابو خیثمہؓ ہے۔ چنانچہ جب وہ قافلے میں پہنچ گیا تو مجاہدین نے دیکھا کہ وہ واقعی ابو خیثمہؓ ہی تھا۔ آگے تین دوسرے آدمیوں کا ذکر بھی آرہا ہے جو اگرچہ پکے سچے مسلمان تھے مگر کسی طرح غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ انہوں نے کوئی جھوٹا حیلہ بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور پھر ان پر بڑی سخت آزمائش آئی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ مومنوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اس معاملہ میں اللہ کے رسول سے رخصت طلب نہیں کرتے انہیں اللہ کے راستے میں جو بھی تکلیف پہنچے اُسے بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

منافقین کا طرزِ عمل

اس کے برخلاف منافقین کا طرزِ عمل یہ ہے اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کہ آپ سے رخصت وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا ایمان لانا محض زبانی کلامی ہوتا ہے وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ اور وہ اسی شک میں ہی بھٹک رہے ہیں۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی بات پر یقین ہی نہیں آتا اور وہ ہر چیز کو شک کی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔ ان کے اسی تردد کے متعلق سورۃ نساء میں آتا ہے "لَآ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ" نہ وہ ادھر کے ہوتے ہیں اور نہ ادھر کے بلکہ درمیان میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جہاد سے گریز کے لیے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر اللہ کے رسول سے رخصت طلب کرتے ہیں۔ فرمایا یہ تو جہاد میں شرکت کا ارادہ ہی نہیں رکھتے تھے وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اگر یہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتے لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً" تو سامان تیار کر لیتے۔ مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے روانگی سے کئی ماہ پہلے تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ اگر یہ لوگ صدقِ دل سے جہاد میں حصہ لینا چاہتے تو سفر کی تیاری کرتے، سواری کا انتظام کرتے، ہتھیار لیتے، خوراک کا بندوبست کرتے مگر یہ تو جانا ہی نہیں چاہتے تھے اور جھوٹے حیلے بہانوں کی تلاش میں تھے۔

مشیتِ الٰہی

فرمایا ادھر مشیتِ الٰہی یہ تھی وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اٹھنے یعنی سفر پر روانگی کو ناپسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی عزائم سے بخوبی واقف تھا کہ یہ لوگ دل سے تو جانا نہیں چاہتے فَثَبَّطَهُمْ پس اللہ نے ان کو کسل مند بنا دیا۔ ان پر سستی طاری کر دی کہ وہ جہاد میں شریک ہونے کی ہمت ہی نہ پاتے تھے۔ اللہ نے ان کو کم ہمت بنا دیا اور فرمایا وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ

کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔ تم جیسے بزدل آدمیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ پیچھے رہ جانے والے کمزور، ضعیف، معذور، نابینا، عورتیں اور بچے تھے، تو فرمایا تم بھی ان کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔ تمہارا جنگ میں جانا سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے مگر خرابی مقصد یہ کہ اگر یہ بادِل نخواستہ آپ کے ساتھ چل بھی پڑتے تو آپ کے لیے مشکلات میں اضافہ کا باعث بنتے لہٰذا ان کا نہ جانا ہی بہتر تھا۔

منافقین کی لگائی بجھائی

اور اس کے ساتھ ساتھ وَلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ دوڑاتے تمہارے درمیان گھوڑے اور اونٹ۔ ایضاع گھوڑے اور اونٹ کو تیز دوڑانے کو کہتے ہیں مگر محاورہ کے طور پر اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ اِدھر کی باتیں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کی جائیں جس سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو۔ یہ لفظ غیبت اور چغل خوری پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جہاد کے لیے چلے جاتے تو ایک تو خرابی میں اضافہ کرتے اور دوسرے ایک دوسرے کے ساتھ لگائی بجھائی کی باتیں کر کے دشمنی، کینہ اور نفرت پیدا کرتے اور اس طرح لشکر اسلام کو فائدے کی بجائے نقصان کا احتمال ہوتا۔

امرؤ القیس زمانہ جاہلیت کا بڑا مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس نے اپنے ایک عمدہ شعر میں ایضاع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کہتا ہے ؎

اَرَانَا مُوْضِعِيْنَ لِاَمْرِ غَيْبٍ
وَنُسْحَرُ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّرَابِ

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی تیزی سے امرِ غیب کی طرف جا رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ صبح شام ہمیں کھانے پینے کے ساتھ بہلایا جا رہا ہے

شاعر نے بڑی پتے کی بات کی ہے کہ ہم نامعلوم منزل کی طرف تیزی کے ساتھ سفر کر رہے ہیں مگر معلوم نہیں کہ آگے ہمارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ ہم اُس تمام نامہ منزل کی فکر کی بجائے خورد و نوش میں ہی محو ہیں بہرحال یہاں ایضاع کو تیز دوڑنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر اوضعوا کا لغوی معنیٰ تو تیز دوڑنا ہی ہے۔ اگر منافق لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے درمیان گھوڑے اور اونٹ تیزی سے دوڑاتے یعنی غیبت اور چغل خوری کے ذریعے تمہارے درمیان لگائی بجھائی کرتے اور اس طرح اختلافات پیدا کر کے تمہارے لیے نقصان کا باعث بنتے لہٰذا ان کا نہ جانا ہی بہتر ہے

منافقین کی فتنہ پردازی

منافقین کی ایک خصلت یہ بھی بیان فرمائی یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ کہ یہ تمہارے لیے فتنہ تلاش کرتے ہیں۔ فتنہ و فساد بپا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ فرمایا اور اُدھر تمہاری حالت یہ ہے وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ تمہارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اُن کی باتوں کو سنتے ہیں یعنی اُن کی لگائی بجھائی سے متاثر ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر سچے مومن منافقین کی چال میں آجائیں گے تو اس سے فتنہ ہی برپا ہوگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ خدا تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کی نیت خراب ہے اور کون اہلِ ایمان میں فساد کا موجب بن سکتا ہے۔

فرمایا لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ اِن منافقین نے پہلے بھی فتنہ تلاش کیا۔ جب سے حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے یہ لوگ ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی یہودیوں کے ساتھ مل کر اہل ایمان کے خلاف سازش کی اور کبھی مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف مدد دی غرضیکہ یہ لوگ ہر موقع پر مسلمانوں کے خلاف مصروف عمل رہے۔ اب بھی اگر یہ جہاد کے

سب مل کر شریک ہوتے تو کوئی نہ کوئی فتنہ ہی کھڑا کرتے، لہٰذا اچھا ہوا کہ یہ آپ کے ساتھ رفیقِ سفر نہیں ہوئے۔

فرمایا ان کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ انہوں نے پہلے بھی آپ کے سامنے معاملات کو الٹا کر کے ہی پیش کیا منافقین نے ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جب مسلمانوں کے معاملات کو الٹ پلٹ کر کے پیش نہ کیا ہو۔ کبھی سازش کی، کبھی غلط پراپیگنڈا کیا اور کبھی افواہ سازی کے ذریعے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ نے ان کی ایک نہیں چلنے دی اور یہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا غزوہ تبوک کے لیے ان کا نہ جانا ہی مسلمانوں کے حق میں بہتر تھا۔

دینِ حق کا غلبہ

فرمایا منافقین اپنی ہر سازش میں ناکام ہوئے حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ یہاں تک کہ حق آگیا۔ یہودی اور منافق سب ذلیل و خوار ہوئے اور اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں وہ شخص ہر موقع محل پر مسلمانوں کی بدگوئی کرتا اور اُن کی حوصلہ شکنی کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر جب بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی تو کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اب معاملہ آہی گیا ہے اور اب اسلام کے آگے بند نہیں باندھا جا سکتا۔ چنانچہ اُس نے ظاہری طور پر کلمہ بھی پڑھ لیا مگر دل میں کفر ہی رہا۔

فرمایا منافقین سازشیں ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حق آگیا وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اور اللہ کا حکم غالب آگیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ دینِ حق کو غالب بنا کر چھوڑے گا، لہٰذا وہ وقت آگیا اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ اور یہ لوگ اس غلبے کو ناپسند کرنے والے ہیں۔ منافقین تو نہیں چاہتے تھے کہ دینِ حق تمام ادیان پر غالب آجائے مگر مشیتِ ایزدی یہی تھی، لہٰذا اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور منافقین بے نیل مرام

ہو کر رہ گئے۔

منافقین کی مذمت بیان ہو رہی ہے اور سلسلہ آگے دُور تک چلا جائے گا۔ بعض منافقین کا شخصی طور پر بھی ذکر ہو گا اور بحیثیت مجموعی بھی اُن کی خباثتوں کو واضح کیا جائے گا۔ درمیان میں اس سلسلہ سے تعلق رکھنے والے بعض دیگر مسائل بھی آئیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ
يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ
هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾
قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ
وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ
يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ
اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ
اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ :۔ اور بعض اُن منافقین میں سے وہ ہیں جو کہتے
ہیں کہ آپ مجھے رخصت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ

ڈالیں۔ سنو! فتنے میں تو یہ گرے ہوئے ہیں اور بیشک
جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو ﴿۴۹﴾ اگر پہنچے آپ کو
کوئی بھلائی تو اِن کو ناگوار گزرتی ہے اور اگر پہنچے آپ کو
کوئی مصیبت تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ اس سے پہلے
سنبھال لیا تھا۔ اور پھرتے ہیں وہ اس حال میں کہ وہ خوشیاں منانے
والے ہوتے ہیں ﴿۵۰﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے۔ ہرگز نہیں
پہنچتی ہمیں مگر وہی چیز جو اللہ نے لکھ دی ہے ہمارے لیے
وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ ایمان والے
لوگ بھروسہ رکھیں ﴿۵۱﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ تم نہیں
انتظار کرتے ہمارے بارے میں مگر دو نیکیوں میں سے ایک
کا اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں کہ پہنچائے
تم کو اللہ تعالیٰ سزا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔
پس انتظار کرو، بیشک ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالے
ہیں ﴿۵۲﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے (اے منافقین) تم خرچ
کرو خوشی سے یا ناخوشی سے، ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا
تم سے۔ بیشک تم ایسے لوگ ہو جو نافرمانی کرنیوالے ہو ﴿۵۳﴾
اور نہیں روکا اُن کے خرچ کو قبول کرنے سے مگر اس
بات نے کہ بیشک انہوں نے کفر کیا ہے اللہ کے ساتھ اور
اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں ادا کرتے وہ نماز کو مگر اس
حال میں کہ وہ سست ہوتے ہیں۔ اور نہیں خرچ کرتے
مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۵۴﴾

جد ابن قیس

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں نفیر عام کا حکم دینے کے بعد منافقین کی مذمت بیان

فرمائی ہے اور اُن کے حیلے بہانوں کا رد کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض نمایاں منافقوں کا حال خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ بنی سلمہ قبیلے کا ایک رئیس جد ابن قیس بظاہر کلمہ گو تھا مگر اُس کے دل میں کفر تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھا جب حضور علیہ السلام درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت رضوان لے رہے تھے تو یہ شخص اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کسی شخص نے اُس سے کہا کہ حضور علیہ السلام لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں، تم بھی اُن میں شامل ہو جاؤ تو کہنے لگا، میرا اونٹ ہی مجھے مل جائے تو اچھا ہے بیعت کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ غرضیکہ یہ شخص اعتقادی منافق تھا، اور اس نے اس موقع پر بھی بیعت نہیں کی تھی۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حدیبیہ کے مقام پر بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائیگا مگر ایک سرخ اونٹ والا اور یہ وہی جد ابن قیس تھا جو پکا منافق تھا۔

جہاد سے فرار کا بہانہ

جب غزوہ تبوک کے لیے تیاری کا اعلان ہوا تو یہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک فریفتہ مزاج آدمی ہوں بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے جد بن قیس سے پوچھا تھا[1] هَلْ لَّكَ فِي جِهَادِ بَنِي الْاَصْفَرِ کیا تو چاہتا ہے کہ بنی اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کیا جائے؟ تو اُس نے جواب میں کہا تھا کہ میں ایک فریفتہ مزاج آدمی ہوں، رومیوں کی عورتیں بڑی گوری چٹی اور خوبصورت ہیں، دل خواہ مخواہ اُن کی طرف مائل ہوتا ہے اور لباس بھی نیم عریاں پہنتی ہیں؛ اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ میں اُن کے دام فریب میں گرفتار ہو کر وہیں کا ہو کر رہ جاؤں گا، لہٰذا بہتر ہے کہ آپ مجھے اس جہاد میں شرکت سے رخصت دے دیں۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُس منافق کے اِس عذر لنگ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ان منافقین میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے

[1] ابن کثیر ص ۳۸۷ ج ۲ (فیاض)

رخصت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں۔ اگر میں رومیوں کے علاقہ میں گیا تو عورتوں کے عشق میں مبتلا ہو کر وہیں کا ہو کر رہ جاؤں گا۔

اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا فتنہ میں تو یہ منافق خود ہی پڑے ہوتے ہیں۔ یہ کون سے نئے فتنے کی بات کرتے ہیں؟ اِن کے لیے سب سے بڑا فتنہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جہاد سے گریز کر رہے ہیں اور اس کے لیے جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں۔ فرمایا اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ حق و صداقت کا ساتھ نہ دیا جائے اور جہاد سے گریز کیا جائے۔

معرفت الٰہی کا ذائقہ

اہل تحقیق کہتے ہیں کہ انسان کے حق میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حق کو پہچان لے۔ حضرت مالک بن دینارؒ تابعین کے قریبی زمانے کے بزرگ ہیں۔ اِن کا ایک مشہور مقولہ ہے جسے علامہ اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں بھی نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں افسوس! دنیا سے اکثر لوگ چلے گئے مگر انہوں نے لذیذ ترین چیز کا ذائقہ نہیں چکھا۔ پوچھا وہ لذیذ ترین چیز کون سی ہے تو فرمایا وہ اللہ کی معرفت ہے۔ اسی لیے محققین کے نزدیک انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت معرفت الٰہی ہے جب وہ اس حق کو پہچان لے تو اس کے مطابق سعی کرے اور اس کے لیے اپنے مال اور جان تک کو قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ انسان کے حق میں یہی سعادت ہے اور یہی اس کے اخلاق کی تکمیل ہے۔ اس کے بغیر اخلاقی لحاظ سے انسان کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس چیز سے گریز کرنے والا انسان منافق ہوتا ہے اور جہاد سے جی چراتا ہے۔ اگر کہیں چلا بھی جائے تو بادلِ نخواستہ کیونکہ اس کے نظریات ہی فاسد ہوتے ہیں۔ تو فرمایا کہ بعض لوگ جھوٹے بہانے بناتے ہیں کہ جہاد میں جا کر عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے ایسے لوگ بدنیت ہیں اور اُن کا یہ بہانہ ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس سے

کہیں بڑے فتنے میں پہلے ہی مبتلا ہو چکے ہیں۔
فرمایا، یاد رکھو! وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ بیشک جہنم کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے۔ جو جھوٹے بہلنے بہانے بناتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی انہیں سمیٹ لیگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے نظریات درست نہیں ہیں، ان کی فکر غلط ہے یہ نہ تو حق کو پہچانتے ہیں، نہ اس کی خاطر قربانی کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی حق کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

منافقین کی بدباطنی

اس کی بجائے إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ اگر تمہیں کوئی خوبی پہنچے تو ان کو ناگوار گزرتی ہے، کہیں فتح حاصل ہو جائے۔ مال مل جائے، کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو منافقین کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے، ان کو بری لگتی ہے۔ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے کوئی نقصان ہو جائے یا شکست ہو جائے يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ تو منافق کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا۔ ہم نے اچھا کیا جو مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے ورنہ ہم بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ان کے فاسد نظریات کی یہی دلیل ہے کہ ہر اچھے کام میں تو مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں اور جہاں کوئی تکلیف پہنچے، وہاں علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ فرمایا ایسی صورت میں۔ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ وہ اس حال میں پھرتے ہیں کہ وہ خوشیاں منانے والے ہوتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی تکلیف پر انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا قُل اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ہمیں کوئی چیز نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ تکلیف یا راحت، شکست یا فتح، سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم اس کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں اس کے حکم کے بغیر ہمیں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ هُوَ مَوْلَانَا وہی ہمارا کارساز ہے وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

اور چاہیے کہ اہل ایمان صرف اسی پر اعتماد رکھیں۔ صدمے اور مصیبت کے اثرات کو کم کرنے کے لیے یہ بہت بڑا ہتھیار ہے۔ جو کوئی جس قدر خدا کی ذات پر متوکل ہوگا وہ تکلیف سے اسی قدر کم متاثر ہوگا۔ مومن جب اللہ کو ہی اپنا کارساز بنا لیتا ہے تو پھر بڑی سے بڑی تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی۔ اسی لیے یہاں پر یہی سبق دیا گیا ہے کہ تکلیف کے وقت آپ یہ فرما دیں کہ ہمیں تو وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں کر دیا۔ لہٰذا ہم کسی مصیبت کی وجہ سے بددل نہیں ہوتے۔

دو میں سے ایک نیکی

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان کو یہ بھی فرما دیں هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے بارے میں مگر دو نیکیوں میں سے ایک۔ ہمارے لیے فتح یا شکست اور راحت یا تکلیف ہر بات میں نیکی ہے۔ اگر فتح ہوگئی اور زندہ رہے تو مال بھی مل گیا اور غازی بھی بنے۔ اس کے برخلاف اگر شکست ہوگئی اور مارے گئے تو بھی شہادت نصیب ہوگئی۔ دنیا میں ناکامی بھی ہمارے لیے آخرت میں دائمی راحت کا باعث ہوگی، لہٰذا جو بھی صورت حال ہو ہمیں دو میں سے ایک نیکی تو بہر حال حاصل ہو جاتی ہے۔ اے منافقین! تم ہماری شکست کے انتظار میں ہو مگر ہمارے لیے یہ بھی بھلائی ہے کیونکہ اس طرح ہمارے لیے آخرت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ تو جس چیز کو تم ہمارے حق میں تکلیف دہ سمجھ رہے ہو۔ ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ ہمارے لیے اس میں بھی بھلائی ہے۔

عذاب کا انتظار

فرمایا، تم ہمارے بارے میں نہیں انتظار کرتے مگر دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کا وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اور ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے تمہیں سزا دی

جائیگی۔ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی افتاد ڈال دیگا اور تم براہ راست اُس کی گرفت میں آجاؤ گے اَوْ بِاَیْدِیْنَا یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تمہیں سزا میں مبتلا کر دیگا۔ تمہاری ذلت و رسوائی خود ہمارے ہاتھوں سے بھی واقع ہو سکتی ہے آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ" اے نبی علیہ السلام! ان کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔ منافقوں کے ساتھ زبانی طور پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی خرابیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے انہیں ذلیل و خوار کیا جائے۔ اس معاملے میں ان کے ساتھ رورعایت نہ کی جائے۔ فرمایا فَتَرَبَّصُوْۤا تم بھی انتظار کرو اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھیں گے کہ کیا صورت پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یا تو خود تمہیں سزا دیگا یا پھر ہمارے ہاتھوں سے تمہیں تکلیف پہنچے گی، تم مغلوب ہو جاؤ گے اور سخت رسوا ہو گے۔

مال کی عدم قبولیت

بعض منافقین جہاد میں ذاتی شمولیت سے معذوری کا اظہار کر کے مالی تعاون کی پیش کش کرتے تھے جُد ابن قیس بھی انہی میں سے تھا جس نے عملی طور پر جہاد میں شامل ہونے سے معذرت کر لی مگر جہاد کے لیے کچھ مال کی پیش کش کی، اللہ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد ہوا، قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے لَّنْ یُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِیْنَ تم سے یہ مال ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا بیشک تم ایسے لوگ ہو جو نافرمانی کرنے والے ہو چونکہ تمہارے نظریات ہی فاسد ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ اُس وقت مقبول ہوگا۔ جب فکر صحیح ہوگی جہاد مال اور جان دونوں ذرائع سے لازمی ہے۔ اگر ذاتی طور پر عدم شرکت سے جان بچانا چاہتے ہیں تو پھر اُن کا مال بھی قابلِ قبول نہیں ہے

یہ لوگ ظاہری طور پہ کلمہ گو ہیں مگر ان کے دلوں میں ابھی تک کفر راسخ ہے فرمایا جہاد تو بڑی اعلیٰ ، ارفع اور پاک چیز ہے ۔ جس کے لیے ناپاک مال قبول نہیں کیا جا سکتا ۔

پھر آگے عدم قبولیت کی وجہ بھی بیان فرمائی وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ ان کے خرچ کی قبولیت میں کوئی چیز مانع نہیں اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ مگر یہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر دیا وَبِرَسُوْلِهٖ اور اللہ کے رسول کی رسالت کو تسلیم نہ کیا ۔ اور جب تک کوئی توحید و رسالت کو صحیح معنوں میں تسلیم نہ کرے وہ اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا ، تو ایسے شخص کی طرف سے مال کیسے قبول کیا جا سکتا ہے ؟ دین اسلام تو انسانیت کا بلند ترین شرف ہے ۔ اگر انسان حق کو پہچان کر اس کے لیے سعی نہیں کرتا اور نہ جان پیش کرتا ہے تو اس کا مال بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ مال کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے جیسے قرآن پاک میں بار بار واضح کیا گیا ہے ۔ " اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " کے الفاظ کئی سورتوں میں آئے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے ان کے لیے جنت الفردوس میں مہمانی ہو گی ۔ سورۃ بروج میں ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اسی طرح سورۃ بینہ میں ایمان لانے والوں اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ بہترین مخلوق ہیں ۔ سورۃ نساء میں ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ مرد و زن میں سے جو بھی کوئی نیکی کا کام کرے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے ، مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بڑی دولت

خرچ کرے کے رفاہ عامہ کا بڑے سے بڑا کام کرتا ہے لیکن ایمان سے خالی ہے تو اس کی کوئی چیز بارگاہ رب العزت میں قبول نہیں ہوگی۔ ہر نیکی کے لیے ایمان شرطِ اولین ہے۔ چونکہ منافق لوگ یہ شرط پوری نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پہ دل سے ایمان نہیں رکھتے لہٰذا ان کی طرف سے کتنا بڑا مال بھی ہو۔ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

نمازمیں سستی

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اولین عبادت جو کسی مسلمان کے لیے ضروری ہو جاتی ہے، وہ نماز ہے۔ اسی کے ذریعے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح[1] میں نماز اہم العبادات المقربۃ یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادتوں میں سے سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ تو یہاں پر اس اہم عبادت کے متعلق منافقین کے کردار کو واضح کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخراجات کی عدمِ قبولیت کی وجوہات کے متعلق فرمایا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کا انکار کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى اور یہ لوگ نماز ادا نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ سستی دکھانے والے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دل سے ایمان ہی نہیں لایا اُسے نماز کے ساتھ کیا رغبت ہو سکتی ہے۔ چونکہ اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا ہے، لہٰذا اُسے چار و ناچار نماز بھی ادا کرنا ہوگی جسے وہ با دلِ نخواستہ ادا کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اکثر سستی کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق سورۃ ماعون میں بھی وعید موجود ہے "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو نماز سے غافل رہتے ہیں یعنی جو نماز کی ادائیگی میں سستی دکھاتے ہیں۔ سستی کا مطلب یہی ہے کہ جب اُسے خدا تعالیٰ کی معرفت ہی حاصل نہیں ہوئی وہ نماز کیا ادا کرے گا، وہ لوگوں کو دکھانے کے

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۲۳ (فیاض)

سے لیے وقت بے وقت چار ٹکریں مار لے گا۔ چنانچہ نماز میں سستی کو منافقوں کی علامت شمار کیا گیا ہے۔ ایمان والوں کو تو نماز سے راحت ہوتی ہے وہ تو مستعدی دکھاتے ہیں۔ تکالیف بھی برداشت کرتے ہیں، رات کے اندھیروں میں ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ بِنُوْرٍ تَامٍّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ان کو قیامت والے دن نورِ تام کی بشارت دے دو۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا صلہ ملنے والا ہے۔ تو فرمایا کہ منافقوں کے مال کی عدم قبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ نماز میں سستی دکھاتے ہیں۔

بادل نخواستہ خرچ

عدم قبولیت کی تیسری وجہ یہ بیان فرمائی وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ اور وہ نہیں خرچ کرتے مگر بادلِ نخواستہ۔ اُن کا دِل نہیں چاہتا مگر مجبوراً یا دکھاوے کے طور پر کچھ نہ کچھ خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس اعتراض سے بھی بچنا چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی نہ خود جہاد میں شریک ہوا ہے اور نہ مالی معاونت کی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو تاوان سمجھتے ہیں اور صدقہ خیرات کو بوجھ خیال کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی رسم و رواج یا بدعت کا کام ہو تو بڑا دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ لہو و لعب کی بات ہو تو خرچ کرنے میں بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اُن کی طرف سے دیا ہوا مال کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد منافقوں کی حیثیت کے بارے میں ذکر ہو گا۔ اس دنیا میں منافقوں کی آسودگی کو دیکھ کر بعض آدمیوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ اگر منافق اتنے ہی بُرے ہیں تو انہیں اس دُنیا میں اتنا ساز و سامان اور عیش و آرام کیوں میسر ہے۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ
اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ
بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ
قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ
اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ
اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ
يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

ترجمہ :- پس نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان (منافقین) کے مال اور اُن کی اولادیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اِن کو سزا دے ان (مالوں اور اولادوں) کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور نکلیں اُن کی جانیں اِس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں ﴿۵۵﴾ اور یہ (منافق لوگ) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی کہ بیشک یہ تم میں سے ہیں حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں ، مگر یہ تو

ڈرنے والے لوگ ہیں (۵۶) اگر پاتے یہ کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر چھپانے کی جگہ تو ضرور اس طرف چلے جاتے اور یہ بڑی تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے اُدھر جاتے اور اُن (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو آپ پر طعن کرتے ہیں (۵۷) انہیں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، پس اگر اِنکو صدقات میں سے کچھ دیدیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر اِنکو نہ دیا جائے اُس سے تو یہ ناراض ہو جاتے ہیں (۵۸) اور اگر یہ لوگ راضی ہوتے اُس بات پر جو اللہ نے اِن کو دی اور اللہ کے رسول نے اور کہتے یہ کہ کافی ہے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ، دیگا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بھی۔ بیشک ہم اللہ کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں (۵۹)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے منافقین کا رد فرمایا کہ وہ جہاد میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے لیے حیلے بہانے بناتے ہیں اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ منافقین جو مال خرچ کرتے ہیں وہ اس لیے قبول نہیں ہوتا کہ ان میں توحید و رسالت کے متعلق کفر پایا جاتا ہے اور وہ نماز بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ اُن کی طرف سے خرچ بادلِ نخواستہ ہوتا ہے اور وہ اس معاملہ میں دِل سے راضی نہیں ہوتے۔ بعض منافقین عذرِ لنگ پیش کرتے تھے اور اس بناء پر جہاد میں شمولیت سے رخصت چاہتے تھے کہ شوریدہ مزاج ہونے کی وجہ سے انہیں فتنے میں پڑ جانے کا احتمال تھا البتہ انہوں نے مالی تعاون کی پیش کش کی جسے اللہ نے مسترد کر دیا۔ کیونکہ وہ لوگ ایمان سے خالی ہیں اور صحیح عقیدت کے ساتھ خرچ نہیں کرتے۔

مال و اولاد معیارِ نیکی نہیں

اب آج کے درس میں عام ذہنوں میں آنے والی ایک بات کا جواب دیا گیا ہے۔ بعض اوقات ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کافر اور منافق اللہ کے

نزدیک واقعی برے ہیں تو ان کو اس دُنیا میں مال و دولت اور آرام و راحت کیوں میسّر آتا ہے۔ مدینے کے منافقوں میں بھی بڑے بڑے دولت مند اور صاحبِ اولاد لوگ تھے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے مختلف مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ کسی انسان کے لیے دنیا میں اچھا ہونے کا یہ معیار ہرگز نہیں کہ اس کے پاس مال و دولت، جاہ و اقتدار ہو یا اولاد ہو بلکہ یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اچھوں بُروں سب کو ملتی ہیں "كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ" نافرمانوں، ناہنجاروں، باغیوں اور سرکشوں کو بھی اللہ بہت کچھ دیتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں کافروں، منافقوں اور فاسقوں کو بھی ملتا ہے۔ اور بعض اوقات اہل ایمان عسرت میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ کے نزدیک اچھائی کا معیار عیش و عشرت کی فراوانی نہیں بلکہ نیکی کا حقیقی معیار ایمان، عبادت پاکیزگی، اخلاق اور اعمال صالحہ ہیں اگرچہ کوئی انسان مالی لحاظ سے کتنا ہی کمزور کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ اس لیے فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ اُن کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو یہ چیزیں اتنی کثرت سے دی ہیں۔ اِن کو نعمتیں ملنے کی حکمت یہ ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو سزا دے دنیا کی زندگی میں وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ اور آگے چل کر بڑی سزا کے مستحق ٹھہریں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اِن منافقوں کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر ملال نہ کریں بلکہ یہی چیز ان کے لیے دُنیا و آخرت میں سزا کا موجب بننے والی ہے۔

سزا کی مختلف صورتیں

مال و اولاد کی وجہ سے سزاؤں کے متعلق مفسرین کرام کئی تعبیریں کرتے

ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مال میں سے اللہ کی مقرر کردہ زکوٰۃ ادا کرنے سے منافقوں کو بڑی دلی تکلیف ہوتی اور یہ ان کے لیے ایک قسم کی سزا ہی ہے۔ اسی طرح بعض منافقین کی اولاد اُن کی مرضی کے خلاف ایمان لا چکی تھی اور یہ بات ان کے لیے سخت اذیت کا باعث تھی لہٰذا یہ چیز بھی اُن کے لیے ذہنی سزا کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو زیادہ مال اس لیے دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت میں سزا بھی زیادہ ملے۔ ظاہر ہے کہ کفر و شرک کے ساتھ جس قدر مال میں فراوانی ہوگی، عذاب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ لہٰذا مال اور اولاد منافقین کے حق میں بہتر نہیں کیونکہ یہ تو اللہ کی جانب سے انہیں سزا مل رہی ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی سزائے موت پانے والے مجرم کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانے سے پہلے عمدہ سے عمدہ غذا دی جائے۔ اسی طرح چونکہ یہ لوگ بھی مرنے کے بعد سخت سزا میں مبتلا ہونے والے ہیں اس لیے انہیں دنیا میں اچھی سے اچھی نعمتیں دی جاتی ہیں۔ اگر کسی بیمار آدمی کو نہایت مقوی غذا بھی دی جائے تو اُسے فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوتا ہے کیونکہ اس میں اخلاطِ فاسدہ پائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی منافق آدمی کے لیے دنیاوی نعمتیں بیماری میں اچھی غذا کے مترادف ہیں۔ اِس دنیا کا عیش و عشرت اِن کے لیے آخرت میں مزید مصیبتیں لانے کا باعث ہوگا۔ منافقوں کے کے لیے سزا کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ انہیں مال کی محبت تو بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا جس کی وجہ سے انہیں ہر وقت فکر لگی رہتی ہے اور یہ اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی شخص جس قدر زیادہ دولت مند ہو وہ اُتنی قدر زیادہ متفکر ہوتا ہے۔ سرمایہ دار پاکستانی ہو یا امریکی یا یورپی فکرمندی سب کی مشترک سزا ہے، مال و دولت کے ضیاع یا جاہ و اقتدار سے

محرومی اُن کے لیے ہمیشہ سوہانِ روح بنی رہتی ہے۔

مومن اور کافر میں فرق

مالدار مومن اور مالدار کافر میں بنیادی فرق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو مال و دولت سے نوازے گا تو وہ اُسے ایسی جگہ خرچ کرے گا جو اس کے دین کی تقویت کا باعث بنے اور اس سے اُسے روحانی خوشی حاصل ہو گی۔ اسی طرح اگر اللہ نے اولاد دی ہے تو مومن آدمی اس کی بہتر تربیت کر کے اُسے دین کا معاون بنائے گا اور اس طرح نہ صرف اس دنیا میں آرام و سکون کی زندگی بسر کرے گا بلکہ یہ مال و اولاد اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بھی بن جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر مشرک، کافر یا منافق کے پاس مال ہے تو اُسے مرتے دم تک اس کی حفاظت کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اور اُسے تو بہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ زندگی بھر انسان مالی مالی (میرا مال میرا مال) کہتا رہتا ہے مگر اُسے کچھ نفع نہیں پہنچتا اور وہ مال کی فکر میں ہی دنیا سے چلا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ کسی نافرمان آدمی کی دنیاوی نعمت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے، اس کی دی ہوئی مہلت ہے، ایسا شخص عنقریب اللہ کی گرفت میں آجائے گا۔ شاہ عبدالقادرؒ بھی فرماتے ہیں کہ اس بات پر تعجب نہ کر کہ اللہ نے بے دین آدمی کو نعمت کیوں دی ہے یہ تو اس کے حق میں وبال ہے۔ ایسا شخص مرتے دم تک اپنے مال و اولاد کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔

دعویٰ ایمان

فرمایا وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ یہ منافقین اللہ کی قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی ایماندار ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے وَمَا هُم مِّنكُمْ کہ یہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں ان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ بلکہ یہ تو ڈرنے والے لوگ ہیں۔ جہاد کا نام سن کر ڈر جاتے ہیں، ساتھ چلنے

کے لیے تیار نہیں ہوتے مگر ایماندار ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں اور اتنے خوفزدہ ہیں کہ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَأً اگر یہ کوئی پناہ گاہ پاتے اَوْ مَغٰرٰتٍ یا کوئی غار پاتے اَوْ مُدَّخَلًا یا نہیں سر چھپانے کی کوئی جگہ مل جاتی لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ تو ضرور اس طرف چلے جاتے۔ اور اتنی تیزی سے جاتے وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ جیسے کوئی جانور رسیاں تڑا کر بھاگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ منافق لوگ دعویٰ ایمان میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اگر انہیں کہیں ذرا بھی پناہ مل جائے تو یہ لوگ فوراً اسلام کے دائرہ سے بھاگ کھڑے ہوں۔ یہ ڈرنے والے لوگ ہیں، نہ یہ تم میں سے ہیں۔ اور نہ یہ جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حال سے مطلع فرما دیا۔

خوشی اور ناخوشی کا معیار

اللہ نے منافقوں کی یہ خصلت بھی بیان فرمائی ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا اگر آپ انہیں اس میں سے کچھ دے دیں تو خوش ہو جاتے ہیں وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اور اگر آپ اس میں سے کچھ نہ دیں اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ تو یہ لوگ ناراض ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کے دین کا مدار مفاد پرستی پر ہے۔ ایسے لوگ محض مفاد کی خاطر دین قبول کرتے ہیں۔ اصل ایمان تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، اس میں ذاتی مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے اور اجتماعی مفاد کو اولیت دی جاتی ہے مگر منافقین ذاتی اغراض کو پیش نظر رکھتے ہیں اور یہی ان کا اول و آخر ہوتا ہے لہٰذا یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے فرمایا ان لوگوں کی حالت یہ ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اگر یہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور

اس کے رسول نے انہیں مال غنیمت یا صدقات میں سے دیا ہے، تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ مال غنیمت کی تقسیم کا اصول سورۃ انفال میں بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح صدقات کی تقسیم کا قانون بھی اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ تو فرمایا کہ ان قوانین کے مطابق اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم پر خوش ہو جاتے اور اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر نہ رکھتے تو یہ چیز ان کے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ثابت ہوتی مگر انہوں نے ناجائز مطالبات کر کے اپنے دونوں مفادات کو نقصان پہنچایا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وَقَالُوا اور کہتے حَسْبُنَا اللّٰهُ ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اس کی ذات اور اس کی کفالت و وکالت پر بھروسہ رکھتے اور اس کی تقسیم کو بسر و چشم تسلیم کرتے۔ اگر انہیں وقتی طور پر کچھ کم حصہ ملا ہے تو یوں کہتے سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ضرور دیگا۔ وَرَسُولُهُ اور وہ اپنے رسول کے ہاتھ سے ہمیں دلا دے گا۔ اب نہیں ملا تو کوئی بات نہیں، آئندہ مل جائے گا آگے بھی کئی مواقع آنے والے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے صبر کا دامن چھوڑ دیا اور ذاتی مفاد کی خاطر اللہ اور اس کے رسول سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے کہ ہمیں نظر انداز کیا گیا ہے یا یہ کہ تقسیم درست نہیں ہوئی، وغیرہ، وغیرہ، ایک شخص نے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں یہ جملہ بھی کر دیا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ساتھ اللہ کے رسول نے انصاف کا ارادہ نہیں کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام کو بڑی کوفت ہوئی اور فرمایا، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں اور کون انصاف کریگا۔ اللہ تعالیٰ اور آسمانوں کے فرشتے تو مجھے امین جانتے ہیں اور تم مجھے خائن سمجھ رہے ہو۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی مگر انہوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ لہٰذا میں بھی اس بات پر

صبر کروں گا اور انتقام نہیں لوں گا۔ بہر حال فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ پہ راضی ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید عطا کرتا۔ اور یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اگر یہ یوں بھی کہتے اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ بیشک ہم اللہ کی طرف رغبت والے ہیں یعنی ہمارا رجحان، توجہ اور اعتماد صرف اللہ کی ذات پہ ہے۔ وہ جس طرح چاہے گا اپنی مشیت کے مطابق دے گا اور دلائے گا۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ اللہ کے نبی پر طعن کیا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ تو فرمایا کہ ان کا مال و دولت آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ یہ چیزیں ان کے حق میں اچھی نہیں ہیں۔ ان کی پوزیشن بہت گندی ہے اور یہ تمہاری جماعت کے آدمی نہیں ہیں یہ ہزار قسمیں کھائیں کہ وہ ایمان لا چکے ہیں مگر یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

درس بست و دو ۲۲

آیت ۶۰

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

ترجمہ :- بیشک صدقات فقرا کے یلے ہیں اور محتاجوں کے یلے اور جو اِس کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے یلے جن کے دلوں کو الفت دلائی جاتی ہے۔ (اسلام کے مقصد میں) اور گردنوں کو آزاد کرنے میں اور تاوان بھرنے والوں کے یلے۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور مسافروں کے یلے۔ یہ فریضہ ہے ٹھہرایا ہوا اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿٦٠﴾

ربط آیات

اس سے پہلے جہاد میں عدم شرکت کی وجہ سے منافقین کی مذمت بیان ہو چکی ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ منافقین جو مال اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں وہ اس بناء پر قابلِ قبول نہیں کہ وہ توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اپنی خوشی خاطر سے یہ کام کرتے ہیں بلکہ اُن کا انفاق بادلِ نخواستہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک شبہ کا ازالہ بھی کیا گیا کہ اگر منافقین اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنے ہی بُرے ہیں تو پھر پروردگار نے انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی کیوں عطا کر رکھی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دنیا کا مال اِن کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ یہ اِن کے یلے باعث عذاب ہے جس کا وبال آخرت میں بہت زیادہ ہو گا۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ منافق لوگ

جھوٹی قسمیں کھا کر تمہیں باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے آدمی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو جہاد سے ڈرنے والے لوگ ہیں۔ اگر انہیں کوئی جائے پناہ، غار یا سر چھپانے کی کوئی جگہ میسر آجائے تو دوڑ کر اُس کی طرف چلے جائیں، لہٰذا یہ لوگ جماعت المسلمین کے ممبر نہیں ہو سکتے پھر فرمایا کہ بعض لوگ پیغمبر خدا پر طعن کرتے تھے اور اگر صدقات یا غنیمت میں سے انہیں کچھ مل جاتا تو راضی ہو جاتے ورنہ ناراض رہتے ہیں حالانکہ اُن کی سچائی کا تقاضا یہ تھا کہ جو کچھ اللہ کے رسُول کے ہاتھوں مل جاتا اُسے لے لیتے اور اگر نہ ملتا تو خاموش رہتے۔ اس ضمن میں وہ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتے کہ اگر نہیں مِلا تو کوئی بات نہیں، اگر اللہ تعالےٰ اپنی حکمت کے مطابق چاہیگا تو آئندہ دلا دے گا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا جو کہ اُن کی منافقت کی دلیل ہے۔

مسائل زکوٰۃ و صدقات

لفظ صدقہ زکوٰۃ اور نفلی صدقات سب پر بولا جاتا ہے محتاجوں کو اللہ کی راہ میں دینا دینے والے کے ایمان کی دلیل ہوتی ہے اسی لیے وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ بھی کہا گیا ہے۔ تاہم قرآن پاک کے اس مقام پر صدقہ سے مراد فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ ہے۔ نفلی صدقات تو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی دیے جا سکتے ہیں اور قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے مگر واجبی صدقات یعنی زکوٰۃ، نذر اور صدقہ فطر صرف مسلمانوں کے حق ہیں۔ ان میں سے غیر مسلموں کو نہیں دیا جا سکتا اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے[1] تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآءِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَآءِهِمْ یعنی زکوٰۃ کا مال اہل ایمان کے دولتمندوں سے لیا جاتا ہے اور اُنہی کے غربا میں تقسیم کیا جاتا ہے اگر زکوٰۃ کا مال کسی ہندو، سکھ، عیسائی، دہریہ یا فاسد العقیدہ آدمی کو دیا جائے گا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] مسلم ص ۳۶ ج ۱ (فیاض)

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف آج کی آیت کریمہ میں بیان کیے گئے ہیں اور یہ مدات اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کی ہیں لہٰذا ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان مصارف میں ردوبدل کرنے کا اختیار نہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے صدقات کو کسی نبی یا غیر نبی کی مرضی سے تقسیم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ چنانچہ کوئی غنی آدمی ان مدات میں داخل نہیں اور نہ وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے۔ حضور علیہ السلام کا واضح فرمان ہے لَا تَحِلُّ الصَّدَقٰتُ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّۃٍ سَوِیٍّ (مسند احمد، النسائی، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) صدقہ یعنی زکوٰۃ کسی غنی (صاحب نصاب) یا جسمانی طور پر مضبوط آدمی کے لیے حلال نہیں ہے جو شخص خود صاحب مال ہے وہ تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں، البتہ اگر کوئی غریب آدمی بھی جسمانی لحاظ سے تندرست و توانا ہے، محنت کر سکتا ہے تو وہ بھی مستحق نہیں ہے۔ دو شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زکوٰۃ کے مال سے حصہ طلب کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَیْتُکُمَا وَلَا حَظَّ فِیْھَا لِغَنِیٍّ وَّلَا لِقَوِیٍّ مُّکْتَسِبٍ اگر چاہو تو میں تم دونوں کو دے دوں مگر یاد رکھو کہ اس پر کسی غنی اور ایسے مضبوط آدمی کے لیے حصہ نہیں ہے جو خود کمائی کر سکتا ہو۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سوال کرنا جائز نہیں مگر تین قسم کے آدمیوں کو اجازت ہے۔ پہلا آدمی وہ ہے تَحَمَّلَ حَمَالَۃً کہ اس پر بوجھ پڑ گیا ہے، کسی کی ضمانت دے کر پھنس گیا ہے، تو ایسی صورت میں اپنے بوجھ کو اتارنے کے لیے زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو گیا ہے اور وہ محتاج ہو گیا ہے مثلاً طوفان آگیا ہے یا زلزلہ آیا ہے یا کسی بیماری کی وجہ سے جانور ضائع ہو گئے یا باغات اور فصل تباہ ہو گئی ہے تو ایسے شخص کو بھی سوال

کرنے کی اجازت ہے۔ فرمایا تیسرا شخص وہ ہے جسے فاقہ آگیا ہے۔ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ اگر اُس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ اس شخص کو واقعی فاقے آرہے ہیں تو اس کے لیے بھی سوال کرنا حلال ہے

یہ ایک عام اصول ہے کہ کسی صاحبِ نصاب آدمی کو زکوٰۃ یا صدقے کا مال کھانا جائز نہیں۔ البتہ پانچ صورتیں ایسی ہیں جن میں زکوٰۃ وصدقات کا مال غنی آدمی کے لیے بھی حلال ہے۔ پہلا شخص وہ ہے جو زکوٰۃ کی وصولی پر متعین ہے۔ وہ کارکردگی کے معاوضے کے طور پر زکوٰۃ کے مال میں سے لے سکتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو زکوٰۃ کا مال کسی مالک سے خرید لیتا ہے کسی مستحق کو مال ملا اور اُس نے آگے بیچ دیا تو اب خریدنے والا اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ تیسرا آدمی وہ ہے جسے کوئی تاوان پڑ گیا ہے، اگرچہ وہ خود صاحبِ نصاب ہے مگر اس تاوان کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ چوتھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے اگرچہ وہ آسودہ حال ہے مگر جہاد میں نکلنے کی وجہ سے مالِ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ پانچواں آدمی مسافر ہے جس کا توشہ راستے میں ختم ہو گیا یا کوئی نقصان ہو گیا ہے تو وہ بھی زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے گھر میں کافی مال موجود ہو۔

زکوٰۃ کی تقسیم کا یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ بنی ہاشم یہ مال حاصل نہیں کر سکتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی صدقات و زکوٰۃ کا مال نہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کی آل کے لیے۔ فرمایا اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے، لہذا یہ محمد اور آلِ محمد کے لیے جائز نہیں۔ اہل بیت میں یہ خاندان شمار ہوتے ہیں یعنی حضرت عباسؓ کی اولاد، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ اور حارث ابن نوفل کی اولاد۔ ان کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا مال حلال نہیں ہے

مسئلہ تملیک مال

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور بعض دیگر علمائے احناف اور فقہائے کرام کہتے ہیں کہ اس آیت میں مستحقین کے نام سے پہلے جو حرف لام آیا ہے یعنی لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ ..... الخ یہ متعلقہ مستحقین کی تملیک کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو مال زکوٰۃ و صدقات دیا جائے اسے اس مال کا مالک بنانا ضروری ہے ورنہ ادائیگی کا حق ادا نہ ہوگا۔ تملیک کا معنیٰ کسی چیز کا مالک بنا دینا اور حقیقی ملکیت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کوئی چیز کسی کے قبضے میں نہ چلی جائے۔ لہذا زکوٰۃ کا مال نقدی کی صورت میں ہو یا جنس یا جانوروں کی صورت میں اس کا مستحق زکوٰۃ کے قبضے میں جانا ضروری ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کا مال کسی میت کے کفن دفن کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ مرنے والے کو اس کا مالک نہیں بنایا جا سکتا جو اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ یا استعمال کرنے پر قادر ہو۔ اسی طرح یہ مال نہ مسجد پر صرف ہو سکتا ہے، نہ مدرسے کی عمارت پر، نہ ہسپتال یا مسافر خانہ تعمیر کرنے پر اور نہ ہی دوسرے رفاہِ عامہ کے کام پر، کہ ایسی صورت میں کسی مستحق زکوٰۃ کو اس مال کا مالک نہیں بنایا جا سکتا۔ لہذا تقسیم زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ مسئلہ جمہور فقہا کے نزدیک مسلم ہے۔

نصاب و شرح زکوٰۃ

اب سوال یہ ہے کہ کم از کم کتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کے لیے سنتِ نبوی سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ کوئی مال جس قدر آسانی

سے حاصل ہوتا ہے اُس پر زکوٰۃ کی شرح زیادہ ہے، اور جو مال جتنا محنت سے حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کی شرح کم ہے۔ باغات اور غلے کی پیداوار کا نصاب پانچ وسق ہے جو کہ تقریباً تیس ۳۰ من بنتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم کے نزدیک اس سے کم پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ تاہم ابن عباسؓ، زید بن علیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ پیداوار کی کمی بیشی کا کچھ لحاظ نہیں، زکوٰۃ ہر حالت میں واجب ہے۔ یہ ایک اصولی بحث ہے اور فقہ کی کُتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بہرحال اگر پیداوار بغیر مشقت کے حاصل ہوتی ہے جیسے زمین بارانی ہے اور اس میں کنوئیں یا ٹیوب ویل سے پانی نہیں دیا جاتا تو شرح زکوٰۃ کل پیداوار کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور اگر کھیتی یا باغ کے لیے پانی کا انتظام کاشتکار کو خود کرنا پڑتا ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔ اگر کسی کی زمین میں کوئی کان ہے اور وہاں سے وصول ہونے والے مال کے لیے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی تو ایسے مال پر پانچواں حصہ (خمس) زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔

چاندی کا نصاب دو سو ۲۰۰ درہم یعنی ساڑھے باون تولے کے برابر ہے جب اتنا مال موجود ہو تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح سونے کا نصاب بیس ۲۰ مثقال یعنی ساڑھے سات تولے ہے جب کسی کے پاس سونا اس مقدار کو پہنچ جائے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرےگا۔ سکہ رائج الوقت بھی جب چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر اگر کسی کے پاس کرنسی نوٹ موجود ہیں تو اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

چرنے والے جانوروں میں اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہیں تو اُسے سالانہ ایک بکری زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ دس اونٹ پر دو، پندرہ پر تین اور بیس اونٹ پر چار بکریاں ادا کرےگا۔ البتہ جب اونٹوں کی تعداد پچیس تک پہنچ جائے تو ایک اونٹ ادا کرنا ہوگا جسے ایک سال مکمل ہو کر دوسرا سال

شروع ہو چکا ہو۔ ـــــــــ ۔ اسی طرح گائے بیل اور بھینس وغیرہ کا نصاب تیس ہے۔ جب ریوڑ اس تعداد کو پہنچ جائے تو ایک گائے یا بھینس ادا کرنا ہوگی۔ بھیڑ بکری کا نصاب چالیس ہے۔ ہر چالیس میں ایک بھیڑ بکری ادا کی جائیگی۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلہ میں منافقین اعتراض کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کر دیے ہیں تاکہ آئندہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے گویا زکوٰۃ کی تقسیم کا کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اپنے نبی کو بھی اختیار نہیں دیا کہ وہ مرضی سے تقسیم کر دیں۔

فقراء اور مساکین

ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ بیشک صدقات (زکوٰۃ) فقراء اور مساکین کے لیے ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ شخص ہے جو بالکل نادار ہو حتیٰ کہ اس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس تھوڑا بہت ہے مگر وہ اس کی جائز ضروریات کے لیے ناکافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اسکی تعبیر الٹ کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کی کم از کم ضروریات بھی پوری نہ ہوتی ہوں۔ اگرچہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہے مگر اس کی گزر اوقات ٹھیک طریقے سے نہیں ہوتی۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس بالکل کچھ نہ ہو یعنی اُسے ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔ سورۃ بلد میں آتا ہے "اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ" یعنی مسکین جو بالکل مٹی میں ملا ہوا ہو، اس کے پاس کچھ نہ ہو بہرحال یہاں پر فرمایا کہ زکوٰۃ کے حقدار پہلے نمبر پر فقراء اور دوسرے نمبر پر مساکین ہیں۔ مالِ زکوٰۃ ان کو ادا کیا جائے گا۔

عاملین زکوٰۃ

تیسرے نمبر پہ فرمایا وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا یعنی وہ لوگ جو نظامِ زکوٰۃ اور

اس کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ موقع پر وصول کرنے والے یا اس کے لیے دیگر انتظام کرنے والے ملازمین وغیرہ اس مال سے معاوضہ وصول کرنے کے حقدار ہیں بشرطیکہ وہ بنو ہاشم کے خاندان سے نہ ہوں۔

مؤلفۃ القلوب

فرمایا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ چوتھے نمبر پر مستحقین زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو الفت دلائی جاتی ہے۔ بعض لوگ اسلام تو لے آتے ہیں مگر مالی لحاظ سے کمزور ہیں۔ ایسے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بھی زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے تاکہ کوئی دوسرا مذہب والا اُسے لالچ دے کر اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ حضور علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں اس مد سے ان لوگوں کو دیا جاتا تھا، جن کے اسلام لانے کی توقع ہوتی تھی۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت عطا فرما دی۔ تو پھر ایسے لوگوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ البتہ جو شخص اسلام لا چکا ہے اور کمزور ہے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے مالِ زکوٰۃ میں دیا جاتا رہے ہے۔

آزادی غلاماں

زکوٰۃ کا پانچواں مصرف وَفِي الرِّقَابِ گردنوں کو چھڑانا ہے۔ یعنی غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ بعض مکاتب غلام ہوتے تھے کہ اتنا مال کما کر دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کی مدد بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے تاکہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس مد سے مستقل غلاموں کو بھی خرید کر آزاد کیا جا سکتا ہے۔ یا اگر کوئی قیدی ہوں تو ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائی جا سکتی ہے۔ یہ سب گردن چھڑانے کی مد میں شامل ہیں۔

مقروض

فرمایا وَالْغَارِمِينَ مقروض لوگوں کے لیے یا تاوان بھرنے والوں کو بھی یہ مال دیا جا سکتا ہے۔ کسی شخص پر کسی وجہ سے تاوان پڑ گیا ہے، یا کوئی شخص کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے، یا کسی کی ضمانت دے کر پھنس گیا ہے تو ایسے لوگوں کی امداد بھی زکوٰۃ کے مال سے کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی

کے پاس دس ہزار روپے موجود ہیں مگر اس نے گیارہ ہزار روپیہ قرض دینا ہے تو اس کے قرض کی بیباقی کے لیے اس کی مدد کی جا سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ قرض کسی جائز مقصد کے لیے لیا گیا ہو اور پھر اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اگر فضول رسم و رواج کی ادائیگی یا کسی حرام کام جوا وغیرہ کے لیے قرضہ لیا ہے تو ایسے شخص کی امداد نہیں کی جائیگی۔ یہ زکوٰۃ کی چھٹی مد ہے۔

فی سبیل اللہ

زکوٰۃ کی ساتویں مد کے متعلق فرمایا وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ کے راستے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مد میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو وہ غازی ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔ اگر وہ محتاج ہیں تو انہیں مال زکوٰۃ میں سے دے دو۔ دوسری قسم کا وہ آدمی ہے۔ جو حج کے لیے نکلا مگر راستے میں کوئی حادثہ پیش آگیا، چوری ہو گئی یا کسی اور طریقے سے مال ضائع ہو گیا اور اس کا خرچہ ختم ہو گیا ہے۔ ایسے شخص کو منقطع الحاج کہتے ہیں یہ بھی زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ تیسرے نمبر پر دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ہیں جو حصول تعلیم کی وجہ سے کوئی کاروبار نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ لِلَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے تحت غازیوں میں ہی شمار ہو کر زکوٰۃ کے مستحق شمار ہوتے ہیں۔

مسافر

زکوٰۃ کے مستحقین میں سے آٹھواں نمبر وَابْنِ السَّبِيلِ یعنی مسافروں کا ہے۔ کوئی ایسا مسافر جس کا سفر خرچ ختم ہو گیا ہے اگرچہ گھر میں اس کا کافی مال موجود ہے مگر اس سے یہ نہیں کہا جائیگا کہ اپنے گھر سے مال منگوائے بلکہ وہ مال زکوٰۃ کا مستحق ہے لہٰذا اس کی مدد کی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ کہ مال زکوٰۃ ان مدات پر صرف ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی۔

فرمایا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے

یہ کسی انسان کا وضع کردہ نظام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم، حکمت اور مصلحت کے تحت یہ تقسیم کر دی ہے۔ اِن مدات میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں حتیٰ کہ اللہ کا نبی بھی اپنی مرضی سے زکوٰۃ تقسیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی پابندی لازمی ہے۔

فرمایا وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ وہ ہر ایک کا غنا، استحقاق، غربت وغیرہ کو جانتا ہے۔ اور وہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے خواہ انسانوں کو اس کی سمجھ آئے یا نہ آئے۔ حکیم خدا تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا اس کی حکمت کے تحت دیے گئے احکام کو تسلیم کرنا ہی عین سعادت ہے۔ خدائی احکام میں اپنی عقل کو دخیل نہیں کرنا چاہیے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ
قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ
وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ
اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ
الثلثة
يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ
لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ
الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ
اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

۲/۸۳

ترجمہ:- اور بعض اُن (منافقین) میں سے وہ ہیں جو
تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے نبی کو اور کہتے ہیں کہ وہ کان
(کے کچے) ہیں۔ آپ کہہ دیجئے وہ کان ہیں تمہاری بہتری کے
لیے۔ وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور تصدیق کرتے ہیں
ایمان والوں کی اور مہربان ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان
لائے تم میں سے۔ اور وہ لوگ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ
کے رسول کو، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے (۶۱) یہ
(منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی تمہارے سامنے
تاکہ تمہیں خوش کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ
حقدار ہے کہ یہ اس کو خوش کریں اگر یہ ایمان رکھتے ہیں (۶۲)
کیا اِن لوگوں نے نہیں جانا کہ بیشک جو شخص مخالفت
کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تحقیق اُس کے
لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہو گا
اور یہ ہے رسوائی بڑی (۶۳) ڈرتے ہیں منافق اس بات سے
کہ نازل کی جائے اُن پر کوئی سورۃ جو بتلا دے اُن کو جو
کچھ اُن کے دِلوں میں ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے
ٹھٹھا کر لو، بیشک اللہ تعالیٰ نکالنے والا ہے اُس چیز کو
جس سے تم ڈرتے ہو (۶۴) اور اگر آپ اِن سے
پوچھیں تو یہ کہیں گے کہ بیشک ہم تو بات چیت
کرتے تھے اور محض دِل لگی کرتے تھے۔ اے پیغمبر!
آپ کہہ دیجئے، کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے
ساتھ اور اس کے رسُول کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے

تھے (۶۵) مت بہانے بناؤ تم نے کفر کیا ہے بعد
ایمان کے ظاہر کرنے کے۔ اگر ہم معاف کر دیں گے ایک
گروہ کو تم میں سے تو یقیناً ہم سزا دیں گے ایک گروہ
کو اس وجہ سے کہ بیشک وہ مجرم ہیں (۶۶)

ربط آیات

پہلے جہاد کی فرضیت اور اس کی ترغیب کا بیان تھا۔ پھر مانعات جہاد کا ذکر ہوا اور جہاد و قتال سے متعلق بہت سے ضروری احکام صادر ہوئے پھر منافقین کی بدکرداری کا ذکر ہوا۔ اِن کا پیچھے رہ جانا، حیلے بہانے بنانا، طعن وتشنیع کرنا، خودغرضی اور مفاد پرستی میں مبتلا ہونا، یہ سب اللہ نے بیان فرمایا۔ مفاد پرستی ہی کے ضمن میں ایک یہ بات بھی تھی کہ منافقین صدقات کے بارے میں اعتراض کرتے تھے، اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے ورنہ اللہ کے رسُول کی تقسیم پر اعتراض کرتے۔ اللہ نے اِن کے ایسے اعتراضات کا جواب بھی دیا اور پھر زکوٰۃ و صدقات کے مصارف بھی بیان کیے کہ یہ مال فلاں فلاں مدات پر خرچ ہو سکتا ہے اور فلاں فلاں لوگ اس کے حقدار ہیں اس سے واضح ہو گیا کہ اعتراض کرنے والے منافق جو خود صاحبِ مال تھے، وہ زکوٰۃ وصدقات کے حقدار نہیں ہو سکتے تھے۔ آگے بھی اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بہت سی بُری خصلتوں کا ذکر کر کے اُن کی مذمت بیان کی ہے۔

منافقین کی ایذا رسانی

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ ان منافقوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ اور کہتے ہیں کہ وہ کان ہیں یعنی کان کے کچے ہیں، وہ ہر ایک کی بات سُن لیتے ہیں لہذا ہم جو بات کریں وہ مان لیں گے۔ گویا اس طرح وہ بدگوئی کر کے اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جہاد میں عدم شرکت کے متعلق ہم جو بھی حیلہ سازی کریں گے، اور اللہ کے رسُول کو یقین دلانے کی کوشش کریں گے، وہ ہماری بات پر یقین کر لیں گے۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے بہت سی باتیں کیں اور

بڑی حیلہ سازی کی مگر اللہ کے رسول نے ان سے درگزر کیا، اُن کے حیلے بہانے کو قبول کرتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ جب مسلمان تبوک کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو منافقین اس قسم کی طعنہ زنی کرتے تھے کہ دیکھو جی! یہ رومی سلطنت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں

نے رومیوں کو بھی عرب ہی سمجھ لیا ہے۔ اس قسم کی باتیں آگے آ رہی ہیں اور بعض لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غلط قسم کا پراپیگنڈا کرتے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں، یعنی یہ کہ آپ انصاف نہیں کرتے اور ہمیں ہمارا حق نہیں دیتے۔ اللہ کے نبی کو اذیت پہنچانا تو کفر کی بات ہے۔ نبی کو ناراض کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔ اس قسم کی باتیں کافر اور منافق لوگ ہی کہہ سکتے ہیں اس چیز کو اللہ نے سورۃ احزاب میں بھی بیان فرمایا ہے اللہ اور رسول کے خلاف اذیت ناک بیہودہ باتیں کرنے والا شدید لعنت کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بے گناہ مسلمانوں کے خلاف بھی ایسی بات کریگا تو مجرم بنے گا اور خدا تعالیٰ کے ہاں ملعون ٹھہرے گا۔ بہرحال فرمایا کہ منافقین میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ اول فول کر دیں گے وہ ہماری بات مان جائیں گے کیونکہ وہ کان کے کچے ہیں۔

حضورؐ کا خلقِ عظیم

اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ آپ کہہ دیجئے أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ بیشک آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان ہیں مگر تمھاری بہتری کے لیے، آپ کے اخلاق کا تقاضا ہے کہ وہ تم میں سے ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اسمیں تمہاری بہتری ہے حضور علیہ السلام تو اخلاق کی بلند ترین منزل پر تھے اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" (والقلم) یعنی آپ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کا اپنا

ارشاد مبارک بھی ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی اللہ نے مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام تو اس اخلاقِ حسنہ کے تقاضا کے تحت منافقین کی الٹی سیدھی باتیں اور فضول حیلے بہانے سن لیتے تھے مگر یہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کو کسی چیز کا علم ہی نہیں بلکہ بالکل سادہ طبع ہیں، جو کوئی حیلہ بہانہ پیش کرتا ہے اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ فرمایا یہ کان ہیں مگر تمہاری بہتری کے لیے اور وہ اللہ کا نبی یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ اللہ پر یقین رکھتا ہے وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور وہ ایمان والوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہاں پہ ایمان لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایمان کا لغوی معنیٰ تصدیق کرنا ہی ہوتا ہے۔ شریعت کی خاص خاص باتوں کی تصدیق کو ایمان کہا جاتا ہے۔ مومن جو بات کرتے ہیں اللہ کا نبی اس کی تصدیق کرتا ہے یعنی اس کو سچ سمجھتا ہے۔

فرمایا اللہ کا نبی خود اللہ پہ ایمان رکھتا ہے، اور دوسرے مومنوں کی تصدیق کرتا ہے "وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ" اور اللہ کا نبی مہربان ہے اُن لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" اپنے شفقت کے بازو ایمان والوں کے لیے پست کر لیں یعنی اُن سے شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں۔ اسی سورۃ کے آخر میں آپ کو "بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" بھی کہا گیا ہے، یعنی آپ اہلِ ایمان کے لیے نہایت شفقت والے اور مہربان ہیں۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی صفاتِ جمیلہ کی بنا پہ ہر ایک کی بات سن لیتے تھے مگر بدباطن منافقین سمجھتے تھے کہ وہ آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

فرمایا یاد رکھو! وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جو اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وہ دردناک عذاب

کے مستحق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے انہوں نے اللہ کے رسول کو ذہنی طور پر اذیت پہنچائی ہے اور آپ کو پریشان کیا ہے، اس لیے وہ سخت سزا کے حقدار ہیں حضور علیہ السلام کا مہربان اور سلیم الطبع ہونا تو یقینی بات ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرم لوگ سزا سے بچ جائیں گے۔ نہیں، بلکہ انہیں دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہوگا

خوشنودی کی تلاش

فرمایا یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ یہ منافق لوگ اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں تمہارے سامنے۔ بات بات پر قسم اٹھانا اُن کی عادت ہے۔ سورۃ منافقین میں ہے کہ منافق لوگ قسمیں اٹھا کر اللہ کے رسول کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا "اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ" یہ جھوٹے ہیں ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ جب کوئی مومن اللہ کے نام کی قسم اٹھائے گا۔ تو وہ قابلِ تسلیم ہو گی کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کی حد درجے تعظیم کرتا ہے مگر منافق کو نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ایمان والوں سے، لہٰذا وہ جھوٹی قسمیں کھاتے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور فرمایا، اللہ کے بندے تم نے چوری کیوں کی ہے؟ تو وہ شخص اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر کہنے لگا۔ کہ میں نے تو چوری نہیں کی۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کے نام کی تعظیم کرتے ہوئے تمہاری قسم پر اعتبار کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں جنہوں نے تجھے چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قسم کا مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں بیان فرمایا ہے۔ "وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ" اللہ کے پاک نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ ہر نیک بات کے انکار کرتے میں قسمیں اٹھاتے ہو۔ اگر مجبوراً کہیں قسم اٹھانی بھی پڑے تو صرف اللہ کے نام کی یا اُس کی صفت کی قسم اٹھاؤ، کسی دوسری چیز کی قسم مت اٹھاؤ۔ قسم کا مسئلہ بڑا سخت ہے

اس کی وجہ سے بھی انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا یہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی لِيُرْضُوكُمْ تاکہ تمہیں خوش کر دیں۔ مومن سمجھنے لگیں کہ یہ ہمارے ہی آدمی ہیں۔ فرمایا ان کا نظریہ بالکل باطل ہے۔ تمہاری رضا مطلوب نہیں بلکہ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کرتے اِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ اگر ان میں ایمان ہے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہیئے خواہ دوسرا کوئی راضی ہو یا نہ ہو۔ سب سے پہلے اللہ کی رضا مطلوب ہے اور اس کے بعد اس کے رسول کی خوشنودی چاہیئے جو اللہ کا نائب اور اس کی مرضیات کو دنیا میں پورا کرنے والا ہے مگر ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ خدا کو تو ناراض کر رہے ہیں اور تمہیں راضی کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے گا اور مخلوق کو راضی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کے ہاتھوں اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔

مخالفِ رسول کے لیے وعید

فرمایا أَلَمْ يَعْلَمُوٓا کیا ان کو علم نہیں۔ کیا یہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں أَنَّهُۥ مَن يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُۥ کہ جو کوئی مخالفت یا مقابلہ کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا فَأَنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ اس شخص کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے خَالِدًا فِيهَا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب بھی ہوگا اور اس کی لعنت بھی برسیگی فرمایا، کیا یہ بات ان پر واضح نہیں ہوئی؟ جماعت کے لوگوں کو تو راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کر رہے ہیں۔ یہ تو جہنم کے مستحق ہیں ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے کہ انسان راحت کی ہر چیز سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے سزا میں مبتلا ہو جائے۔ اور سزا بھی ایسی سخت کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

منافقوں کا خوف

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ذہنی کیفیت کو بھی بیان فرمایا ہے
منافق جانتے ہیں کہ ان کی بے ایمانی کی باتوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کر دیا جاتا ہے
وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا ہے اور پھر اللہ کا نبی
ان کا حال عام لوگوں میں بیان کر دیتا ہے۔ منافقین ہمیشہ اس خوف میں
مبتلا رہتے تھے کہ کہیں ہمارا راز وحی الٰہی کے ذریعے فاش نہ ہو جائے۔ اسی
بنا پر سال میں ایک دو مرتبہ یہ لوگ رسوا بھی ہوتے تھے مگر یہ باز نہیں آتے
تھے حالانکہ ایک عام انسان جب رسوا ہو جاتا ہے تو اسے بدکرداری سے
باز آجانا چاہیئے مگر یہ لوگ بار بار ذلیل ہونے کے باوجود اپنی قبیح حرکات
سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی کیفیت کو بیان فرمایا ہے
یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ منافق لوگ اس
بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورۃ اتاری جائے تُنَبِّئُهُمْ بِمَا
فِیْ قُلُوْبِهِمْ جو بتلا دے ان کو جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ یعنی
خدا تعالیٰ ان کے رازوں کو افشا کر دے۔ منافقین ہمیشہ اس بات سے خائف
رہتے ہیں مگر سازشوں سے پھر بھی باز نہیں آتے۔

فرمایا قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ ٹھٹا کر لو۔
اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ نکالنے والا ہے
اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو۔ مشرک اور منافق کمزور مسلمانوں کو ٹھٹا کیا
کرتے تھے کہ دیکھو! نہ ان کے پاس لباس ہے، نہ مکان اور نہ سواری اور
یہ بہشت کے مالک بنے پھرتے ہیں۔ مکی سورتوں میں ایسا ہی حال مشرکوں
کا بیان ہو چکا ہے اور اب منافقین کا بھی ہو رہا ہے۔ منافق کہتے تھے
کہ ملک روم فتح کرنے جا رہے ہیں حالانکہ کھانے کو کچھ ملتا نہیں۔ نہ فوجی
تنظیم ہے اور نہ اسلحہ سواری مفقود ہے۔ ایک ہزار میل کا سفر درپیش ہے
اور یہ روم کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں اس قسم کا مذاق کرتے

تھے جس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اب تو ٹھٹا کر لو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے رازوں کا پردہ ضرور فاش کر کے چھوڑے گا، چنانچہ یہ باتیں بھی اللہ نے ظاہر فرما دیں۔ اس کے علاوہ غزوہ تبوک کے راستہ میں انہوں نے جو سازش کی، اللہ نے اُسے بھی بذریعہ وحی ظاہر فرما دیا۔ اور وہ تمام سازشی ذلیل و خوار ہوئے۔

منافقین کا عذر لنگ

فرمایا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تم نے ایسی بات کیوں کی جس کی وجہ سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ ہمارا مقصد تو صرف دوران سفر تفریح طبع تھا، کسی کی برائی مقصود نہ تھی۔ ایسی بات چیت کرنے کرانے سے سفر آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ انہوں نے بدگوئی کا یہ بہانہ تلاش کیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ کیا تم اللہ، اس کے (احکام) اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے تھے۔ تمہیں ٹھٹا کرنے کے لیے کوئی دوسری چیز میسر نہ آئی۔ تم نے جہاد فی سبیل اللہ کو ہی موضوع سخن بنا لیا اور اس مالک الملک کے حکم کے ساتھ استہزاء کیا جس نے قرآن پاک نازل فرمایا۔ پھر تم نے اللہ کے رسول کے ساتھ ٹھٹا کیا جو یہ سب کچھ اُس کے حکم کے مطابق انجام دے رہا ہے۔

فرمایا لَا تَعْتَذِرُوا حیلے بہانے مت بناؤ۔ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ تم نے اظہار ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ مفسرین محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کے کسی حکم یا اُس کے رسول کے ساتھ تمسخر کرے گا وہ کافر ہو جائیگا خواہ اُس نے ایسی بات سنجیدگی سے کی ہو یا محض دل لگی سے۔ زبان سے کلمہ پڑھا ہے مگر ٹھٹا کر کے کفر کر بیٹھے ہو، توبہ استغفار

کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ اللہ نے منافقین کو یہ وعید بھی سنائی ہے اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ اگر ہم ان میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں گے نُعَذِّبْ طَآئِفَةً تو یقیناً ایک گروہ کو سزا بھی دینگے۔ معافی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا کر دے، چنانچہ بعض منافقین حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد سچے دل سے تائب ہو کر اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو گئے، اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔ اور جس گروہ نے معافی نہیں مانگی، اُن کے دل کفر پر اڑے رہے، منافقت ان کے جسم و جان میں رچی بسی رہی وہ لازماً سزا کے مستحق ہیں، فرمایا ایسے لوگ ہماری سزا سے بچ نہیں سکیں گے وجہ ظاہر ہے بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ وہ مجرم ہی رہے، وہ سچے دل سے ایمان نہ لائے لہٰذا وہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔

یہاں اللہ نے منافقین کے وہ حالات بیان فرمائے ہیں جو غزوہ تبوک کے ضمن میں ظاہر ہوئے۔ آگے منافقین کے بعض دیگر قبیح اوصاف بھی بیان کیے گئے ہیں۔

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ
اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِىَ حَسْبُهُمْ ؕ
وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ
نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ
وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ :۔ منافق مرد اور منافق عورتیں یہ بعض بعض سے ہیں۔ یہ حکم دیتے ہیں بُری بات کا اور منع کرتے ہیں اچھی بات سے اور سکیڑتے ہیں اپنے ہاتھوں کو۔ انہوں نے اللہ تعالےٰ کو فراموش کر دیا ہے، پس اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے۔ بیشک منافق لوگ وہی ہیں نافرمان لوگ (٦٧) اللہ نے وعدہ کیا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کافروں سے جہنم کی آگ کا جس میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر پھٹکار کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا (٦٨) ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ تھے وہ زیادہ طاقت والے تم سے اور زیادہ مالوں والے اور زیادہ اولاد والے۔ پس انہوں نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا، پس تم نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا جیسا کہ فائدہ اٹھایا اُن لوگوں نے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اپنے حصے کا۔ اور گھُسے تم باطل باتوں میں جیسا کہ وہ گھُسے۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں دُنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں زیاں کار (٦٩) کیا ان کے پاس نہیں آئی خبر اُن لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود، اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین کے رہنے والے اور الٹی بستیوں والے۔ آئے اُن کے پاس اُن کے رسول واضح نشانیاں لے کر۔ پس نہیں تھا اللہ تعالیٰ ایسا کہ اُن پر ظلم کرتا، لیکن تھے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے (٧٠)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور اُن کی خود غرضی، بزدلی، مفاد پرستی اور اُن کے بُرے انجام کا ذکر فرمایا۔ پھر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کا حال بیان کیا کہ اُن کے اس عمل کا نتیجہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ دنیا میں بھی سب کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت کی سب سے بڑی نامرادی تو اُن کے لیے لازمی ہے۔ آج کے درس میں اللہ نے منافقین کے بعض اوصاف بیان کیے ہیں کہ یہ لوگ کس قسم کے اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر عبرت کے لیے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے اور ان لوگوں کے انجام سے باخبر کرکے بات سمجھائی ہے کہ اگر تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلوگے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

قرآنی اصطلاحات

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ بیشک منافق مرد اور منافق عورتیں۔ منافق کی جمع منافقین ہے اور منافقہ کی جمع منافقات ہے اللہ نے مرد و زن منافقوں کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے یعنی آگے جس بات کا ذکر آرہا ہے وہ تمام مرد و زن منافقوں پر یکساں لاگو ہوتی ہے قرآنِ پاک میں بہت سی اصطلاحات بیان ہوئی ہیں جن میں ایک منافق بھی ہے۔ مثلاً قرآنی اصطلاح میں کافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سارے یا کسی ایک حکم کا انکار کردے۔ جس طرح ایمان لانے کے لیے تمام اجزائے ایمان کی تصدیق ضروری ہے اور کسی ایک جزو کی کوتاہی ایمان سے خارج کردینے کے لیے کافی ہے اسی طرح کسی ایک جزو کا انکار بھی کافر ہوجانے کے لیے کافی ہے اور اس کے لیے تمام اجزائے ایمان کا انکار ضروری نہیں۔ ایمان دار بننے کے لیے خدا تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کی وحدانیت اس کے ملائکہ، کتبِ سماویہ، تمام رسل، قیامت کے دن اور تقدیر خیر و شر پر یقین ضروری ہے اسی طرح امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ ان اجزائے ایمان

میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافر بننے کے لیے کافی ہے
قرآنی اصطلاح میں مشرک اُس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہوئے اُس کی عبادت یا صفتِ مختصہ میں کسی دوسری ہستی کو شریک بناتا ہے۔ مشرک خداوند تعالیٰ کا منکر تو نہیں ہوتا مگر وہ شرک کا ارتکاب کر کے کافر ہی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زندیق یا ملحد بھی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ ایسے شخص پر بولے جاتے ہیں جو آیاتِ الٰہی اور نصوص کا ایسا مطلب بیان کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسُول کی مراد نہیں ہوتا۔ یہ شخص بھی کافر سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے علاوہ مرتد کا لفظ بھی اصطلاح کے طور پر ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے۔ جو عاقل، بالغ ہے، اسلام میں داخل ہے اور پھر اسلام چھوڑ کر دہریہ ہو جاتا ہے یا کوئی دوسرا دین اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً یہودی، عیسائی، ہندو وغیرہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منافق بھی ایک اصطلاح ہے اور منافق دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی اعتقادی اور عملی۔ اعتقادی منافق حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے جو ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاتے، نماز پڑھتے اور دیگر اسلامی امور بھی بجالاتے مگر دل سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے اور نہ حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرتے وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب بھی نہ سمجھتے تھے اکثر جہاد سے گریز کرتے اور کبھی مجبوراً شریک بھی ہو جاتے۔ اعتقادی منافقوں کے دل میں ہمیشہ کفر بھرا ہوتا ہے اور یہ ابدی جہنمی ہوتے ہیں۔ مدینے کے منافقوں میں عبداللہ بن ابی کا نام سرِ فہرست ہے، یہودیوں میں سے اور بھی بہت سے لوگ منافق تھے۔ منافقوں کی دوسری قسم عملی منافق ہے۔ جس کو اخلاقی منافق بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے دل میں تو ایمان موجود ہوتا ہے اور زبان سے اُس کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر عملی طور پر اُس کی تصدیق نہیں کر پاتے، گویا ایک چیز کو مانتے ہوتے بھی اُس پر عمل کرنے سے قاصر

رہتے ہیں۔ یہاں پر قرآن پاک میں جن منافقین کا ذکر بار بار آیا ہے، اُن سے مراد اعتقادی منافق ہیں اور یہ کافروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

نزول کے اعتبار سے سورۃ توبہ قرآن کی سب سے آخری سورۃ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے تمام ضروری باتیں بیان فرما دی ہیں۔ جماعت کی تطہیر کی خاطر یہ مسئلہ خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے خبردار رہتے ہوئے انہیں اپنی جماعت کا فرد نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر انہیں قریب کرو گے، اپنا ہم راز بناؤ گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سورۃ کا ایک نام سورۃ فاضحہ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں منافقین کا پردہ چاک کر کے انہیں خوب رسوا کیا ہے۔

منافقین کے اوصاف

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں منافقین کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض سے ہیں یعنی ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ تشابہ فی الاخلاق ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ سب کے اخلاق ایک جیسے ہیں۔ جو کام مرد کرتے ہیں وہی عورتیں کرتی ہیں گویا ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ اس قسم کی مشابہت کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے بعض آدمیوں کی نسبت فرمایا اَنَا مِنْهُ وَهُوَ مِنِّیْ یعنی میں اُس سے ہوں اور وہ مجھ سے ہے۔ اس قسم کے الفاظ حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ، امام حسینؓ، اور بعض دیگر صحابہؓ کے حق میں آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اشعریوں کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں، یعنی جو صفت میرے اندر پائی جاتی ہے وہی اِن میں بھی موجود ہے۔ اس طرح یہاں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ مرد و زن بعض اُن کے بعض سے ہیں یعنی یہ سب اخلاق میں ایک جیسے ہیں اور ایک چال چلتے ہیں۔

فرمایا ان کی صفت یہ ہے یَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ بری بات کی تلقین کرتے ہیں
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ اور اچھی بات سے منع کرتے ہیں۔ ان کی
دلچسپی اور پراپیگنڈا بری بات کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ لہو و لعب، کھیل تماشے
فحاشی اور جھوٹی بات کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو نیک کام سے روکتے
بھی رہتے ہیں۔ مثلاً اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایسا پراپیگنڈا کرتے ہیں
کہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں۔ اس کے برخلاف شیطانی کام کی طرف راغب
کریں گے جو کہ بہت ہی بری خصلت ہے۔

اللہ نے منافقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ نَسُوا
اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑتے ہیں یعنی بخل سے کام لیتے ہیں انہوں نے اللہ کو فراموش
کر دیا ہے۔ پس اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے یعنی
جہاں مال خرچ کرنے کا موقع آتا ہے، جہاد کی تیاری ہوتی ہے یا زکوٰۃ و صدقات
کی ادائیگی کا موقع ہوتا ہے تو ہاتھ روک لیتے ہیں۔ بخل کو بدترین بیماری کہا گیا
ہے۔ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ اس میں ایسی ایسی
خوبیاں پائی جاتی ہیں مگر وہ بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا اَیُّ دَاءٍ اَدْوَءُ مِنَ
الْبُخْلِ یعنی بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہو سکتی ہے؟ جو شخص بخیل ہے
وہ کسی تعریف کے قابل نہیں، ترمذی شریف میں ہے کہ بخیل آدمی اللہ
سے دور، مخلوق سے دور اور جنت سے دور ہوتا ہے اور ایسا شخص جہنم
سے قریب ہوتا ہے۔ فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ
منافق لوگ ہی نافرمان ہیں۔ فاسق بھی قرآنی اصطلاح ہے اور اس سے وہ
شخص مراد ہوتا ہے جو ایمان لانے کے باوجود اچھی بات پر عمل نہیں کرتا بلکہ
خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شخص مانتا بھی نہیں اور نافرمانی بھی کرتا ہے
وہ کافر بھی ہے اور فاسق بھی۔ گویا فاسق کا لفظ عام ہے۔

منافقوں کے لیے سزا

فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ
جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اللہ نے وعدہ کیا ہے منافق مردوں، منافق

عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جس طرح کافر خدا،
رسول، کتب سماویہ اور آخرت کے منکر ہیں اسی طرح منافق بھی منکر ہیں اللہ
نے ان سے دوزخ کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا ھِیَ حَسْبُهُمْ جہنم میں پہنچنا
ہی ان کے لیے کافی ہے، یہ ان کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔ اور اس
کے علاوہ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ اللہ نے ان پر پھٹکار بھی کی ہے لعنت کا
معنی بھی اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ
اور ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔ وہ اس دوزخ اور پھٹکار سے نجات حاصل
نہیں کر سکیں گے۔

سابقہ اقوام سے مشابہت

فرمایا ان کی مثال ایسی ہے كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ جیسا کہ تم سے
پہلے لوگ گزر رہے ہیں۔ وہ بھی ان کی طرح مغرور تھے كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ
قُوَّةً وہ طاقت میں تم سے زیادہ تھے۔ مکے والوں کا غرور توڑنے کے لیے
بھی اللہ نے انہیں یہی فرمایا تھا مَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ
تمہیں پہلے لوگوں کا عشر عشیر بھی نہیں ملا۔ جو جسمانی قوت اور مال و دولت
اللہ نے آشوری، کلدانی، بابلی، ایجنٹا، الورا اور گندھارا تہذیب کے لوگوں
کو دی، تمہیں تو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ اب منافقوں کو بھی یہی بات
سمجھائی جا رہی ہے کہ تم سے پہلے لوگ تم سے طاقت میں زیادہ تھے وَأَكْثَرَ
أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا اور مال و دولت اور اولاد میں بھی زیادہ تھے فَاسْتَمْتَعُوا
بِخَلَاقِهِمْ پس انہوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا۔ ان کے لیے اللہ
نے اس دنیا میں جتنا حصہ مقرر کیا تھا وہ اس سے مستفید ہوئے مگر آخرت
کا خیال نہ کیا بلکہ غفلت میں پڑے رہے، خدا تعالیٰ کو فراموش کر دیا۔ اللہ
نے فرمایا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ پس تم بھی اپنے حصے کا فائدہ حاصل
کر لو كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ جیسا کہ
ان لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا جو تم سے پہلے تھے۔ وَخُضْتُمْ

كَالَّذِيْ خَاضُوْا اور تم بھی باطل باتوں میں گھس گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔ یعنی جس طرح وہ کھیل کود، لہو و لعب، کفر و شرک، بدعات رسوم باطلہ اور حق کی مخالفت میں مصروف تھے اسی طرح تم بھی اپنی امور میں۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ کَالَّذِیْ موصولہ مفرد ہے اور یہ خوض کی طرف جا رہا ہے یعنی جس طریقے سے پہلے لوگ فضولیات میں گھس گئے تھے اسی طرح تم بھی گھس گئے ہو۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ کَالَّذِیْ لفظوں میں مفرد ہے مگر معنوں میں جمع ہے اور اس کا روئے سخن اُن لوگوں، قوموں اور گروہوں کی طرف ہے جو باطل میں گھسے تھے مفرد کے بطور جمع استعمال ہونے کی مثال اس عربی شعر میں بھی ملتی ہے۔

ان الذی حانت بفلج دماءھم
ھم القوم کل القوم یا ام خالد

وہ قوم جن کے خون فلج کے مقام پر گرے ہیں، وہ بڑے کامل درجے کے لوگ تھے۔ اے ام خالد! بہر حال یہ لفظ مفرد ہونے کے باوجود جمع کا مطلب بھی دیتا ہے۔

اعمال کا ضیاع

فرمایا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں جس چیز کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے منافقت کا راستہ اختیار کیا، وحی الٰہی کے ظاہر کر دینے کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی ساری کارگزاری ضائع ہو گئی۔ اور آخرت میں بھی کفر اور نفاق انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اُن کو نجات نصیب نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور یہی لوگ ہیں زیاں کار یعنی نقصان اٹھانے والے۔ اگر یہ اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات پر غور کرتے تو اس سے عبرت پکڑتے اور خدا تعالیٰ کو فراموش نہ

کرتے مگر انہوں نے نفاق اختیار کرکے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا۔

سابقہ اقوام کے حالات

اب آگے اللہ تعالیٰ نے بعض پہلی قوموں کا ذکر کیا ہے جن کے واقعات سے منافقین نے کچھ عبرت حاصل نہ کی۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ کیا اُن تک اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو اُن کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال کر ہمارے لیے عبرت کا سامان پیدا کر دیا ہے اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے ورنہ وہ ہمیں بھی ہلاکت میں ڈال کر آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے ہمیں بھی باعث عبرت بنانے پر قادر ہے۔ اسی لیے فرمایا، کیا ان لوگوں کے پاس پہلی قوموں کی خبر نہیں پہنچی اور قومیں کون سی تھیں؟ فرمایا قَوۡمِ نُوۡحٍ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھیے۔ انہوں نے نافرمانی کی تو اللہ نے پوری قوم کو پانی میں غرق کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں صرف وہی لوگ بچے جو صاحب ایمان تھے۔ وَعَادٍ وَّثَمُوۡدَ قوم عاد اور ثمود کے انجام پر بھی غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر سخت آندھی بھیج کر ہلاک کیا اور کسی قوم کو زلزلے نے آپکڑا اور چیخ نازل ہوئی۔ ان کے جگر پھٹ گئے، ہر چیز تہ و بالا ہو گئی اور پوری کی پوری قومیں ہلاک ہو گئیں۔

پھر فرمایا وَقَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے حالات پر بھی نظر کریں۔ انہوں نے اللہ کے خلیل کے ساتھ سخت بدسلوکی کی اور انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ آپ کو ہجرت پر مجبور کیا گیا مگر کیا وہ ظالم بادشاہ صحیح سلامت رہا؟ تاریخی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر ایک مچھر کو مسلط کر دیا جو اُس کے ناک میں گھس گیا۔ اللہ نے ایسی سزا میں مبتلا کیا کہ مچھر کی تکلیف سے بچنے کے لیے سر پر جوتے مروانے پڑتے اُس کی قوم کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ اگرچہ قوم ابراہیم کا تفصیلی ذکر نہیں ملتا تاہم تباہ شدہ قوموں کی فہرست میں اس قوم کا نام بھی موجود ہے۔

فرمایا وَاَصْحٰبُ مَدْیَنَ اور مدین والوں کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ تاجر پیشہ لوگ تھے مگر ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، اللہ کے نبی نے سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اللہ نے آسمان سے آگ برسا کر اس قوم کو ہلاک کیا۔ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ اور الٹی بستی والوں کے حال سے بھی عبرت حاصل کرو۔ یہ قوم لوط ہے جو اردن کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے میں چار سے چھ لاکھ نفوس پر مشتمل یہ قوم آباد تھی۔ لوط علیہ السلام سالہا سال تک تبلیغ کرتے رہے مگر اپنی بیٹیوں کے علاوہ بیوی نے بھی ایمان قبول نہ کیا۔ اس قوم کا حال قرآن میں موجود ہے کہ اس بستی کو الٹ کر پٹخ دیا گیا اور اوپر سے پتھر بھی برسائے گئے۔ ہر پتھر نشان زدہ تھا اور اس پر ہلاک ہونے والے کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ الٹے کام کرتے تھے تو اللہ نے سزا میں ان کی بستی کو الٹ دیا اور وہ ہلاک کر دیے گئے۔ فرمایا کیا ان قوموں کا حال منافقوں کے پاس نہیں پہنچا کہ یہ اس سے عبرت حاصل کرتے۔

مقامِ عبرت

فرمایا اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ اُن کے پاس اُن کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے، اللہ کی طرف سے معجزات لائے اور اللہ کے احکام اُن تک پہنچائے مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور آخر کار ہلاک ہوئے فرمایا فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ اللہ نے انہیں ہلاک کر کے اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ انہوں نے ایسے باطل اعتقادات اختیار کیے اور ایسے بُرے افعال انجام دیے کہ وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔

بہر حال پہلی قوموں کا حال بیان کر کے منافقوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور جس طرح یہ واقعات منافقوں کے لیے باعثِ عبرت ہیں اسی طرح ہمارے لیے بھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے پہلی قوموں کے

حالات ہماری عبرت کے لیے بیان فرمائے ہیں اگر ہم بھی غفلت
میں پڑے رہیں گے اور عبرت نہیں پکڑیں گے تو کچھ عجب نہیں کہ ہمارے
ساتھ بھی وہی سلوک ہو جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا -

درس بست و پنج ۲۵ آیت ۷۱ تا ۷۲

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ

ع ۹ ۱۵ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمہ :- اور مومن مرد مومن عورتیں، بعض ان میں سے دوست ہیں بعض کے۔ حکم دیتے ہیں وہ نیک بات کا اور منع کرتے ہیں بُری بات سے اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسُول کی۔ یہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے (۷۱) اللہ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا کہ بہتی ہوں گی اُن کے سامنے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں۔ اور رہائش گاہیں پاکیزہ رہنے کے باغوں میں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو سب سے بڑی ہے، یہ ہے بڑی کامیابی (۷۲)

سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا مرکزی مضمون اسلام کا قانونِ صلح و جنگ ہے ربط آیات
ان میں جہاد کی ضرورت اور فرضیت اور اس کے فوائد کا تذکرہ ہے اور ساتھ ساتھ جہاد کو ترک کرنے کا وبال اور خسارہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ترکِ جہاد کی وجہ سے قوم پر ادبار اور زوال آتا ہے، اللہ نے ان سب چیزوں کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔ گذشتہ آیات میں اللہ نے جہاد سے پیچھے ہٹنے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور پھر اُن کے اوصافِ قبیحہ کا ذکر بھی فرمایا ان اوصاف کی وجہ سے منافقین کے انجام کا ذکر بھی کیا۔ گذشتہ درس میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اُن کے اخلاق، عادات اور خصائل ایک جیسے ہیں۔ وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کے کام سے منع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انتہائی درجے کے کنجوس ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا ہے تو خدا نے بھی انہیں اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے۔ نیز فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ نے منافقین کو سابقہ اقوام کے حالات سے عبرت بھی دلائی کہ انہوں نے نافرمانی کی تو وہ سخت سزا میں مبتلا ہوئے اگر یہ لوگ بھی حق کو قبول نہیں کریں گے اور قبیح حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو ان کا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ منافقین جہاد سے گریز کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں اپنا مال بخوشی خرچ نہیں کرتے تھے۔ تو ان کے مقابلے میں اب اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور اُن کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر کیا ہے۔ اُن کی خصوصیات، اُن کے کام اور پھر اُن کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔ قرآنِ پاک کا یہ اسلوبِ بیان ہے کہ جہاں ترہیب کی بات کرتا ہے وہاں ترغیب کا ذکر بھی ہوتا ہے چنانچہ منافقین کے تذکرے کے بعد اب مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر

ہو رہا ہے کہ منافق مردوں اور عورتوں کی طرح مومن مرد و زن بھی ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ منافقین کا تشابہ فی الاخلاق برائی میں ہوتا ہے جب کہ مومنوں کا تشابہ نیکی کے کاموں میں ہوتا ہے۔

مرد و زن کی معاشرتی حیثیت

صنفِ نازک انسانیت کا نصف ہے۔ انسانی گاڑی مرد و زن ہی کے دو پہیوں پہ چلتی ہے۔ اللہ نے ابتداء سے ہی "خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" فرما کر اس کی حکمت ظاہر فرما دی۔ انسانیت کے لیے جتنا مرد ضروری ہے اتنا ہی عورت بھی ضروری ہے۔ دونوں انسانی تمدن کے بنیادی عنصر ہیں اِن دونوں میں سے اگر ایک صنف نہ ہو تو دُنیا کا نظام ہی نہیں چل سکتا۔ لہذا ہر ایک کو اپنی حیثیت کو سمجھنا چاہیئے۔ اللہ نے یہ سارے حقائق سورۃ نساء میں بیان فرمائے ہیں۔ مرد اور عورت انسانی سوسائٹی کے اہم ترین ارکان ہیں، البتہ عورت کے مقابلے میں مرد کو اللہ نے فوقیت بخشی ہے۔ اور ہر ایک کے حقوق و فرائض اور ہر ایک کا دائرہ کار مقرر کیا ہے جس طرح مرد مکلف ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی مکلف ہیں اور جس طرح مرد کے لیے اپنا میدانِ عمل ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی دائرہ کار ہے جس طرح مرد کو عبادات کی ضرورت ہے اور اس کے نتیجے میں نجات کی ضرورت ہے اسی طرح عورت کو بھی اِن چیزوں کی ضرورت ہے۔ البتہ ان دونوں کے درمیان تفریق صنف کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے مردوں کو عورتوں پہ فوقیت دیکر کچھ مزید فرائض بھی اُن کے سپرد کیے ہیں، تاہم شریعت کی نظر میں دونوں یکساں مخاطب ہیں۔

مرد و زن کا دائرہ کار

امام شاہ ولی اللہ رح اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اجتماعی نظام کی ذمہ داری اللہ نے مردوں پہ ڈالی ہے۔ مسلمانوں کے امیر کے لیے شرط ہے کہ مسلمان، عاقل، بالغ اور مرد ہو۔ عورت مسلمانوں کی امیر نہیں ہو سکتی۔ عورت کا کام پچھلی صف میں کھڑا ہونا ہے اَخِّرُوا

الۡنِسَاۤءَ مِنۡ حَیۡثُ اَخَّرَھُنَّ اللّٰہُ عورتوں کو پیچھے رکھو
جہاں اللہ نے ان کا مقام مقرر کیا ہے۔ جب بھی عورتوں کو پہلی صف
میں لانے کی کوشش کرو گے، انتشار ہی پیدا ہوگا۔ انگریز عورت کو آگے
لائے تو دنیا نے تمام خرابیوں کا مشاہدہ کر لیا۔ اگر ہر دفتر، محکمے اور ادارے
میں عورت کام کرے گی تو بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔ یہ تو بیسویں صدی ختم ہو رہی ہے
گذشتہ صدی کے ایک انگریز مؤرخ اور فلسفی نے کہا تھا کہ لعنت ہو ہمارے
اِس قانون پر جو انگریزوں نے وضع کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ
کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین کے ساتھ پینتالیس حلال کے آدمی
بھی نہیں نکالے جا سکتے۔ عورتوں اور مردوں کو خلط ملط کرنے کا یہی نتیجہ نکلے
گا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر رکھا ہے۔ عورت
کے اپنے فرائض ہیں مگر اپنے دائرہ کار میں رہ کر۔ اگر عورت مردوں کی صف
میں کھڑی ہوگی تو لازماً خرابی پیدا ہوگی۔ جہاد جیسا عظیم فرض بھی اصلاً مردوں
پر فرض ہے، عورت اس کے لیے مکلف نہیں۔ ہاں عورت مجاہدین کی
معاون بن سکتی ہے۔ ان کی خدمت پر مامور ہو سکتی ہے۔ اگر تلوار لے کر لگے مورچے
پر مردوں کے شانہ بشانہ جانے کی کوشش کرے گی۔ تو اس کا یہ عمل خلافِ فطرت
اور خرابی کا باعث ہوگا۔

اسی طرح اجتماعی امور میں عورت مقتدی تو بن سکتی ہے مگر امام بن کر
نماز نہیں پڑھا سکتی۔ اگر عورت امام بنے گی تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور
نہ کسی مقتدی کی۔ عام نمازوں کے علاوہ عورت جمعہ اور عیدین کی نماز بھی نہیں
پڑھا سکتی۔ کیونکہ یہ خالصتاً مردوں کی ذمہ داری ہے۔ امام شعرانیؒ نے اپنی
کتاب میں لکھا ہے کہ ارشاد و تبلیغ کی بنیادی ذمہ داری بھی اللہ نے مردوں
پر ڈالی ہے۔ عورتوں کا مردوں کو تبلیغ کرنا خلافِ فطرت بات ہے
اس سے امریکہ، روس اور یورپ کا تمدن تو زندہ ہو سکتا ہے۔ اسلام کا

تمدن زندہ نہیں ہوگا۔ عورتیں صرف وہ کام کریں جو ان کی ذمہ داری میں ہیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی کہا ہے کہ گھر میں رہ کر گھر کی آبادی کے ضمن میں عورت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اولاد کی تربیت عورت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ ہر مسلمان کی پہلی یونیورسٹی اس کا گھر ہوتا ہے جہاں سے بنیادی تعلیم حاصل کرتا ہے ؎

مادرست اور درس نخستین با تو داد

انسان کو پہلا سبق ماں ہی سکھاتی ہے اور جو کچھ سکھاتی ہے وہ ساری عمر یاد رہتا ہے۔ اگر کلمہ پڑھائے گی، قرآن و حدیث کا درس دیگی تو وہ یاد رہے گا اور اگر گالی گلوچ اور گانے سکھائے گی تو بچہ وہی کچھ سیکھے گا۔ جو کچھ پڑھائے گی بچے کے ذہن پر اس کا نقش باقی رہے گا۔

مومن مرد و زن کے خواص

ارشاد ہوتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ مومن مرد اور مومن عورتیں بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ بعض بعض کے رفیق ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اخلاق و عادات میں آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔ جس طرح کافر کافر کا، منافق منافق کا اور بے دین بے دین کا رفیق ہوتا ہے، اسی طرح مومن مومن کا رفیق ہوتا ہے کسی مومن کا دوست اور سرپرست کوئی کافر نہیں ہوسکتا۔ تو فرمایا مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے آپس میں مشابہت رکھتے ہیں اور ان میں بعض امور یہ ہیں کہ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ان سب کی اچھی خصلت یہ ہے کہ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی کے کام سے منع کرتے ہیں۔ مومن مرد اور عورتوں کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ اچھی بات کرتے ہیں۔ جو کوئی برائی کی تلقین کرے گا وہ منافق بن گیا یا منافقہ یا پھر مشرک اور مشرکہ بن گئے۔ لہٰذا مومن مرد اور عورتیں ایمان کی دعوت دیتے ہیں یا تبلیغ اور جہاد کی طرف بلاتے ہیں۔ اس کے

علاوہ مسلمان اور مومنات فرائض کی تلقین کرتے اور شریعت کے مطابق ثابت اچھائی کی تلقین کا حکم کرتے ہیں۔ اور جو چیزیں عقل اور شریعت کے نزدیک بری ہیں مثلاً شرک، بدعت، نفاق، ظلم وغیرہ ان سے روکتے ہیں، بے انصافی، دنیا کی لذت و ہوس، جھوٹ، فریب اور فساد سے منع کرتے ہیں۔

حصول علم کا فریضہ

تبلیغ کا کام اصلاً مردوں کے ذمہ ہے، تاہم عورتیں بھی اپنے ماحول میں اسی وقت تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں گی جب ان کے پاس معقول علم ہوگا اور اگر عورتوں کو تعلیم ہی نہیں دی گئی تو وہ اچھائی کی تلقین کیسے کریں گی۔

اسی لیے تعلیم کو انسان کے بنیادی حقوق میں شمار کیا گیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ علم کا حصول ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے ساتھ مُسْلِمَةٍ کا لفظ بھی لگاتے ہیں مگر اس کی ضرورت نہیں۔ بنیادی تعلیم کا حصول دونوں پر فرض ہے اور بنیادی تعلیم وہ ہے جس سے انسان اپنا عقیدہ درست کر سکے، حقوق و فرائض کو پہچان سکے اور پھر اس کے مطابق عمل کر سکے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی اکثر آبادی اعراف میں ہے، چھوٹے طبقات کسان، مزدور وغیرہ تک دین کی بات نہیں پہنچتی۔ ان کی تعلیم کا حکومت کوئی انتظام نہیں کرتی حالانکہ ہر شخص کے لیے تعلیم جبری ہونی چاہیے اور پھر اس میں دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے تاکہ ہر شخص اپنے فرائض کو پہچان کر ان پر عمل پیرا ہو سکے۔

اس وقت دنیا میں برائی کی ابتدا عورت سے ہوتی ہے یہ تو مردوں کا کام ہے کہ عورتوں کی صحیح تربیت کریں اور ان کو ایسی تعلیم دیں کہ برائی کا قلع قمع ہو سکے مگر اس کے برخلاف یہ مرد ہی ہیں جو عورت کو خود گھسیٹ کر برائی کے راستے پر لے جاتے ہیں کھیل تماشہ ہو یا سیر و تفریح کا موقع عورتوں کو مرد ہی ساتھ لے جاتے ہیں۔ اگر مرد عورتوں کو صحیح راستے پر لانا چاہیں تو یہ عین ممکن ہے۔ اور اگر مرد ہی بے دین ہوں، ہر وقت عیاشی اور فحاشی کی

باتیں کریں تو [illegible] ہی ہوگی۔ اچھائی کی تلقین کرنے کے لئے پہلے اچھائی سے واقفیت ضروری ہے اور یہ اچھی تعلیم سے ہوتی ہے لہٰذا حصولِ تعلیم مرد اور عورت دونوں کے فرائض میں داخل ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

فرمایا مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں معاملہ بالکل الٹ ہوچکا ہے۔ اب مسلمان آپس میں مشابہ ہونے کی بجائے دوسری اقوام سے اس قدر مشابہ ہیں کہ مسلم اور کافر میں امتیاز ہی نہیں ہوسکتا۔ کون کس سوسائٹی کا ممبر ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اب تو تشابہ فی الاخلاق عیسائیوں اور کافروں کے ساتھ ہو رہا ہے بلکہ مسلمان اُن سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ وہ اپنے اصول ہی ترک کرچکے ہیں۔ اب تو نیکی کی بجائے برائی کی تلقین میں مسلمان پیش پیش ہیں۔ کھیل تماشہ، سود خوری، برائی اور بدکاری، شرک اور بدعات، رسومِ باطلہ اور لغویات مسلمانوں کے پسندیدہ مشاغل ہیں اور انہی کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں، آج ہر برائی کا اشتہار مسلمان دے رہا ہے۔ اس معاملے میں تو مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی مات کر گئے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صفت موجود رہے گی ہم زندہ رہیں گے، ہماری قوم زندہ رہیگی۔ چند افراد کی بات نہیں۔ جب تک غالب اکثریت نیکی کی طرف رجوع نہیں کریگی، اسلامی انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ اجتماعی نظام کی تبدیلی افراد کا نہیں، جماعتوں کا کام ہوتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قوم کی ساٹھ فیصدی آبادی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سنبھال لے اگر ایسا ہوجائے گا تو باقی چالیس فیصدی خود بخود مغلوب ہوکر درست ہوجائیں گے۔ اور اگر اکثریت برائی کی طرف راغب رہیگی تو پھر اصلاحِ احوال کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ

فرمایا مومنوں کے دو کام تو یہ ہیں کہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے

ہیں اور ان کا تیسرا کام یہ ہے وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وہ نماز کو برپا کرتے ہیں
نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ درست ہوتا ہے شاہ عبدالعزیز
محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی مثال ایسی ہے کہ اگر کسی مالک کا بھاگا ہوا
غلام واپس آکر اپنے مالک کے حضور پیش ہو کر معافی مانگ لے گا تو مالک
کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح جب کوئی بندہ اپنے پروردگار کے سامنے
دست بستہ نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے تو مالک حقیقی کا غصہ فرو ہو جاتا ہے۔
اور جب کوئی شخص اللہ کے حضور حاضر نہیں ہوتا، اس کی عبادت نہیں کرتا
بلکہ اغیار کی اطاعت کا دم بھرتا ہے تو خدا تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تو نماز
کو ترک کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اسی لیے فرمایا
کہ مومن نماز کو برپا کرتے ہیں۔ نماز کا قیام گھر سے لے کر حکومتی سطح تک
سب کا فریضہ ہے۔ جب حکمران خود نماز پڑھنے لگیں گے اور عوام میں نظام
صلوٰۃ رائج کریں گے تو سارا نظام درست ہو جائے گا۔ فرمایا لَا حَظَّ فِي
الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهُ[1] جس کا نماز میں حصہ نہیں اس کا اسلام
میں کوئی حصہ نہیں۔ فرمایا نماز ادا کرنے کے علاوہ مومن مردوں اور عورتوں کا
یہ کام بھی وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سے
دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان سے بخل دور ہوتا ہے
اور دوسری طرف مجبور اور محتاج انسانوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے اللہ
نے اس میں یہ دوہری مصلحت رکھی ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

اب اہل ایمان کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَيُطِيعُونَ
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں ایک
مومن کا مطمع نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی وقت خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی
نہ ہو جائے۔ مومن آدمی اور عورت خدا اور رسول کی اطاعت کے لیے ہمیشہ
کمر بستہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہترین

[1] الترغیب والترہیب ص ۱۹۵ ج ۱ بحوالہ مسند بزار (۱)

مثال پیش کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ "اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ"
جب ان کے پروردگار نے ان سے فرمایا۔ فرمانبردار بن جاؤ تو آپ نے
فوراً کہا "قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں پروردگار عالم کی اطاعت
و فرمانبرداری کے لیے ہر وقت تیار ہوں میں اس کے ہر ارشاد کی تعمیل کے
لیے حاضر ہوں۔ "لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ" کا بھی یہی معنی ہے کہ مولا کریم
میں تیرا ہر حکم بسر و چشم تسلیم کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ ایسے مومن مردوں اور
مومن عورتوں کے متعلق فرمایا "اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ" یہی وہ خوش
نصیب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ یقیناً رحم فرمائے گا۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ
حَكِیْمٌ" بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے
وہ اپنی حکمت کے مطابق مومنین کو ضرور انعامات سے نوازے گا۔

مومنوں کے لیے انعامات

فرمایا یاد رکھو! "وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا"
اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا
ہے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہنے والے
ہوں گے۔ اس کے علاوہ "وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ"
ان کو نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ رہائش گاہیں نصیب ہوں گی
رہائشوں کے باغات ہیں۔ باغات تو بغیر رہائشی سہولتوں کے کھلے عام
بھی ہوتے ہیں مگر جنتیوں کو ایسے باغات حاصل ہوں گے جن میں رہائش
کے لیے کوٹھیاں اور بنگلے ہوں گے۔ یہاں اختصار کے ساتھ انہی چیزوں
کا ذکر کیا ہے البتہ دوسرے مقام پر عمدہ لباس، لذیذ ترین ماکولات و
مشروبات اور دیگر نعمتوں کا بھی ذکر ہے۔ خاص طور پر بیویوں کے متعلق
فرمایا "وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ" ان کے لیے اخلاق و عادات
اور شکل و صورت کے اعتبار سے نہایت پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ وہ شخص

کتنا سعادت مند ہوگا، جس کو پاکیزہ بیوی، پاکیزہ مکان اور پاکیزہ کھانا پینا نصیب ہوگا۔

رضائے الٰہی

بہشت میں ان مادی نعمتوں کے علاوہ ایسی روحانی نعمتیں بھی نصیب ہوں گی جو سکون، راحت، فرحت اور روحانی مسرت کا باعث ہوں گی۔ وہ کیا ہے؟ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی جو سب سے بڑی نعمت ہے، مادی نعمتیں عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا، کیا میں تمہیں کچھ مزید عطا کروں؟ لوگ تعجب سے کہیں گے کہ اے مولا کریم! تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو کسی کو نہیں دی ہوں گی اب اور کون سی نعمت باقی ہے۔ اللہ فرمائے گا اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا میں تمہیں اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت عطا کرتا ہوں اور یہ نعمت تم سے کبھی نہیں چھینی جائے گی میں تم سے آئندہ کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ چنانچہ اہل ایمان کو جتنی خوشی اس بات سے ہوگی کسی اور چیز سے نہیں ہوگی۔ اور پھر دوسری بات یہ کہ "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی" جنہوں نے دنیا میں اچھے کام کئے ان کو اچھائی کا اچھا بدلہ ملے گا "وَزِیَادَۃٌ" اور کچھ مزید حاصل ہوگا۔ اور وہ اللہ کا دیدار ہوگا یہ روحانی نعمتوں کا بلند ترین مرتبہ ہوگا اس سے زیادہ خوشی والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اس مقام پر صرف رضوان کا ذکر ہے جب کہ دوسرے مقام پہ دیدار کا ذکر بھی آتا ہے لہٰذا جب بھی کوئی مومن نیک کام کرے تو اس کی خواہش یہ ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوجائے۔

ہمارے بزرگوں میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں مگر میں یہ مختصر دعا مانگتا ہوں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ناراضگی

اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ جب خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگئی تو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ اگر خدا راضی نہیں ہوگا تو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بہت بڑی دعا ہے جس کو ایک مومن طلب کرتا ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اللہ نے منافقوں کا انجام بھی بیان فرما دیا اور مومنوں کے نیک اعمال اور ان کے لیے انعامات کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ تاہم منافقین کی مذمت کا بیان ابھی جاری ہے

يَاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ
الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا
لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ
وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر ! آپ جہاد کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور اِن پر سختی کریں ۔ اور اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُری لَوٹنے کی جگہ ہے ﴿۷۳﴾ وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کی ۔ البتہ تحقیق انہوں نے کہی ہے کفر کی بات ۔ اور کفر کیا انہوں نے اپنے اسلام کے اظہار کے بعد اور انہوں نے قصد کیا اُس چیز کا جس کو وہ نہ پا سکے ۔ اور انہوں نے نہیں عیب پایا سوائے اس کے کہ اللہ نے ان کو غنی کر دیا ہے اور اس کے رسُول

نے اپنے فضل سے پس اگر یہ لوگ توبہ کر جائیں تو بہتر ہو
گا ان کے لیے اور اگر یہ روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ
ان کو سزا دیگا دردناک دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہو
گا اُن کے لیے زمین میں کوئی حمائتی اور نہ کوئی مددگار (۷۴)

ربطِ آیات

اِس سُورۃ کا موضوع ہی جہاد ہے لہذا اِس کا تذکرہ ہو رہا ہے، پہلے مشرکین اور کافرین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا اور اہل کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنے کا حکم ہوا۔ چونکہ جہاد سے گریز کرنے والے زیادہ تر منافقین ہی تھے اس لیے اللہ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ منافقین کے بُرے اوصاف کا تذکرہ اور پھر اُن کے بُرے انجام کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے اوصافِ جمیلہ اور اُن کو حاصل ہونے والے انعامات کا ذکر بھی گذشتہ درس میں کر دیا ہے۔

خطاب کی نوعیت

آج کی آیات بھی سابقہ سلسلہ مضمون کے ساتھ مربوط ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی علیہ السلام! یہ خطاب تو حضور علیہ السلام کو ہے مگر حکم عام ہے قرآنِ پاک کے اکثر مقامات پر اس قسم کا خطاب پایا جاتا ہے جس میں روئے سخن تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے مگر بات پوری امت کو سمجھائی جاتی ہے۔ گویا حکم جو اللہ کے نبی کو دیا جا رہا ہے، وہ حکم پوری امت کے لیے واجب التعمیل ہے مثلاً سُورۃ کوثر میں ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اپنے رب کے لیے نماز پڑھو۔ اور قربانی کرو۔ یہ خطاب تو نبی علیہ السلام سے ہے مگر ساری جماعت المسلمین اِس حکم کی مکلف ہے۔ بعض مقامات پر اللہ نے اپنے پیغمبر کو خصوصی خطاب فرمایا ہے اور وہ حکم صرف آپ ہی کے لیے ہے۔ تاہم خطاب زیرِ درس احکام مخصوصہ میں سے نہیں بلکہ عام حکم ہے۔

چار گروہوں سے جہاد

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ آپ جہاد

کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ۔ جہاد کا معنیٰ ہے اِسْتِفْرَاغُ الْجُهْدِ ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا یعنی باطل کو مٹانے اور حق کو قائم کرنے کے لیے ظاہری اور باطنی پوری طاقت کھپا دینے کا نام جہاد ہے کفار کے ساتھ جہاد کا تفصیلی ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، تاہم منافقین سے جہاد کے متعلق اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایک تلوار کافروں کے خلاف اٹھائی جائے، دوسری منافقوں کے خلاف، تیسری اہل کتاب کے خلاف اور چوتھی باغیوں کے خلاف اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ اس وقت تک جنگ کریں جب تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ دینے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ باغیوں کے لیے بھی حکم یہ ہے کہ ان کے خلاف بھی جہاد کیا جائے کیونکہ وہ صحیح نظام کو درہم برہم کر کے افراتفری کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ سورۃ حجرات میں واضح حکم موجود ہے "فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ" باغیوں سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ آجائیں غرضیکہ کافر، منافق، اہل کتاب اور باغی یہ چار گروہ ہیں جن کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

منافقین کیساتھ جہاد

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہاد کے لیے تیر، تلوار اور جدید ترین اسلحہ استعمال کرنے کا حکم ہے جب کہ منافقین کے ساتھ جہاد باللسان کی اجازت دی گئی ہے۔ بعض مواقع پر جب کسی منافق کا نفاق ظاہر ہو جاتا تو صحابہ کرامؓ عرض کرتے کہ حضور! اس شخص نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے، آپ اجازت دیں تو اس کا سر قلم کر دیا جائے مگر حضور علیہ السلام نے کبھی بھی منافق کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی منافق کو قتل کیا گیا تو لوگ کہیں گے اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سے اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں اور اس قسم کا پراپیگنڈا اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ لوگ کہیں گے کہ محمد نبی نہیں بلکہ ملوک ہیں جو ایسا کام کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ منافق اگر قتل کا مستحق بھی ہو تب بھی اس کو قتل نہ کرو۔ اس نے زبان سے کلمہ پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا ہے، لہٰذا اس کو کلمہ کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ البتہ ان کے متعلق فرمایا وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ان پر زبان سے سختی کریں۔ ان کے عیوب کو ظاہر کر کے انہیں رسوا کریں اور ان پر حدود جاری کریں، ان کے خلاف یہی جہاد ہے۔ بالکل یہی آیت سورۃ تحریم میں بھی موجود ہے اور مفسرین کرام نے وہاں بھی اس سے جہاد باللسان ہی مراد لیا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے عام سیاسی پارٹیوں کا بھی یہی دستور ہے کہ جب کوئی پارٹی منشور کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اُسے پارٹی سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام بھی منافقوں کو جماعت سے خارج کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کرنے سے یا تو وہ اپنی غلطی کا احساس کر کے تائب ہو جائیں گے اور دوبارہ جماعت میں شامل ہو سکیں گے اور یا پھر کافروں کے ساتھ اتحاد کر لیں گے۔ ایسی صورت میں اُن کے خلاف جہاد بالسیف جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ کھلم کھلا کفر کی حمایت میں چلے جائیں گے منافق اور مشکوک قسم کے لوگ ہمیشہ جماعت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اہل حق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف سخت کاروائی ضروری ہے تاکہ ان کی حیثیت کھل کر سامنے آجائے۔ پھر ان کے آخری انجام کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ نفاق سے باز نہ آئے وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اُن کا ٹھکانا جہنم میں ہے وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے

جہاد کے ذرائع

درحقیقت جہاد مختلف ذرائع سے ہوتا ہے جن میں سے ایک

ذریعہ مادی طاقت یعنی اسلحہ کا استعمال ہے۔ پرانے زمانے میں تیر، تلوار اور نیزہ وغیرہ سے لڑائی ہوتی تھی۔ مگر اب آلات حرب بہت ترقی کر چکے ہیں۔ اب بندوق، رائفل، توپ، راکٹ، ہوائی جہاز، بم اور میزائل وغیرہ جنگ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب جدید ہتھیاروں میں مہارت حاصل کیے بغیر جنگ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے جدید ترین ہتھیار اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت سب کچھ جہاد بالسیف میں شامل ہیں کیونکہ ان کے بغیر دشمن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک موقع پر خود حضور علیہ السلام نے بھی تیر اندازی فرمائی ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ اُس زمانے میں تیر مؤثر ترین آلہ حرب ہوا کرتا ہے۔ گھوڑے بھی میدان جنگ میں بہت کام آتے تھے لہذا انہیں جنگی نقطہ نظر سے خاص طور پہ پالا جاتا تھا اب گھوڑوں کے قائم مقام ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں آگئی ہیں جو جنگ میں بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

جہاد کا دوسرا ذریعہ مال ہے۔ مجاہدین کے لیے اسلحہ، نقل و حمل، اُن کی خوراک اور طبی امداد کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اسے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جہاد کے لیے تیسری لازمی چیز جان ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے "جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ" یعنی اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لو۔ جب تک اسلحہ استعمال کرنے میں نفوس نہیں ہوں گے لڑائی کیسے لڑی جائے گی؟ پھر چوتھا ذریعہ جہاد باللسان ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں آتا ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرو اپنے مالوں، زبانوں اور جانوں کے ساتھ۔ تبلیغ دین زبان کا جہاد ہے۔ کسی مشرک یا کافر کو دین کی دعوت دینا، کسی کا شک شبہ دور کرنا، تعلیم دینا، اور اس تک اللہ اور رسول کا پیغام پہنچانا زبانی جہاد میں داخل

ہے۔ اور جہاد کا پانچواں ذریعہ قلم ہے۔ قرآن، سنت میں قلم کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ سورۃ قلم میں اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ۔ سورۃ علق میں فرمایا الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ رب تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے یوزن مداد العلماء بدم الشھداء یوم القیامۃ یعنی علمائے حق کے قلم کی سیاہی کو قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر تولا جائے گا۔ تو گویا ایسی تحریر لکھنا، اس کو شائع کرنا جس سے اسلام کو تقویت حاصل ہوتی ہو جہاد بالقلم ہی ہوتا ہے۔

ذرائع جہاد کا غلط استعمال

جہاد کے تمام ذرائع کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر اب ہمارے ہاں ان سب میں فتور پیدا ہو چکا ہے۔ اسلحہ غلط طریقے سے استعمال ہو رہا ہے اور مال تو بالکل ہی غلط راستوں پر خرچ ہو رہا ہے۔ لوگوں کی اپنی جانیں آرام طلب ہو چکی ہیں اور نیکی کے کام میں زیادہ تر استعمال نہیں ہوتیں بلکہ اس کا رجحان برائی کی طرف ہوتا ہے زبان ہے تو وہ بھی غلط راستوں پر چل رہی ہے۔ بنیادی چیزوں کی تبلیغ کی بجائے فتویٰ بازی پر صرف ہو رہی ہے۔ باقی رہا قلم تو اس کے کارنامے رسائل اور اخبارات میں دیکھ لیں۔ ہر طرف فحاشی اور عریانی پھیلائی جارہی ہے نیکی کی تلقین کی بجائے قلم کا استعمال لوگوں کے اخلاق بگاڑنے کے لیے کیا جارہا ہے۔ ان تمام چیزوں میں فتور آچکا ہے جس کی وجہ سے مسلمان تنزل کی طرف جارہے ہیں

منافقین کی جھوٹی قسمیں

فرمایا منافقوں کی یہ خصلت بھی دیکھو یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا۔ اس حصہ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی تو ان میں سے بعض نے کہا کہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے تو ہمارے اچھے لوگ ہیں حضور نے خواہ مخواہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے

اور اگر آپ کی بات ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ کسی مسلمان نے یہ بات سن کر حضور علیہ السلام سے شکایت کی۔ جب حضور علیہ السلام نے اس منافق کو بلا کر اس قبیح حرکت کے متعلق پوچھا تو وہ صاف انکار کر گیا اور قسم اٹھالی کہ میں نے ایسی بات نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ یہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کی۔ فرمایا ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ نیز یہ کہ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ الله تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں کئی مواقع پر منافقوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو بری کرانے کی کوشش کی۔ یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ وہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ بولا ہے وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اور اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ گویا ایک غلط بات کہ کر اس سے انکار کفر کے برابر ہے۔

منصوبے کی ناکامی

فرمایا وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا انہوں نے ایسی چیز کا ارادہ کیا جسے پا نہیں سکے۔ اس جملے کی شان نزول کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام اپنے دو صحابہ عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ کے ہمراہ قافلے سے الگ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک تنگ درہ آتا تھا۔ منافقین کی ایک ٹولی نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس تنگ درے میں داخل ہوں تو آپ کا کام تمام کر دیا جائے۔ رات کا وقت تھا وہ لوگ منہ لپیٹ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے کہ جب آپ ادھر آئیں گے تو آپ پر پتھروں کی بارش کر دی جائیگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس منصوبے کی خبر دیدی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس قسم کے لوگ جہاں ملیں ان کو پکڑ لو چنانچہ

حضرت حذیفہؓ نے اُن کو پالیا، اُن کے اونٹوں کو بھی مارا اور انہیں بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اِن میں سے بارہ آدمی ابدی جہنمی ہیں، تین آدمیوں کو معذور قرار دیا اور آٹھ کے متعلق فرمایا کہ ان کے جسموں میں ایسے پھوڑے نکلیں گے کہ اگر وہ سینے میں ظاہر ہوں تو اُن کی جلن پشت تک محسوس ہوگی اور اگر پشت پر نکلیں تو سینے تک جلن محسوس ہوگی۔ اس واقعہ کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک کام کا ارادہ کیا مگر وہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔

اس آیت کریمہ میں مذکورہ واقعہ کا ایسا ہی منظر سورۃ منافقون میں بھی بیان کیا گیا ہے کسی جہاد کے موقع پر ایک انصاری اور ایک مہاجر آپس میں الجھ پڑے جھگڑے نے طول کھینچا اور انصاری کہنے لگا کہ واپس جا کر ہم اِن ذلیل لوگوں کو مدینے سے نکال باہر کریں گے۔ یہ ممکن نہ تھا، وہ شخص خود ہی ذلیل ہوا۔ اس کا اپنا بیٹا پکا سچا مسلمان تھا۔ اور باپ کی مخالفت کرتا تھا۔ یہ اُس کے لیے بڑی اذیت ناک بات تھی۔ پھر یہ بھی کہ منافق لوگ عبد اللہ ابن ابی کو اپنا سردار بنانا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کی موجودگی میں وہ اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بہر حال اس آیت کے مصداق یہ واقعات بھی ہو سکتے ہیں کہ منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

فرمایا وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ اور نہیں عیب پایا انہوں نے مگر یہ کہ اللہ نے اہل ایمان کو غنی کر دیا۔ منافق تو ایمان والوں کو پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا۔ یہ غریب لوگ تھے، اسلام کی بدولت انہیں خیر و برکت عطا کی اور مال بھی دیا۔ مختلف لڑائیوں میں بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے انہیں غنی کر دیا وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ

اے رسول نے بھی انہیں غنی کر دیا اپنے فضل سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں فضل سے مراد مالِ غنیمت ہے کہ حضور نے بڑی مقدار میں مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی تجارت میں بھی بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے بڑا نفع کمایا اور مالدار بن گئے۔

آخری موقع

فرمایا منافقین کی ان تمام تر حرکات کے باوجود فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔ اب بھی سنبھل جائیں اور نفاق کو ترک کر کے صحیح ایمان قبول کر لیں، تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اللہ تعالیٰ سابقہ کوتاہیاں معاف فرما دیگا۔ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا اور اگر روگردانی کریں گے يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا تو اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور وہ عذاب ایسا ہو گا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ جو اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں تو بہرحال ہے ہی چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ منافقین اس دنیا میں ہی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے بار بار ذلیل وخوار ہوئے اور اپنی کسی سکیم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فرمایا آخرت کا عذاب تو دائمی ہے اگر مرتے وقت نفاق ہی ساتھ لے کر گئے تو کفار کی طرح یہ بھی ابدی جہنمی ہوں گے۔ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ان کے لیے زمین میں کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہو گا۔ اب تو یہ لوگ دشمنانِ اسلام کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے ہیں، کبھی کسی فریق کی طرفداری کرتے ہیں اور کبھی کسی کی مگر بالآخر ایسی صورتِ حال پیدا ہونے والی ہے جب ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہو گا۔ اگر یہ نفاق کو ترک نہیں کریں گے تو ان کا یہی حال ہو گا، لہٰذا بہتر ہے کہ اب بھی توبہ کر لیں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵ فَلَمَّآ
اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ
وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۷۷ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ۷۸

ترجمہ :- اور بعضے اِن (منافقین) میں سے وہ ہیں جنہوں
نے عہد کیا ہے اللہ کے ساتھ کہ اگر دیگا وہ ہمیں اپنے فضل
سے تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور البتہ ہم ضرور ہوں
گے نیکوں میں سے ۷۵ پس جب اللہ نے دیا ان کو
اپنے فضل سے تو انہوں نے بخل کیا اس میں اور پھر گئے
وہ اس حال میں کہ وہ روگردانی کرنے والے ہیں ۷۶ پس
اس کے پیچھے اثر رکھ دیا نفاق کا اُن کے دلوں میں اس
دن تک جس دِن وہ اُس سے ملیں گے اس وجہ سے
کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز کا
جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ

بولتے تھے ﴿۷۷﴾ کیا ان لوگوں نے معلوم نہیں کیا کہ
بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اِن کے راز کو بھی اور ان کی
پوشیدہ سرگوشیوں کو بھی اور بیشک اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کو
جاننے والا ہے ﴿۷۸﴾

ربطِ آیات

جہاد کی فرضیت اور پھر جہاد سے گریز کرنے والے منافقین کی مذمت بیان کی گئی۔ پھر منافقین کے خصائل اور ان کے انجام کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے اوصافِ جمیلہ اور اُن کی کامیابی کا بیان ہوا۔ اللہ نے کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا اُن کے عیوب کو ظاہر کیا جائے اور زبانی طور پر ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کی جائے تاکہ یہ لوگ جماعت المسلمین سے الگ ہو جائیں یا تائب ہو کر سچے مسلمان بن جائیں۔ اگر منافقین کافروں کے ساتھ رل مل جائیں گے تو پھر کافروں کی طرح ان کے خلاف بھی جہاد بالسیف جائز ہو جائیگا گذشتہ آیات میں بھی بعض خاص منافقوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہاں بھی بعض خاص منافقوں کی بات ہو رہی ہے اور اس ضمن میں بعض اصولی باتیں بھی سمجھائی گئی ہیں۔

شانِ نزول

مفسرین کرام[1] بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایک شخص ثعلبہ ابن حاطب تھا، اُس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! فقر کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا رہتا ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے غنی کر دے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عام اصول یہ ہے مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى جو تھوڑی چیز کفایت کر جائے وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو انسان کو غفلت میں ڈال دے۔ آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ مال و دولت میں فراوانی طلب نہ کرو کیونکہ انسان مال کے حقوق ادا نہ کر کے غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر ثعلبہ نے وعدہ کیا کہ میں مال کے سارے حقوق ادا کروں گا۔ صدقہ خیرات کیا کروں گا، لہٰذا آپ ضرور میرے لیے خوشحالی کی دُعا فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی مثال پیش کی کہ دیکھو میں خود

---

[1] ابن کثیر ص ۳۷۴ ج ۲ [2] یہ ثعلبہ بدری صحابی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۱۰

قناعت پسند ہوں، دولت کی خواہش نہیں کرتا، لہٰذا تم بھی اس کی طلب نہ کرو۔ مگر اُس شخص نے اصرار ہی کیا۔ حضور علیہ السلام نے اُس کے حق میں دُعا فرمائی جو رب العزت کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ثعلبہ کے پاس بھیڑ بکریوں کے کئی ریوڑ ہو گئے۔ پھر یہ شخص اپنے وعدے پہ قائم نہ رہا اور اللہ نے اُسے سخت ذلیل کیا۔ آج کی آیات کا مصداق یہی شخص ہے۔

انفاق سے اعراض

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ ان منافقین میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کیا ہے لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ اگر اللہ دے گا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور نیکی کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ جب ثعلبہ کی بھیڑ بکریوں میں بہت اضافہ ہو گیا تو اُس کا شہر میں رہنا مشکل ہو گیا اور وہ شہر چھوڑ کر گاؤں میں جا بسا۔ جوں جوں اُس کا مال بڑھتا گیا اس کی مصروفیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ پہلے رات کی نمازیں چھوٹیں اور دن کے وقت مسجد میں آتا رہا۔ پھر وہ بھی جاتی رہیں اور صرف جمعہ رہ گیا اور پھر رفتہ رفتہ جمعہ کی شرکت بھی ختم ہو گئی۔ جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آیا تو حضور علیہ السلام نے اُس کے پاس آدمی بھیجے۔ ثعلبہ کی نیت خراب ہو چکی تھی اور وہ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہنے لگا مَا اَرَى الزَّكٰوةَ اِلَّا الْجِزْيَةَ زکوٰۃ نہیں مجھے تو جزیہ معلوم ہوتا ہے جو زبردستی وصول کیا جا رہا ہے۔ اُس پہ (شرح میں چالیس میں ایک بھیڑ ایک سو اکیس میں دو بھیڑ دو سو ایک پر تین بھیڑ چار سو میں چار اور پھر ہر سو بھیڑ بکریوں میں سے ایک بھیڑ بکری زکوٰۃ نکلتی تھی) مگر اُس شخص نے انکار کر دیا۔ واپس آ کر جب وصول کنندگانِ زکوٰۃ نے یہ واقعات حضور علیہ السلام کے گوش گزار کیے تو آپ نے تین دفعہ فرمایا وَيْحَكَ يَا ثَعْلَبَةُ اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس ہے۔ کبھی تیری تنگی کی یہ حالت تھی کہ فراخیٔ رزق کے لیے اصرار کر کے دُعا کرائی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت عطا کیا ہے تو تو اس مال میں سے اللہ کی راہ میں دینے

سے انکار کر گیا ہے۔ پھر جب اُس شخص کو حضور علیہ السلام کی ناراضگی کا علم ہوا تو زکوٰۃ کا مال لے کر خود حضور کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپؐ نے اُس کا مال لینے سے یہ کہہ انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری زکوٰۃ وصول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر اُسے بڑی شرمندگی ہوئی، بڑا واویلا کیا حتیٰ کہ اپنے سر پر مٹی ڈالی مگر حقیقت یہ ہے کہ منافق ہی تھا، یہ سب کچھ اُس نے دکھاوے کے لیے کیا تھا اور سچے دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔

جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ شخص پھر زکوٰۃ کا مال لے کر حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ کے پاس آیا مگر انہوں نے بھی یہ مال لینے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب حضور علیہ السلام نے تجھ سے مال قبول نہیں کیا تو میں بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانے میں اُس نے پھر زکوٰۃ ادا کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہ کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ خلافت میں مر گیا، اُس نے توبہ نہیں کی اور نہ ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی گئی۔ وہ اس دنیا سے ناکام و نامراد ہی گیا۔

اس آیت کریمہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ثعلبہ واحد شخص نہیں جو اپنے نفاق اور عدم ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے ناکام ہوا بلکہ اس قسم کے اور لوگ بھی تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جنہوں نے عہد کیا کہ اگر اللہ انہیں اپنے فضل سے دے گا تو وہ صدقہ خیرات کریں گے اور نیکوکاروں میں ہوں گے مگر ہوا یہ کہ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا بَخِلُوْا بِهٖ تو اس سے بخل کر گئے اور فرائض کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا۔ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ پھر گئے اس حال میں کہ روگردانی کرنے والے ہیں۔ انہوں نے سچے دل سے ایمان لانے سے

اعراض کیا اور مال کے حقوق ادا کرنے میں بخل کیا۔

نفاق کی پختگی — اس بخل کا کیا نتیجہ نکلا؟ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ پس اللہ نے پیچھے رکھ دیا نفاق کا اثر اُن کے دلوں میں یعنی اُن کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اَعْقَبَ کی ضمیر جب فعل بخل کی طرف لوٹتی ہے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس بخل نے اُن کے نفاق کو پختہ کر دیا اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ اِس دن تک جب وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرتے دم تک ان کے دلوں میں نفاق سزا کے طور پر راسخ ہوگیا معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنا فضل عطا کرتا ہے، پھر وہ ناشکری کرتا ہے یا بخل کرتا ہے حقوق ادا نہیں کرتا، فرائض پورے نہیں کرتا تو خطرہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے دل میں تغیر پیدا کر دے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے "كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (المطففین) اُن کی بُری کمائی یعنی گناہوں کی وجہ سے اُن کے دِل زنگ آلود ہوجاتے ہیں دل سیاہ ہوجاتے ہیں اور سخت ہوجاتے ہیں جو انتہائی قساوت قلبی کی علامت ہے اللہ نے بنی اسرائیل کی مثالیں بیان کی ہیں کہ اُن کے دِل معکوس ہو گئے۔ اور ایسے سخت ہو گئے کہ ان میں رقت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ انبیاء کو ایذا پہنچاتے ہیں اور طرح طرح کی بداعمالیاں کرتے ہیں اور پھر غضب الٰہی کے مستحق بنتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت بھی برستی ہے۔ یہ تمام نتائج روگردانی، بدعملی اور وعدہ خلافی کے ہیں۔ انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر مال ملے گا تو صدقہ خیرات کریں گے مگر جب آسودگی آگئی تو اُس وعدے کو بھول گئے اور مرتے دم تک نفاق میں مبتلا رہے۔

وعدہ خلافی اور جھوٹ — حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ منافق کی علامت یہ ہے۔ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ اُن کے دلوں میں نفاق اس وجہ سے راسخ ہو گیا بِمَآ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے "اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا" قیامت کے دن وعدے کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ مائدہ میں بھی گزر چکا ہے "اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ" اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کیا کرو کہ یہ بڑی اہم بات ہے۔ اگر وعدہ خلافی کرو گے تو دل میں نفاق بیٹھ جائے گا اور اس کا نتیجہ خطرناک نکلے گا۔

فرمایا اُن کے دلوں میں نفاق کی پختگی ایک تو وعدہ خلافی کی وجہ سے ہوئی اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو وعدہ خلافی کرتا ہے وہ جھوٹ بھی بولتا ہے زبان سے کچھ کہتا ہے اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنا بھی منافق کی علامت ہے۔ حضور نے منافق کے متعلق فرمایا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے اور جب جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے حضور نے منافق کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے منافقین کو سزا ملی۔ اُن کے دلوں میں نفاق اس لیے راسخ ہوا کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی اور بخل کیا۔ اور بخل بدترین روحانی بیماری ہے۔ حضور نے فرمایا اَیُّ دَاءٍ اَدۡوَءُ مِنَ الۡبُخۡلِ بخل سے بڑی بیماری کونسی ہے بخیل آدمی نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور نہ دوسروں کا حق ادا کرتا ہے گذشتہ آیات میں منافقین کی یہ صفت بھی بیان ہو چکی ہے

کہ يَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑتے ہیں بہر حال یہاں فرمایا کہ انہوں نے وعدے کا خلاف کیا اور دوسری بات یہ کہ جھوٹ بولا

جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق پختہ ہو گیا۔

خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے

اللہ تعالیٰ نے منافقین کو تنبیہ بھی فرمائی ہے اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سِرَّھُمْ وَ نَجْوٰىھُمْ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو جانتا ہے۔ ان کا کوئی بھید اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ سرگوشیوں کو بھی جانتا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلّٰامُ الْغُیُوْبِ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ سورۃ مائدہ کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے ان کی امت کے متعلق سوال کریں گے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو، تو عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے، اے مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات دنیا میں کی ہے تو تو اسے جانتا ہے کیونکہ "اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ" تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے بہر حال منافقوں کے ارادے، عزائم، خفیہ اجلاس، مشورے اور بھید سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ منافقوں کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیئے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بخیل منافقوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی بخل کریگا یا وعدہ خلافی کرے گا تو اس کا نتیجہ وہی ہو گا جو منافقوں کا ہوا۔ دل میں کدورت پیدا ہو گی، نفاق بڑھے گا اور پھر وہ پختہ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرتے دم تک اس سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکے گا یہ انسان کی ناکامی کی دلیل ہے۔ آگے منافقین کی مزید خرابیوں کا ذکر آرہا ہے مسلمانوں کی جماعت کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور منافقوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي
الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ
مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
ع ۱۰/۸/۱۶ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع

ترجمہ :- وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں خوشی خاطر سے صدقہ خیرات کرنے والے مومنین پر اور اُن لوگوں پر جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت ۔ پس ٹھٹا کرتے ہیں اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے ٹھٹے کا بدلہ دیگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۷۹﴾ آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ طلب کریں ۔ اگر آپ اِن کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا ۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اللہ نہیں راستہ دکھاتا نافرمانی کرنے والوں کو ﴿۸۰﴾

منافقین کی مذمت کے سلسلے میں گذشتہ درس میں گزر چکا ہے ، کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض منافقین عہد کرتے ہیں مگر اُس کو پورا نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے مگر جب اللہ نے عطا کر دیا تو انہوں نے بخل کیا۔ ان کی وعدہ خلافی اور کذب بیانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کو پختہ کر دیا اب یہ نفاق مرتے دم تک اُن کے دلوں سے نہیں نکل سکے گا۔ اب آج کے درس میں منافقین کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے غزوہ تبوک کے سلسلے میں جب حضور علیہ السلام نے لوگوں سے مالی تعاون کی اپیل کی تو ہر پکے سچے مسلمان نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیا مگر جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ انہوں نے صدقہ کرنے والوں کو مختلف قسم کی طعن کا نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ منافقین کی مغفرت کے لیے دُعا کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

صحابہؓ کی فراخدلی

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کے لیے اعلان فرمایا تو بعض آسودہ حال مسلمانوں نے خطیر مال آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ بعض کمزور صحابہؓ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے، انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق مالی تعاون کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جلیل القدر صحابہ اور عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق قریش خاندان سے ہے۔ وسیع تجارت تھی اور اللہ نے بڑا مال و دولت عطا فرمایا تھا۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد آپ کی دو بیویاں پیچھے رہ گئیں۔ جب آپ کا ترکہ تقسیم ہوا تو آپ کی دونوں بیویوں کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملا ان میں سے ایک بیوی نے اپنے حصہ کی جائداد اسی ہزار (۸۰) دینار میں فروخت کی، یہ آٹھویں حصے کا نصف تھا۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے کسب حلال سے تیس ہزار غلام خرید کر آزاد کیے جو کہ بہت بڑا درجہ ہے۔ آپ نے غزوہ تبوک کے لیے چار ہزار

دینار پیش کیے۔ اور حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ اس وقت میرے پاس کل آٹھ ہزار دینار تھے جن میں سے نصف گھر میں بال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور باقی نصف آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ امرا صحابہ میں سے عاصم ابن عدی عجلانی رضؓ کا تعلق انصار مدینہ سے تھا۔ آپ کے کھجوروں کے بہت سے باغات تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر بطور صدقہ ایک سو وسق کھجوریں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں کہ یہ صدقہ ہے آپ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیں۔ یاد رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار سیر کا۔ اس حساب سے وہ کھجوریں چھ سو من بنتی ہیں دوسری طرف ابو عقیل انصاریؓ تھے۔ انہوں نے بیوی سے پوچھا، گھر میں کچھ ہے؟ کہا کچھ بھی نہیں، انہوں نے رات بھر مزدوری کر کے ایک صاع کھجوریں حاصل کیں جن میں سے آدھی گھر میں دے دیں اور آدھی لا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں۔

منافقین کا طعن

اب منافقین نے اپنی خباثت کا اظہار شروع کیا۔ جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر مال پیش کیا، ان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لوگ ریاکاری کر رہے ہیں اور اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس غریب آدمی نے صرف نصف صاع کھجوریں پیش کیں اس کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ابو عقیل سے فرمایا، تم نے سخت محنت کر کے یہ کھجوریں مزدوری حاصل کی ہیں، اس لیے یہ بڑی بابرکت ہیں، انہیں پورے ڈھیر پر بکھیر دو تاکہ سارا مال بابرکت ہو جائے۔ بہرحال حضور علیہ السلام کے صحابہؓ میں نہ تو ریاکاری تھی اور نہ ان کی نیت میں کوئی خرابی تھی بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حسب توفیق خرچ کرتے تھے مگر منافقین ان پر طرح طرح سے طعن کرتے تھے لہٰذا اللہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں۔ خوشی خاطر سے صدقہ خیرات کرنے والے مومنوں پر۔ یَلْمِزُوْنَ لمز سے ہے جس کا معنی طعن یا عیب جوئی کرنے والے ہیں اور تطوع خوشی خاطر کو کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ کوئی چار ہزار دینار دیتا ہے یا سو وسق کھجوریں پیش کرتا ہے اسے اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ جب قربانی کرو یا کوئی فرض ادا کرو، زکوٰۃ و صدقہ ادا کرو تو بخوشی کیا کرو۔ دل میں کوئی بوجھ محسوس نہ کرو۔ بلکہ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر وہ توفیق ہی سلب کر لے تو تم کیا کر سکتے ہو، لہذا دل کی خوشی سے خرچ کرو۔ اور پھر کسی محتاج کو نہ ایذا پہنچاؤ اور نہ اس پر احسان جتلاؤ، یہ چیزیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں۔ اہلِ ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ خوشی خاطر سے صدقہ خیرات کرتے ہیں۔

فرمایا وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ منافق لوگ ان اہلِ ایمان پر بھی طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر محنت و مشقت جہد کا معنی محنت ہے۔ یعنی جس شخص نے ساری رات پانی کھینچ کر تھوڑی سی مزدوری حاصل کی اور اس میں سے بھی آدھا حصہ صدقہ کر دیا منافقین کے اعتراض سے وہ بھی نہیں بچ سکا۔ فرمایا جو سخت محنت کر کے کماتے ہیں، منافق ان پر بھی طعن کرتے ہیں فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ دیکھو! نصف صاع کھجوریں دے کر بڑا تیر مار رہے ہیں فرمایا سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ بھی ان کے ٹھٹھے کا بدلہ دے گا، اللہ کے ٹھٹھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ٹھٹھا کا جواب دے گا۔ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے کہ منافق جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے

تو کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں، ہم دل سے تو ایمان نہیں لائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ اللہ بھی اُن کے ساتھ مذاق کرتا ہے یعنی اُن کے مذاق کا بدلہ دیتا ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ اِن بدطینت، بدخصلت، بداخلاق اور بدنیت منافقوں کو ضرور ان کے مذاق کا بدلہ دیگا جو خوشی خاطر سے صدقہ کرنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اس سے یہ عام قانون معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے آدمی کے ساتھ مذاق نہیں کرنا چاہیئے۔ کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس پر تمسخر نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بڑا نمازی اور پرہیزگار بنا پھرتا ہے۔ یہ تو منافقوں کا کام ہے۔ اس کے بجائے نیکی کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے اور جو کوئی کسی نیکوکار کی دل شکنی کریگا وہ اللہ تعالیٰ کی وعید کی زد میں آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ بری عادت بھی بیان فرما دی۔

منافقین کے لیے دعائے مغفرت

آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ آپ منافقین کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اُن کے لیے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ عربی اصطلاح میں ساٹھ ستر یا سات سو تکثیر کے لیے آتا ہے یعنی جب کسی چیز کا کثیر تعداد میں ذکر مطلوب ہو تو اس قسم کے عدد استعمال کیے جاتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ آپ کتنی زیادہ دفعہ بھی ان منافقوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، اللہ قبول نہیں کریگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی جب مرگیا تو اُس کے مسلمان بیٹے نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا باپ فوت ہوگیا ہے۔ اُس نے ظاہری طور پر کلمہ بھی پڑھا تھا اور بعض

اوقات جہاد میں بھی شامل ہو جاتا تھا۔ آپ مہربانی فرما کہ اُن کا جنازہ پڑھیں اس کی مکمل تفصیل تو اگلے رکوع میں آرہی ہے۔ تاہم اُس کے بیٹے کی سفارش پر حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص عبداللہ ابن ابی کے کفن کے لیے دیدی، اس کے منہ میں لعاب دہن بھی ڈالا، اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اسکی بخشش کے لیے دعا کی۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر حضور علیہ السلام کو روکنے کی کوشش کی اور عرض کیا کہ آپ ایسے شخص کے لیے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں جس نے فلاں فلاں موقع پر فلاں شرارت کی تھی۔ آپ نے فرمایا، عمرؓ! ہٹ جاؤ مجھے دعا کرنے دو۔ اللہ نے مجھے دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے کہ آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

امام ابوبکر ابن عربیؒ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے کہ چونکہ اللہ نے حضور کو دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لیے مصلحت اسی میں تھی کہ آپ اُس کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ منافقوں کے حق میں دُعا کی قطعی ممانعت بعد میں آئی تھی جس کا ذکر اگلے رکوع میں آرہا ہے، لہٰذا اُس موقع پر حضور علیہ السلام کے جنازہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ بن ابی کے قبیلے کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا کہ اتنے کریمانہ اخلاق کا مالک ایک نبی ہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے ایسے دشمن پر مہربانی فرمائی جو ہمیشہ آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا اصل نام حباب تھا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے نام دریافت کیا، عرض کیا میرا نام حباب ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیطان کا نام ہے، لہٰذا آج سے تمہارا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سنت کے اتباع میں کسی غلط نام کو بدل دینا چاہیے۔ کوئی ایسا نام جس سے شرک کی بو آتی ہو یا جس نے ظلم و

زیادتی اور گناہ کا اظہار ہوتا ہو، بدل دینا چاہیئے۔ اسی طرح ایک خاتون کا نام بَرَّۃ تھا۔ بڑی نیک اور پارسا خاتون تھیں مگر اس کا معنی اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا ہے۔ اللہ کے حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس نام کو بدل دو، آج سے تمہارا نام زینب ہے۔ فرمایا لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنی تعریف خود نہ کیا کرو کہ خود ستائی اچھی نہیں ہوتی۔

عدمِ معافی کا اعلان

بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام! اگر آپ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے انہوں نے [illegible] وحدانیت کو تسلیم نہیں کیا، رسول پر ایمان [illegible] بخشش [illegible] کیسے کی جا سکتی ہے؟ جو شخص اللہ کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ نجات کا حق دار کیسے ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کریگا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ جو فسق پر اڑے ہوئے ہیں، انہیں راہِ راست نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب یہ دنیا سے جاتے ہیں تو کفر کی حالت میں جاتے ہیں اور بالآخر جہنم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے حصے میں ابدی ناکامی آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے والے ہدایت کے مستحق نہیں ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ
جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ
مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا
مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ
بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ
عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ:۔ خوش ہیں پیچھے روکے گئے (منافق) اپنے بیٹھے رہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور ناپسند کیا ہے انہوں نے کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں۔ اور کہا انہوں نے (ایک دوسرے سے) نہ کوچ کرو گرمی کے زمانے میں۔ (اے پیغمبر!)

آپ کہ دیجئے ، جہنم کی آگ بہت زیادہ سخت ہے گرمی کے
لحاظ سے اگر اِن لوگوں کو سمجھ ہو (۸۱) پس چاہیئے کہ یہ ہنسیں
تھوڑی مدت تک اور روئیں زیادہ ۔ یہ بدلہ ہے اُس کا جو
یہ کماتے ہیں (۸۲) پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لوٹائے
اِن میں سے ایک گروہ کی طرف ، پھر وہ اجازت طلب
کریں آپ سے (آپ کے ساتھ) نکلنے کی تو آپ کہ دیں
کہ ہرگز نہ نکلو تم میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ لڑو تم میرے
ساتھ ہو کر دشمن سے ۔ بیشک تم راضی ہو چکے بیٹھے رہنے
کے ساتھ پہلی مرتبہ ، پس بیٹھ جاؤ پیچھے بیٹھنے والوں کے
ساتھ (۸۳) اور (اے پیغمبر!) آپ نہ نماز پڑھیں ان میں سے
کسی ایک پر جو مرگیا ہو کبھی بھی ، اور نہ کھڑے ہوں اُس
کی قبر پر بیشک انہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسُول کے ساتھ اور مرے اس حال میں کہ وہ نافرمانی
کرنے والے تھے (۸۴)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اللہ نے جہاد کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان فرمائی پھر اُن کی قبیح صفات بدعہدی اور جھوٹ کا ذکر کیا ۔ گذشتہ آیات میں منافقوں کی اس خصلت کو بیان کیا کہ وہ لوگ اپنی خوشی خاطر سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ۔ کوئی شخص اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا خرچ کرے یا زیادہ ، منافق ہر حالت میں اُن پہ اعتراض ہی کرتے تھے ۔ پھر اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ، کہ آپ اِن منافقوں کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں ، اُن کے لیے یہ ہرگز مفید نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بدطینت لوگوں کو نہ بخشنے کا فیصلہ کر رکھا ہے

جہاد سے گریز

اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کی ایک اور خباثت کا ذکر فرمایا ہے

وہ لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے اور بجائے اس کے کہ اس حرکت پر نادم ہوتے، الٹا خوش ہوئے کہ شدید گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبتوں سے بچ نکلے ہیں ارشاد ہوتا ہے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خوش ہو گئے ہیں پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھے رہنے پر۔ جب حضور علیہ السلام اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے تو منافق لوگ بڑے خوش ہوئے کہ وہ حیلے بہانے کر کے اس سفر سے بچ گئے ہیں۔ جو چلے گئے ہیں اِن کا تو صحیح سلامت واپس لوٹنا مشکل ہے۔ لہذا ہم اچھے رہے جو ان کے ساتھ نہیں گئے۔

مخلفون کا معنیٰ ہے جن کو پیچھے رکھا گیا اور پیچھے رکھنے والا یا تو اللہ تعالےٰ ہے جس نے انہیں توفیق ہی نہیں دی کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوتے یا پھر پیچھے چھوڑنے والا اللہ کا رسول ہے جس نے جھوٹے حیلے بہانے سن کر پیچھے رہ جانے کی اجازت دیدی۔ صاحب تفسیر روح المعانی نے پیچھے رہ کے جانے کی تیسری امکانی وجہ یہ بیان کی۔ ہے کہ شاید انہیں شیطان نے اغوا کیا ہو اور اِن کے ذہنوں کو گمراہ کر کے جہاد پر جانے سے روکا ہو یا پھر چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے شریک سفر نہ ہوئے ہوں بہرحال پیچھے رہنے کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے جس پر منافقین خوش تھے۔ اور پیچھے کس سے رہ گئے خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ خلف کا معنیٰ بعد ہوتا ہے گویا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد پیچھے رہ گئے سخت گرمی کا موسم تھا سفر دور دراز کا تھا، سامان ضرب و حرب اور خورد و نوش کم مگر ایک بڑی منظم اور طاقتور حکومت سے مقابلہ تھا۔ اللہ کے رسول اور مسلمانوں نے یہ ساری تکالیف برداشت کیں مگر منافق انہی تکالیف سے ڈرتے ہوئے پیچھے بیٹھے رہے۔ سورۃ کے آخری حصہ میں آتا ہے کہ ایمان والوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ اللہ کا رسول تو جنگلوں اور

صحراؤں کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ گھروں میں مقیم رہیں۔ ایسا کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ منافق ہوگا۔ اور اس نفاق کے نتیجہ میں معتوب الٰہی اور محروم القسمت ہوگا۔ فرمایا وہ اپنے پیچھے رہنے پر خوش ہوئے حالانکہ پہلے اللہ کا یہ حکم گزر چکا ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا تم ہلکے ہو یا بوجھل بہر حالت میں اللہ کی راہ میں نکلنا چاہیئے۔ اس کے برخلاف وَكَرِهُوْٓا انہوں نے ناپسند کیا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس بات کو کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ سچے مومن تو دین کی تقویت کے لیے مال وجان کھپا دینے کو باعث سعادت سمجھتے ہیں کیونکہ جہاد بھی دیگر عبادات کی طرح ایک بہت بڑی عبادت ہے مگر منافقوں نے اسکو ناپسند کیا اور اس سعادت سے محروم رہے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ گرمی میں کوچ نہ کرو، بڑی تکلیف ہوگی۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ تو اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اگر تم اس سفر میں گرمی کو برداشت نہیں کر سکتے تو پھر جہنم کی گرمی کیسے برداشت کرو گے جو اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے تو سوچو کہ اس دنیا کی تپش برداشت کر لینا آسان ہے یا جہنم کی گرمی میں جھونک دیا جانا۔

جہنم کی آگ

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ گرم ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ابتداء میں جہنم کو ایک ہزار برس تک بھڑکایا گیا تو اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو یہ سفید ہو گئی۔ جب تیسری دفعہ اسے ہزار برس تک جلایا گیا تو اس کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ چنانچہ جنت اور دوزخ اس وقت

بھی کسی دوسری دُنیا میں موجود ہے اور دوزخ کی رنگت سیاہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور! لوگوں کو جلانے کے لیے تو اس دنیا کی آگ ہی کافی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، دوزخ کی آگ اس آگ سے ستر گنا تیز ہے اگر جہاد جیسی عبادت کے لیے اس دنیا کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تو دوزخ کی ستر گنا تیز گرمی کیسے برداشت ہو گی؟

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ اتنی تیز ہے کہ آج کوئی انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فرمایا اگر جہنم کی آگ کا ایک شرارہ یا چنگاری مشرق میں پڑی ہو تو مغرب والے بھی اس سے جل اٹھیں۔ امام ابن کثیرؒ نے طبرانی اور مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے کہ جہنم کی شدتِ تپش کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی بڑی مسجد جس میں سوا لاکھ آدمی موجود ہوں (جیسے بادشاہی مسجد لاہور) اور ان میں ایک جہنمی آدمی ہو، تو اس شخص کے سانس میں اتنی تپش ہو گی کہ صرف ایک دفعہ سانس لینے سے پوری مسجد جل جائے اور سارے آدمی ہلاک ہو جائیں۔

امام مبردؒ نے اپنی کتاب کامل میں ایک واقعہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ مامون الرشید کے زمانے میں حدیث اور لغت کے امام اصمعیؒ رمضان کے مہینے سے پہلے مکہ مکرمہ میں تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ انہوں نے سوچا کہ یہاں تو سخت گرمی ہے، چلو روزے طائف میں جا کر رکھتے ہیں۔ وہاں کا موسم خوشگوار ہے۔ سواری لی اور طائف کی طرف چل دیے۔ راستے میں ایک بدّو ملا۔ علیک سلیک کے بعد دریافت کیا، حضرت کہاں کا ارادہ ہے امام صاحب نے کہا کہ روزے رکھنے کے لیے طائف جا رہا ہوں کیونکہ مکہ میں سخت گرمی ہے۔ بدّو کہنے لگا کہ میں تو طائف سے مکہ جا رہا ہوں تاکہ رمضان کے روزے وہاں جا کر رکھوں۔ کہنے لگا میں بھی گرمی سے بچنے کے لیے مکہ جا رہا ہوں۔ سوچا تھا کہ اگر آج مکہ کی گرمی برداشت کر

دن گا تو کل جہنم کی تپش سے بچ جاؤں گا۔ بات درست تھی۔ جو شخص اس دنیا کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا اُسے جہنم کی تپش برداشت کرنی پڑے گی جو اس گرمی سے ستر گنا تیز ہے۔

رونے کا مقام

فرمایا فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا پس چاہیئے کہ یہ منافق ہنس لیں تھوڑی مدت کے لیے وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا اور روئیں بہت زیادہ۔ مراد یہ ہے کہ اس دُنیا کا ہنسی خوشی کا وقت بہت تھوڑا ہے، یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اور آگے چل کر رونے کا مقام آئے گا۔ اور یہ اس لیے کہ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے تھے یعنی انہیں اپنے بُرے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں جلنا ہو گا۔ مسند ابو یعلیٰ کی روایت میں آتا ہے کہ اہل دوزخ اتنا روئیں گے کہ اُن کے آنسوؤں کی وجہ سے آنکھوں پر گڑھے پڑ جائیں گے اور چہرے پر نالیاں بن جائیں گی۔ جب آنکھوں کا پانی ختم ہو جائے گا تو خون بہنے لگے گا۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے، کہ دوزخ والے عرصہ دراز تک روتے رہیں گے حتیٰ کہ آنسوؤں کی جگہ پیپ جاری ہو جائیگی۔ اور دوزخ کے داروغے اُن سے کہیں گے۔ یا معشر الاشقیاء اے گروہِ اشقیاء رونے کا مقام تو دنیا میں تھا۔ اگر وہاں روتے تو آج بچ جاتے۔ چونکہ وہاں تم ہنستے رہے لہٰذا آج روتے رہو۔

دوزخیوں کی آہ زاری

پھر دوزخ والے جنتیوں کو پکار کر کہیں گے یا معشر الآباء والامہات والاولاد یعنی اے ہمارے ماں باپ اور اولاد کے گروہ! ہم نے حشر کا پورا عرصہ پیاس کی شدت میں گزارا ہے اور آج بھی سخت پیاس میں ہیں۔ خدا کے لیے پانی کا ایک گھونٹ ہی دے دو۔ مگر جہنم کے داروغے کہیں گے "اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ" تمہیں اسی حالت میں رہنا ہو گا۔ روایت میں آتا ہے کہ جہنم والے چالیس سال تک مدد کے لیے پکارتے رہیں گے اور بالآخر مایوس ہو جائیں گے۔ پہلے سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے

کہ اہل دوزخ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی دیدو یا جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دیدو مگر اہل جنت جواب دیں گے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر یہ چیزیں حرام کر دی ہیں یہ تمہیں نہیں مل سکتیں بہر حال اللہ نے منافقین کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ یہ دنیا میں خوشیاں مناتے تھے۔ فرمایا یہاں تھوڑی دیر کے لیے ہنس لو، پھر تمہیں دیر تک رونا پڑے گا اور یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہو گا۔

منافقین کی محرومی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے ایک گروہ کی طرف لوٹایا فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ پھر وہ آپ سے اجازت طلب کریں نکلنے کی، مطلب یہ کہ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئیں اور منافقین میں سے کچھ لوگ آئندہ جہاد میں شرکت کی پیش کش کریں۔ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا آپ کہہ دیں کہ ہرگز نہ نکلو میرے ساتھ کبھی بھی۔ یعنی آپ اُن کی پیش کش قبول نہ کریں اور صاف صاف کہہ دیں کہ آئندہ کبھی میرے ساتھ جانے کی اجازت نہیں ہو گی وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا اور نہ میرے ساتھ مل کر تمہیں دشمن سے جنگ کرنے کی اجازت ہو گی، تم نے غزوہ تبوک کے موقع پر ساتھ چلنے سے گریز کیا۔ اب تمہیں یہ موقع کبھی نہیں ملے گا۔ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر راضی ہو چکے ہو۔ جب گرمی کے موسم اور لمبے سفر پر چلنے سے گریز کیا اور گھر میں بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے تو اب فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝ بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔ ہم آئندہ کبھی تمہیں ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ پیچھے رہنے والوں میں اکثر عورتیں، بچے، بوڑھے اور معذور ہوتے ہیں، لہٰذا تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھے رہو۔ یہ منافقوں کی

تذلیل ہو رہی ہے کہ جہاد میں شامل نہ ہونے والے معذوروں کی صف میں شامل ہیں ورنہ کوئی جوان مرد جہاد سے گریز نہیں کر سکتا۔ اب منافقوں کے لیے دو صورتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ یا تو وہ سچے دل سے تائب ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں اور یا پھر واضح طور پر کفار کے ساتھ مل جائیں تاکہ ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جا سکے۔

منافقوں کا جنازہ اور استغفار

منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ بھی ارشاد فرمایا وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا جب ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ نمازِ جنازہ کے لیے اُس کے بیٹے نے حضور سے درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے ہر چند روکنا چاہا کہ یہ اسلام کا دشمن منافق تھا، آپ اس کا جنازہ نہ پڑھیں مگر حضور علیہ السلام نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھا کہ اللہ نے مجھے ایسا کرنے سے روکا نہیں بلکہ اختیار دیا ہے کہ اس کے لیے استغفار کروں یا نہ کروں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو اس موقع پر یہ حکم نازل ہوا جس میں آپ کو جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا، تاہم بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھا اور اس کا کفن دفن ہوا۔ البتہ یہ آیت کسی بعد کے موقع پر نازل ہوئی جس کے ذریعے آپ کو جنازہ پڑھنے اور قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ فرمایا اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو نہ اس کا جنازہ پڑھیں وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ قبر پہ کھڑا ہونے کا مقصد دفن کرنا، اس کے لیے دعا کرنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مقصد کے لیے منافق کی قبر پہ کھڑا ہونے سے منع فرما دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ منافق کی بخشش کے لیے دعا

بھی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اہل ایمان کی قبر پر کھڑا ہونا مسنون ہے ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ دفن کرنے کے بعد اِستَغفِرُوا لِاَخِیکُم اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دُعا کرو۔ اب اس سے سوال جواب ہو رہا ہے اور یہ اُس کے حق میں دُعا کے لیے موقع ہے اسی طرح اگر کوئی قرآن مجید پڑھیگا یا ذکر کرے گا تو اس سے بھی انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

حضرت علیؓ کے والد ابوطالب آخر دم تک ایمان نہیں لائے جب وہ فوت ہو گئے تو حضور علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے چچا فوت ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جا کر اُسے مٹی میں دبا دو۔ فقہاء اور محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا کافر عزیز یا رشتہ دار فوت ہو جائے تو سنت کے مطابق اس کا کفن دفن اور جنازہ پڑھنے کی بجائے اُسے ویسے ہی گڑھے میں دفن کر دو حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ کو مٹی میں داب کر سیدھے میرے پاس چلے آنا جب حضرت علیؓ واپس آئے تو آپ نے صرف دُعا کی، ابُوطالب کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے کیونکہ اللہ نے منع کر دیا تھا۔

فرمایا یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے اِنَّھُم کَفَرُوا بِاللّٰہِ وَرَسُولِہٖ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ منافق نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ نبی کو سچا نبی سمجھتے ہیں۔ وَمَاتُوا اور وہ اسی حالت میں مر گئے۔ وَھُم فٰسِقُونَ اور وہ نافرمان ہیں جو شخص کفر، شرک یا نفاق کی حالت میں مر گیا وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو گیا۔ اس کے لیے صدقہ خیرات بھی مفید نہیں ہوگا۔ اس کا جنازہ پڑھنے اور دُعا استغفار کرنے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ ان چیزوں سے بھی اُسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آگے پھر آرہا ہے کہ مشرکین کیلئے استغفار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ
اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ
اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ
اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ
الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ
وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾
لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
ع ۹ ۱۲ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

ترجمہ :- اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو اِن (منافقوں) کے
مال اور انکی اولاد بیشک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ سزا دے ان کو ان
(کے مالوں اور اولاد) کی وجہ سے دنیا میں ، اور نکلیں ان کی جانیں اس
حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہیں ﴿۸۵﴾ اور جب اُتاری جاتی
ہے کوئی سورۃ (اور اس میں حکم دیا جاتا ہے) کہ ایمان لاؤ
اللہ کے ساتھ اور جہاد کرو اس کے رسول کے ساتھ مل کر، تو

رخصت مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے لوگ ان میں سے اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دیجئے ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ (۸۶) یہ راضی ہوتے ہیں اس بات پر کہ ہوں یہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ اور مہر کر دی گئی ہے ان کے دلوں پر پس یہ نہیں سمجھتے (۸۷) لیکن اللہ کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں آپ کے ساتھ، انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ، اور یہی لوگ ہیں کہ جن کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں (۸۸) اللہ نے تیار کیا ہے ان کے لیے بہشت بہتی ہیں ان کے سامنے نہریں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں۔ یہ ہے کامیابی بڑی (۸۹)

ربط آیات جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے منافقین کی مذمت کا سلسلہ جاری ہے گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیچھے بیٹھے رہنے پر بڑے خوش ہوئے کہ اچھا ہوا ہم اس دور دراز کے سفر پر نہیں گئے گویا کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں مال و جان کھپا دینے کو ناپسند کیا، وہ ایک دوسرے کو گرمی کی شدت میں سفر کرنے سے منع کرتے تھے مگر اللہ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ تو بہت سخت ہے، اگر اس دُنیا کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تو دوزخ کی تپش کیسے برداشت کرو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی دیا کہ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئیں گے تو منافق لوگ آئندہ جہاد میں شمولیت کی پیش کش کریں گے مگر حضور علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ آپ صاف انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ تم پہلی مرتبہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے، اب ہمیشہ کے لیے تمہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تم کبھی بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکو گے۔ ان کو جماعت المسلمین سے

بالکل الگ کر دیا جائیگا۔ تا وقتیکہ یہ اسلام میں صدقِ دل سے داخل ہو جائیں۔
پھر اللہ نے منافقوں کا جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت
کرنے سے بھی منع فرما دیا۔

مال ذریعہ آزمائش

بعض ذہنوں میں یہ بات آسکتی ہے کہ اگر منافق اللہ کے ہاں اتنے ہی
ناپسندیدہ ہیں تو پھر انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی کیوں حاصل ہے؟
اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ
وَاَوْلَادُهُمْ ان کے مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ کافروں
اور منافقوں کی خوشحالی کو ان کے حق میں اچھائی کی علامت نہ سمجھا جائے۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا
بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ان کو انہی چیزوں کی وجہ سے دنیا میں سزا
دے۔ گویا مال و اولاد کی فراوانی منافقوں کے لیے وبالِ جان بن جائے گی۔
یہ لوگ جب تک اس دنیا میں زندہ رہیں گے مال و اولاد کی فکر میں ہی
مبتلا رہیں گے۔ کبھی مال جمع کرنے کی فکر ہوگی، کبھی اس کے اخراجات کے
متعلق تفکرات ہوں گے اور کبھی مال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہمیشہ
سر پر سوار رہیگا اور انہیں کسی صورت چین نہیں آئے گا اور یہی چیز ان کے
لیے اس دنیا میں بحیثیت عذاب کے ہے۔ نیز فرمایا وَتَزْهَقَ
اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی
کہ وہ کفر کرنے والے ہوں گے۔ مقصد یہ کہ مرتے دم تک انہیں
ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ کفر کی حالت میں ہی ان کی موت واقع
ہوگی۔ لہٰذا مال و دولت کی فراوانی نیک آدمی کے حق میں تو اچھی ہو سکتی ہے
مگر ایک کافر اور منافق کے لیے یہ سعادت مندی کی علامت ہرگز نہیں
بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص
نافرمانی ہی کرتا چلا جا رہا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مال میں فراوانی

اور خوشحالی عطا کر رہا ہے تو ہرگز دھوکہ نہ کھانا کہ یہ شخص اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے بلکہ یہ تو استدراج یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور مہلت ہے، اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا۔ اس کی رسی دراز کرے گا اور جب چاہے گا ایسے شخص کو گرفت میں لے لیگا۔ شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تعجب نہ کرو کہ بے دین کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کیوں دی ہے۔ اس کے حق میں یہ مال و دولت تو وبال ہے۔ کیونکہ ان کے پیچھے دل پریشان رہتا ہے کبھی مال کے جمع کرنے کے سلسلے میں اور کبھی اسے خرچ کرنے کے معاملہ میں اور یہ فکر مرتے دم تک چھوٹنے نہیں پاتی۔ جب تک انسان مال و دولت کی فکر سے نہیں چھوٹے گا۔ اُسے توبہ کرنے یا نیکی کرنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ ہوگا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ان منافقین کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ وہ کافر ہی ہوں گے، انہیں مرتے دم تک ایمان کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

منافقین کو اسی دنیا میں سزا کی ایک صورت مفسرین کرام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بعض منافقین کی اولادیں صحیح معنوں میں مومن ہو گئیں، اس کی مثال عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہؓ ہے۔ جو نہایت مخلص مسلمان تھا۔ جب مسلمان اولاد منافق والدین کے خلاف چلتی تھی تو انہیں سخت اذیت پہنچتی تھی۔ اسی لیے فرمایا کہ مال اور اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اسی دنیا میں سزا دینا چاہتا ہے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مریں گے جس کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے

صاحبانِ استطاعت کی رخصت طلبی

فرمایا وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ جب قرآن پاک کی سورۃ نازل کی جاتی ہے جس میں حکم دیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اور اللہ کے رسول کے ساتھ

بل کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو، دین کی بقا اور ترقی کے لیے جہاد ضروری ہے تو اِسْتَأْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ ان میں سے مقدور یعنی طاقت رکھنے والے، جسمانی طور پر تندرست اور مالی لحاظ سے خوشحال لوگ حیلے بہانے بنا کر آپ سے رخصت طلب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام پڑ گیا ہے یا فلاں مجبوری لاحق ہو گئی ہے لہٰذا ہم جہاد کے لیے نہیں جا سکتے وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ۔ لہٰذا ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ فرمایا دیکھو، ان کی ذہنیت کتنی خراب ہے رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ کہ یہ اس بات پر راضی ہیں کہ پیچھے بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ ہم بھی گھر میں بیٹھے رہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوں۔

خوالف خالف کی جمع ہے اور یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں صنفوں کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ خَالِفَۃٌ کی جمع بھی خوالف ہی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ معذور مرد ہیں جو جہاد میں شریک ہونے سے قاصر ہوتے ہیں، مثلاً بہت بوڑھے ہیں، نابینا ہیں یا کسی عضو سے معذور ہیں اور اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقین معذور مردوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اگر خوالف سے مراد پیچھے بیٹھنے والی عورتیں لیا جائے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ عورتوں کا مقام اُن کا گھر ہی ہے۔ سورۃ احزاب میں ہے۔ "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں۔ ان پر جہاد فرض نہیں ہے ہاں نفیر عام کی صورت میں وہ کوئی خدمت انجام دے سکتی ہیں یا کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکل سکتی ہیں۔ بہرحال شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ عورتیں کیا ہے۔ بعض نے خوالف سے معذور آدمیوں کی جماعتیں مراد لیا ہے اور یہ بھی درست ہے۔ بہرحال فرمایا کہ منافق

اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں بلکہ پیچھے رہنے والوں میں شامل ہوں۔

فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوا وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اُن کے دلوں پر مہریں لگا دی گئیں کیونکہ انہوں نے نفاق کی وجہ سے اپنی استعداد کو خراب کر لیا ہے فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پس یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم کیا بُری کارگزاری انجام دے رہے ہیں۔ ان کے لیے مناسب تھا کہ سچے دل سے ایمان لاتے اور پھر جہاد میں شریک ہوتے۔

رفاہیت بالغہ

بہر حال اللہ تعالیٰ نے جہاد سے گریز کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صاحب حیثیت اور صاحب استطاعت لوگوں کے متعلق رفاہیت بالغہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آسودہ حال لوگوں کا اچھا کھانا، اچھا پہننا، اچھی رہائش اور اچھی سواری وغیرہ رفاہیت بالغہ میں داخل ہے، اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ انہی چیزوں کی وجہ سے لوگ آرام طلب ہو جاتے ہیں مال و دولت کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاد اور مشقت کے دیگر امور کی انجام دہی سے جی چراتے ہیں دین کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ یہ سب اولو الطول لوگ ہیں۔ اکثر سرمایہ دار اور ملوک اسی بیماری میں مبتلا ہیں اور مسلمانوں کے لیے بحیثیت قوم تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ اگرچہ بہت بدحالی بھی اچھی نہیں، مگر آرام طلبی اور عیش پرستی بھی قوم کے لیے سخت مضر ہے۔ انسان مشقت سے گریز کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس کے بغیر فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تخلیق ہی مشقت میں ہوئی ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ" ہم نے انسان کو مشقت میں ہی پیدا کیا ہے اور مرتے دم تک وہ مشقت میں ہی مبتلا رہے گا اور اسی مشقت کی وجہ سے

اُسے فلاح حاصل ہوگی۔ پھر مشقت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک مشقت محض مال کمانے کے لیے ہوتی ہے یا اولاد کی تربیت کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے مگر ایک مشقت ایسی ہے جو انسان اللہ کے دین کے لیے برداشت کرتا ہے۔ اللہ کے رسول نے اسی مشقت کو اختیار کیا ہے اور اپنے پیچھے اس کا نمونہ چھوڑا ہے۔ حضور علیہ السلام نفاست اور آرام طلبی کے سب سے زیادہ مستحق تھے مگر آپ نے اسے اختیار نہیں کیا بلکہ پوری زندگی مسلسل جہاد میں گزاری ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے مسند خلافت پر بیٹھ کر جو سب سے پہلا خطبہ دیا تھا وہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے فرمایا ما ترك القوم جهاداً في سبيل الله الا ذلوا یاد رکھو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیگی وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیگی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

مومنین کا شیوہ

اُدھر اہل ایمان کا شیوہ یہ ہے لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ سچے دل سے ایمان لائے جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں دونوں چیزیں کھپا دیتے ہیں غزوۂ تبوک میں مجاہدین کی تعداد تیس ہزار سے لیکر ستر ہزار تک مختلف روایتوں میں آتی ہے اگرچہ اس میں بعض منافقین بھی شریک تھے مگر اکثریت سچے مسلمانوں کی تھی۔ فرمایا وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ یہی لوگ ہیں جن کے لیے خوبیاں اور اچھائیاں ہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی لوگ ہیں جن کو فلاح نصیب ہوگی۔

فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے عالیشان باغات تیار

لے جمع الوسائل شرح الشمائل ص۲۲۲ ج۲ (فیاض)

کر رکھے ہیں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وہاں انہیں دائمی زندگی نصیب ہوگی کوئی کلفت اور مشقت نہیں اٹھانا پڑے گی انہیں جسمانی، روحانی، مادی اور ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حقیقی فلاح یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا ممبر بن جائے اور بہشت بریں میں پہنچ جائے۔ اِس دنیا کی فلاح اور عیش و آرام تو بالکل عارضی ہے۔ یہاں کی نعمتیں بھی ختم ہوجانے والی ہیں مگر آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں کی نعمتیں بھی نہ ختم ہونے والی ہیں اور یہ چیزیں مجاہدے، مشقت اور ایمان کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کا رسول اور سچے مومن اسی راستے پر گامزن ہیں جو دائمی فلاح کی طرف جا رہا ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ
وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ
عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪
تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى
الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ
يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ:- اور آئے بہانہ ساز دیہاتی تاکہ ان کو رخصت
دیے دی جائے اور بیٹھ گئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ
بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے۔ عنقریب پہنچے گا کفر

کرنے والوں کو دردناک عذاب (۹۰) نہیں ہے ضعیفوں پر اور
نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے وہ چیز کہ
خرچ کریں، کچھ گناہ جب کہ وہ خیرخواہی کریں اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسول کی۔ اور نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کچھ الزام
اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا، از حد مہربان ہے (۹۱)
اور نہیں ہے گناہ ان لوگوں پر جو آئے تھے آپ کے پاس
تاکہ آپ ان کو سواری دیں تو کہا آپ نے کہ میں نہیں پاتا
اس چیز کو کہ میں اس پر تم کو سوار کراؤں، تو پلٹے وہ لوگ اس
حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس غم میں
کہ نہیں پاتے وہ اس چیز کو جس کو وہ خرچ کریں (۹۲) بیشک
الزام ان لوگوں پر ہے جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے
حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے ہیں اس بات پر کہ ہو
جائیں وہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ نے
مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر پس وہ نہیں جانتے (۹۳)

دیہاتی منافقین کی حیلہ سازی

گذشتہ دروس میں غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے منافقوں کی مذمت بیان کی گئی تھی اور اس جہاد میں شامل ہونے والے مومنین کی تعریف کی گئی تھی۔ اب آج کی آیات میں دیہاتی منافقین کے کردار کے پیش نظر ان کی بھی مذمت بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ اور آئے معذور لوگ دیہاتیوں میں سے تاکہ انہیں رخصت مل جائے۔ مفسرین کرام اس آیت کی دو طرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کے پاس غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کا معقول عذر موجود تھا لہذا اللہ کے رسول نے انہیں رخصت دیدی۔ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ان دیہاتی

لوگوں کے متعلق ہے جو جھوٹے حیلے بہانے سے جہاد میں جانے سے گریز کرتے تھے اور حضور علیہ السلام سے رخصت کے طالب تھے۔
بہرحال فرمایا کہ بعض لوگوں نے اپنا عذر پیش کر کے جہاد میں نہ جانے کی اجازت چاہی وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ لوگ یونہی گھروں میں بلا اجازت بیٹھے رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان میں جھوٹے تھے، وہ اللہ اور اس کے رسول پر ٹھیک طریقے سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے وہ بلا عذر جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے بہانے بنانے والوں اور بلا عذر اور بلا اجازت بیٹھے رہنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے فرمایا سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ جن لوگوں نے کفر کیا انہیں عنقریب دردناک سزا ملیگی۔ جو لوگ سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ ویسے ہی کسی مفاد کی خاطر زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا، وہ حقیقت میں ایمان دار نہیں تھے، بلکہ کافر تھے۔ ان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہیں بہت جلد اس کفر کا بدلہ مل جائیگا۔ اس دنیا میں ان میں سے کچھ مارے جائیں گے اور کچھ ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور پھر آخرت کی سزا تو دائمی ہے، اس سے بھی بچ نہیں سکیں گے۔

حقیقی معذور لوگ

آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد سے حقیقی معذور لوگوں کا ذکر فرمایا ہے اور انہیں ایک شرط کے ساتھ رخصت عطا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ نہیں ہے حرج کمزوروں پر۔ کمزوروں سے مراد عورتیں، بچے، بہت بوڑھے مرد یا جسمانی طور پر معذور، لنگڑے، اندھے وغیرہ لوگ ہیں جو جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى اور نہ ہی بیماروں پر کچھ گناہ ہے۔ مرضٰی مریض کی جمع ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جسمانی طور پر اتنے بیمار ہوں کہ جہاد کی مشقت برداشت نہ کر

سکتے ہوں، بیمار آدمی بعض اوقات نماز اور دیگر عبادات بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے اور اس کے لیے انہیں مشروط رخصت ہوتی ہے تو گویا بیمار آدمی بھی ایک خاص شرط کے ساتھ جہاد سے مستثنیٰ ہیں فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ اور ان لوگوں پر بھی کچھ التزام نہیں جو خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس کچھ نہیں پاتے۔ یہ مالی طور پر نادار لوگ ہیں جن کے پاس سواری نہیں ہے یا زادِ راہ میسر نہیں اور وہ جہاد کے سفر پہ جانے سے قاصر ہیں، ایسے لوگوں کو بھی جہاد میں شمولیت سے استثنا، حاصل ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے آدمیوں کو جہاد سے رخصت عطا کی ہے یعنی ضعیف مریض اور نادار لوگ، مگر یہ استثنا ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ ہے إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں مطلب یہ کہ حقیقی معذور لوگ اگر دین اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مخلص ہوں ضروری ہے ورنہ جہاد میں عدم شرکت کی بنا پر وہ بھی مجرم ٹھہریں گے۔

اللہ اور رسول کے ساتھ خیر خواہی سے مراد یہ ہے رہنماؤں اور اسلام کے خلاف غلط پراپیگنڈا نہ کیا جائے اور نہ افواہیں پھیلائی جائیں بلکہ ایسی باتیں کی جائیں جن کے ذریعے دین کو تقویت حاصل ہوتی ہو اور مجاہدین اور عام مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ اگر معذور لوگ مسلمانوں سے خیر خواہی کی بجائے ضعف پہنچانے والی باتیں کریں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کوئی امیر لشکر کسی مخذل شخص کو اپنی فوج میں قبول نہیں کرتا جو ایسی باتیں کرنے کا عادی ہو جس سے مسلمانوں میں ضعف پیدا ہوتا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی مجاہدین کی صف میں شامل نہیں کیا جائیگا جو غلط خبریں اور افواہیں پھیلانے والا ہو جس سے مجاہدین اور دیگر اہلِ اسلام میں بددلی پیدا ہوتی ہو۔ اس قسم کے غلط کار لوگ جہاد

سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے خواہ وہ معذوروں کے مذکورہ تین گروہوں سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری طرح دین کی سربلندی کے خواہشمند ہوں۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہیں کرتے تو انہیں جہاد سے استثناء حاصل نہیں ہوگا۔ محققین فرماتے ہیں کہ جو لوگ جسمانی طور پر معذور ہوں اُن کا جماعت المسلمین، مجاہدین اور دینِ اسلام کے حق میں خیر خواہی کی بات کہہ دینا ہی جہاد میں شمولیت کے برابر ہوگا اور یہ اُن کا زبانی جہاد تصور ہوگا۔

نیکوکار لوگ

فرمایا مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ نیکی کرنے والوں پر کچھ الزام نہیں ہے۔ جو لوگ اگرچہ جسمانی طور پر معذور ہیں مگر خیر خواہی کی بات کرتے ہیں اور دین کی تقویت کا باعث بنتے ہیں تو یہ نیکوکار لوگ ہیں اور ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق صحیح کام کر رہے ہیں۔

اس حصہ آیت سے امام ابوبکر حصاص نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے دوسرے شخص سے کپڑا مستعار لیتا ہے اور وہ کپڑا ضائع ہو جاتا ہے تو ایسے نمازی پر کوئی الزام نہیں آئے گا کیونکہ یہ نیکی کرنے والا ہے۔ اُس نے ایک نیک کام کی ادائیگی کے لیے کپڑا یا کوئی چیز حاصل کی مگر وہ ضائع ہوگئی تو اس آیت کی رُو سے نمازی پر ضمانت نہیں آئے گی۔ اس قسم کے واقعہ کے لیے شریعت میں ہلاک اور استہلاک کی دو اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص عاریۃً کوئی چیز لے کر اُس کی مناسب حفاظت نہیں کرتا اور وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے تو ایسا شخص قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔ اور اگر مقدور بھر حفاظتی اقدامات کے باوجود ایسی چیز ضائع ہو جائے تو لینے والا معذور سمجھا جائے گا اور اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص سواری کا جانور کسی دوسرے شخص سے مانگ

کر حج کے لیے جاتا ہے۔ اس کا مقصد نیکی ہے اور وہ جانور کی حسب استطاعت حفاظت بھی کرتا ہے۔ اب اگر وہ سواری ضائع ہو جاتی ہے تو حاجی پر اس کا تاوان نہیں ڈالا جائے گا۔ فرمایا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالے بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اگر انسان کی نیت اور ارادہ درست ہے، پھر اس سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیگا۔

سواری کے طلبگار

آگے جہاد ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس میں بعض مخلص مسلمان سواری نہ ملنے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ چونکہ وہ خلوصِ دل سے جہاد میں شرکت کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہیں محروم رہنے کی وجہ سے بہت صدمہ ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ان لوگوں پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے جو آپ کے پاس اس لیے آئے کہ ان کو سوار کرا دیا جائے یعنی اُن کے لیے سواری کا بندوبست کر دیا جائے تاکہ وہ جہاد میں شریک ہو سکیں۔ مگر قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ آپ نے کہ دیا کہ میں نہیں پاتا کوئی چیز جس پر تمہیں سوار کر سکوں یعنی اس وقت سواری کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اِن لوگوں کو جہاد سے رہ جانے کا سخت افسوس ہوا۔ سواری سے محروم وہ کون لوگ تھے، مختلف روایات آتی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی مقرن کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام بیضاوی اور دوسرے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سات آدمی تھے جو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواریاں فراہم کرنے کی درخواست پیش کی۔ ان کے نام یہ ہیں ۱۔ معقل ابن یسار ۲۔ صخر ابن خنساد ۳۔ عبداللہ ابن کعب ۴۔ سالم ابن عمیر ۵۔ ثعلبہ ابن عنمہ ۶۔ عبداللہ ابن معقل ۷۔ علی رضی اللہ عنہم بعض روایات میں کچھ مختلف نام بھی آتے ہیں، تاہم یہ سات آدمی تھے

جو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے ۔ تَوَلَّوْا
اور جب مایوس ہو کر وہ واپس لوٹے تو فرطِ غم سے اُن کی حالت یہ تھی ۔
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا ان کی آنکھوں سے آنسو
بہ رہے تھے اور وہ اس وجہ سے غمگین تھے اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ
کہ وہ نہیں پاتے وہ چیز کہ جس کو خرچ کر سکیں یعنی ان کے پاس مال بھی نہیں
تھا جو خرچ کر کے سواری کا انتظام کر سکتے یا زادِ راہ لے لیتے لہٰذا وہ سخت
غمگین ہوئے ۔ اُن نیک بخت لوگوں کے آنسو اللہ کے ہاں اس قدر قیمتی
ثابت ہوئے کہ اللہ نے اُن کا ذکر قرآن پاک کی آیت کے طور پر کر دیا اور
یہ آیت ابد الآباد تک تلاوت ہوتی رہیگی ۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ
بعد میں اُن کے لیے سواری کا انتظام ہو گیا تھا مگر ابتدا میں اُن کے دل پہ
جو صدمہ گزرا اللہ تعالیٰ کو وہ بڑا ہی پسند آیا ۔ فرمایا ایسے لوگ بھی اگر جہاد سے
رہ جائیں تو وہ بھی معذور سمجھے جائیں گے اور ان پر بھی کوئی گناہ نہیں ہو گا ۔

قابلِ مواخذہ اغنیاء

آگے اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبِ استطاعت لوگوں کا ذکر کیا ہے
جو بلا عذر جہاد میں شرکت سے گریز کرتے ہیں ۔ فرمایا اِنَّمَا السَّبِيْلُ
عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ الزام اُن لوگوں
پر ہے یعنی قابلِ مواخذہ وہ آدمی ہیں جو آپ سے رخصت طلب کرتے
ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں مگر خرچ کرنا نہیں چاہتے ۔ گذشتہ آیت میں اولو الطول
کا ذکر تھا اب اغنیاء کی بات کی گئی ہے ۔ مطلب ایک ہی ہے کہ
گنہگار وہ لوگ ہیں جو مالدار ہونے کے باوجود جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے
رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ اس بات پر خوش ہیں کہ
گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں اور انہیں جہاد کی مشقت
برداشت نہ کرنی پڑے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے ۔ یہ منافق ہیں اور ابدی سعادت

سے محروم لوگ ہیں فرمایا فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ان کو سمجھ ہی نہیں ہے یہ نہیں جانتے کہ جہاد میں شریک نہ ہو کر کس قدر نقصان کا سودا کر رہے ہیں، جہاد سے گریز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیں گے اور پھر انہیں شکست ہوگی اور ان پہ زوال آئیگا۔

غرضیکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کو ایک شرط کے ساتھ جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں، یہ لوگ بھی خیر خواہی کی بات کر کے جہاد میں شریک ہی سمجھے جاتے ہیں۔ جسمانی طور پر معذور ہونے کی بناء پہ اُن کا زبانی جہاد بھی قبول ہے اور اس لحاظ سے کوئی بھی مسلمان جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں جہاد میں شریک ہوتا ہے اور جو اس سے گریز کرتا ہے وہ منافقین کی صف میں شامل ہو جاتا ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک برآمد ہوں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مزید مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے۔ درمیان میں بعض دیگر ضروری باتیں بھی آئیں گی۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا
تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ
اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ
تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ
اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا
عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ :- (اے ایمان والو!) یہ (منافق لوگ) بہانے کریں گے تمہارے سامنے جب تم واپس آؤ گے ان کی طرف (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیں مت بہانے بناؤ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ بیشک اللہ نے ہمیں بتلا دی ہیں تمہاری خبریں۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا تمہارے عمل کو اور اس کا رسول۔ پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف۔ پھر وہ ظاہر کر دیگا تمہارے سامنے وہ باتیں جو تم کیا کرتے

تھے (۹۴) یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ کے نام کی تمہارے
سامنے جب تم پلٹ کر آؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم اِن سے
درگزر کرو۔ پس درگزر کرو ان سے، بیشک یہ ناپاک لوگ ہیں اور
ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بدلہ ہوگا اس کا جو یہ کماتے تھے (۹۵)
قسمیں اٹھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم راضی ہو جاؤ ان سے
پس اگر تم راضی ہو جاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راضی ہوتا ان
لوگوں سے جو نافرمان ہیں (۹۶)

بعد از جہاد حیلہ سازی

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس وجہ مذمت بیان فرمائی کہ نہ تو وہ خوشی خاطر سے جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور نہ مال خرچ کرتے ہیں، انہوں نے غزوہ تبوک پر جانے سے پہلے کچھ حیلے بہانے بنائے حالانکہ وہ یہ سفر اختیار کرنے کے لیے جسمانی اور مالی لحاظ سے مضبوط تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کے اُن حیلوں بہانوں کا تذکرہ کیا ہے جو وہ غزوہ سے واپسی پر مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کرنے والے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ یہ لوگ حیلے بنائیں گے اور عذر پیش کریں گے تمہارے سامنے جب تم لوٹ کر اِن کے پاس آؤ گے۔ اس آیت کا مصداق ۹ھ میں پیش آنے والا غزوہ تبوک ہی ہے۔ گرمی کا موسم اور قحط کا زمانہ تھا جب کم از کم تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر اسلام حضور نبی کریم علیہ السلام کی قیادت میں روانہ ہوا۔ دشمن سے مقابلہ کے لیے ایک ہزار میل کا سفر طے کیا اور راستے میں بڑی تکالیف برداشت کیں۔ بعض منافقوں نے تو روانہ ہوتے وقت ہی حیلے بہانے کر کے نبی علیہ السلام سے رخصت حاصل کر لی تھی اور بعض ایسے بھی تھے جو خود بخود ہی گھروں میں بیٹھے رہے اور حضور علیہ السلام کی طرف سے قبل از وقت اعلان کے باوجود جہاد کے سفر پر روانہ نہ ہوئے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اہلِ ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ جب تم اس مہم سے واپس آؤ گے تو یہ لوگ طرح طرح کے عذر پیش

کریں گے۔ اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

فرمایا جہاد سے واپسی پر جب یہ موقع آئے تو اے پیغمبر! قُل لَّا تَعۡتَذِرُوا آپ ان سے کہہ دیں کہ حیلے بہانے مت کرو، لَن نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ ایمان کا لغوی معنی تصدیق کرنا ہوتا ہے مطلب یہ کہ ہم تمہاری بات کو سچا نہیں سمجھیں گے کیونکہ قَدۡ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنۡ أَخۡبَارِكُمۡ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ اللہ نے وحی کے ذریعے تمہارے جھوٹ کا پول کھول دیا ہے۔ تم نے اپنے ذہنوں میں جو کچھ حیلہ سازی کی ہے، اللہ نے ہمیں ہر چیز سے باخبر کر دیا ہے وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُولُهُۥ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھے گا تمہارے تمام اعمال کو اور اس کا رسول بھی۔ اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو ازل سے دیکھ رہا ہے اور ہر شے ابد تک اس کی نگاہ میں رہے گی تو عنقریب دیکھنے کا کیا مطلب ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں جہاں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں ان سے ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری کرتوتوں کو ظاہر کر دیگا۔ چنانچہ امام ابن کثیرؒ اس حصہ آیت کا ترجمہ کرتے ہیں۔ يُظۡهِرُ أَعۡمَالَكُمۡ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال لوگوں کے سامنے کھول دیگا اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ منافقین جھوٹی حیلہ سازی کر رہے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ ظاہر کر دے گا تو پھر اللہ کا رسول بھی جان لے گا۔

اللہ کے حضور پیشی

فرمایا اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ تمہارا پردہ فاش کر دے گا اور اس کے بعد اگلی منزل آئیگی ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ پھر تم لوٹائے جاؤ گے اُس ذات کی طرف جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ مرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا جو ہر ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ سورۃ سبا میں آتا ہے "لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ" اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں، ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں تو پھر اس کے غائب جاننے کا کیا مطلب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر غیب اور شہادۃ کا اطلاق اضافی طور پر ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مخلوق کے اعتبار سے حاضر یا غیب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ مخلوق میں فرشتے جنات، انبیاء اور عام انسان بھی شامل ہیں۔ بعض چیزیں فرشتوں کی نگاہ میں ہیں یا جنوں کے سامنے ہیں مگر انسانوں سے مخفی ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسانوں کے لیے بھی سامنے ہیں۔ تو گویا پوری مخلوق کے اعتبار سے جو چیزیں حاضر ہیں یا غائب ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

فرمایا تمہیں ہر ظاہر و باطن کو جاننے والے خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پھر وہ تمہیں بتلا دیگا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے تمام اچھے اور برے اعمال، تمہاری سازشیں اور نفاق تمہارے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا اور وہاں تم اپنی قبیح حرکتوں کا انکار نہیں کر سکو گے۔ تو بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات پہلے ہی سمجھا دی کہ تبوک سے واپسی پر منافق لوگ حیلے بہانے کریں گے اور اپنی مجبوری کا اظہار کریں گے مگر اے پیغمبر! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو یہاں بھی ظاہر کر دیگا اور پھر قیامت کے دن تمہارا پورا ریکارڈ لاکر تمہارے سامنے کر دیا جائے گا۔

درگزر کرنے کی خواہش

منافق لوگوں کے متعلق مزید فرمایا سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ جب تم غزوہ تبوک سے ان کی طرف واپس

پلٹو گے تو یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اٹھائیں گے اور تمہیں اپنی مجبوری کا یقین دلانے کی کوشش کریں گے ۔ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ جیسی باعزت ذات کے نام کی قسم اٹھائیگا تو اس کی بات پر یقین لانا پڑے گا ۔ منافقین کا یہی مقصد ہے کہ ان کے جھوٹے عذر کو تسلیم کر لیا جائے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے انہیں مطعون نہ کیا جائے ۔ اللہ نے فرمایا کہ قسمیں تو ان کی جھوٹی ہیں مگر پھر بھی فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ آپ ان لوگوں سے درگزر ہی کریں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کچھ تعرض نہ کرو کیونکہ اِنَّهُمْ رِجْسٌ یہ ناپاک اور گندے لوگ ہیں، ان سے اعراض ہی بہتر ہے ۔

لفظ رجس ظاہری اور معنوی ہر دو گندگیوں پر بولا جاتا ہے ۔ جیسے سورۃ حج میں ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" آپ بتوں کی نجاست سے پرہیز کریں ۔ یہ معنوی گندگی ہے ۔ اسی طرح پیچھے گزر چکا ہے ۔ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" یعنی مشرک لوگ ناپاک ہیں ۔ یہاں بھی ظاہری نجاست مراد نہیں بلکہ شرکیہ عقیدے کی غلاظت مراد ہے ۔ رجس کی ظاہر گندگی کی مثال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت ہے حضور علیہ السلام نے استنجا پاک کرنے کے لیے تین ڈھیلے طلب فرمائے ابن مسعودؓ کو تین ڈھیلے تو نہ مل سکے ، البتہ وہ دو پتھر اور ایک خشک گوبر کا ڈھیلا لے آئے جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے تو آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ رجس یعنی ناپاک ہے اور ناپاک چیز سے استنجا پاک نہیں کیا جا سکتا ۔ بہرحال منافقوں میں کفر، شرک اور نفاق کی گندگی پائی جاتی ہے ، ان کی روح ، دل اور دماغ ناپاک ہیں، لہٰذا اللہ نے ان کو ناپاک فرمایا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ظاہری اور باطنی نجاست سے دور رہنے کی تلقین ابتدائی وحی کے ذریعے ہی کر دی

تھی وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر) آپ نجاست سے بچتے رہیں۔

باطنی نجاست کا نقصان

بعض نجاستیں ایسی ہیں جو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی ہو سکتی ہیں۔ شلاً کسی کے بدن یا کپڑے پر بول و براز کی نجاست پڑ گئی ہے۔ تو وہ ظاہری گندگی ہے۔ اس کے برخلاف اگر جسم اور لباس تو صاف ستھرا ہے خوشبو بھی لگائی ہوئی ہے مگر وہ کپڑا حرام کی کمائی سے خریدا گیا ہے۔ اس میں سود، رشوت یا دھوکہ دہی کا پیسہ لگا ہوا ہے تو وہ لباس ناپاک ہی رہیگا خواہ اسے کتنا بھی دھویا جائے۔ اسی طرح اگر انسان کی خوراک حرام کی کمائی سے مہیا کی گئی ہے تو وہ جسم کتنا بھی صاف ستھرا ہو، معنوی طور پر نجس ہی ہوگا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان طہارت اختیار کرے اپنے رب کے سامنے اخبات یعنی عاجزی کا اظہار کرے سماحت کو اپنائے یعنی خسیس چیزوں سے بچتا رہے اور عدالت یعنی عدل و انصاف قائم کرے تو اس کا مزاج بالکل درست رہے گا۔ اور اگر طہارت کی بجائے نجاست اخبات کی بجائے تکبر سماحت کی بجائے بری باتوں کو اختیار کرے۔ اور عدالت کی بجائے ظلم و جور کو اپنائے تو ظاہر ہے کہ انسان کا مزاج فاسد ہو جائیگا اور معنوی طور پر وہ نجاست میں متلبس ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ گائے بھینس کی خوراک گھاس ہے جبتک کہ وہ گھاس چرتی رہیں گی ان کا مزاج درست رہے گا، اور اگر (بالفرض) یہ گوشت کھانے لگ جائیں تو ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح درندوں کی خوراک گوشت ہے اگر وہ گھاس کھانے لگیں تو ان کا مزاج درست نہیں رہے گا، انسان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جب تک وہ حلال اور طیب اشیاء استعمال کرتا رہیگا۔ اس کا مزاج درست رہیگا اور اسے باطنی طہارت حاصل رہے گی اور اگر اس کی خوراک مالِ حرام بن جائے تو مزاج فاسد ہو جائے گا۔ اور ایسا شخص معنوی نجاست میں ملوث ہو جائے گا۔

نفاق بھی ایک نجاست ہے، کفر، شرک اور بت پرستی کی طرح یہ بھی ایک گندگی ہے جب کہ اسلام نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نجاستوں سے پاک رہنے کا حکم دیا ہے۔ یاد رہے کہ عقیدے اور اخلاق کی نجاست ظاہری نجاست سے زیادہ قبیح ہے، اسی لیے ہر قسم کی گندگی سے پاک رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غرضیکہ منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ گندے لوگ ہیں، ان کا عقیدہ اور فکر پلید ہے، آپ ان کو چھوڑ دیں وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان کی روحانی بیماری کا علاج وہیں ہوگا۔ اور یہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی بلکہ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یہ بدلہ ہوگا اس کا جو یہ کماتے رہے۔ ان کی کذب بیانی، باطل عقیدہ، فاسد فکر، سازشی ذہن اور حقیقت سے انکار انہیں جہنم میں لے جانے کا باعث ہوں گے، اس وقت آپ ان سے درگزر ہی کریں۔

خوشنودی کی تلاش

منافقین کے متعلق مزید فرمایا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ یہ تمہارے سامنے قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہو جاؤ۔ قسمیں اٹھا کر اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کریں گے کہ فلاں وجہ سے وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے، ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان انہیں برا نہ سمجھیں۔ اللہ نے فرمایا فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ اے اہل ایمان! اگر تم منافقین کی خواہش کے مطابق ان سے راضی بھی ہو جاؤ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ مگر اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ضمناً یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ محض انسانوں کو خوش کر لینا کچھ مفید نہیں، اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ اصل خوشنودی تو اللہ تعالیٰ کی مطلوب ہونی چاہیئے۔ اگر اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو تو ساری مخلوق کی خوشنودی بھی کسی کام نہ آئیگی، فرمایا، یہ گندے اور نافرمان لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے شدید الفاظ میں منافقین

کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اس سے جماعت المسلمین کی طہارت بھی مقصود ہے اور ان کو تنبیہ بھی مطلوب ہے کہ کفر، شرک، نفاق اور عقیدے کا فساد انسان کو تباہی کی طرف لے جائے گا اور بالآخر جہنم میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ لہذا اہل ایمان کو نجس لوگوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور توحید کی بات پر راضی ہوتا ہے، وہ اطاعت کرنے پر خوش ہوتا ہے اس کے برخلاف نفاق اور بد اخلاقی سے خوش نہیں ہوتا بلکہ ناراض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو نیکی کی توفیق بھی عطا کرتا ہے مگر وہ اس عطا کردہ استعداد کو ضائع کر دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ راضی نہیں ہوتا، لہذا اپنی استعداد کو درست طور پر استعمال کرنا چاہیئے اور منافقوں نافرمانوں، جھوٹے اور ناپاک لوگوں سے درگزر ہی کرنا چاہیئے۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا
حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ
حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ
مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ
دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ
الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ
يَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ
اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع

ترجمہ :- دیہات کے رہنے والے گنوار بہت زیادہ شدید ہیں کفر اور نفاق میں اور زیادہ لائق ہیں وہ کہ نہ جانیں وہ حدود جو اللہ نے نازل کیے ہیں اپنے رسول پر ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۹۷﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو بناتے ہیں اُس چیز کو جو خرچ کرتے ہیں تاوان ، اور انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق گردشوں کا ، انہی کے اُوپر ہے گردش بُری ۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۹۸﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور بناتے ہیں
اُس چیز کو جس کو وہ خرچ کرتے ہیں اللہ کے نزدیک قربت
کا ذریعہ اور رسول اللہ کی دُعا لینے کا ذریعہ سُنو! بیشک وہ قربت
ہے ان کے لیے ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو داخل کریگا اپنی
رحمت میں ، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان
ہے (۹۹)

ربط آیات

جہاد سے پیچھے رہنے والے منافقین ، اُن کے کوائف اور اُن کے انجام کا بیان ہوا ہے ۔ غزوۂ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد منافقین نے جو حیلے بہانے بنائے اور اہل ایمان کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کی ، اللہ نے اس کا ذکر کیا کہ دیکھیں یہ لوگ آپ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ ۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ اُن سے راضی نہیں ہو گا ۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں جس طرح شہروں میں منافق لوگ رہتے تھے اسی طرح وہ دیہات میں بھی آباد تھے ۔ مدینہ شہر کے منافقوں کا ذکر مختلف انداز سے ہو چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے ۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے بعض دیہاتی منافقین کے قبیح کارنامے بیان کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے ۔ البتہ سارے لوگ ایک سے نہیں ہوتے دیہات میں جہاں نفاق و کفر میں شدید تر لوگ رہتے تھے وہاں اچھے اور مخلص مسلمان بھی تھے اللہ نے اُن کی تعریف کی ہے اور اُن کا انجام بھی بیان فرمایا ہے ۔

اعراب کے معانی

ابتداء میں دیہاتی منافقین کا ذکر ہوتا ہے اَلْاَعْرَابُ ۔ یہ لفظ دیہات میں رہنے والے گنوار یا اُجڈ قسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے ۔ اعراب اسم جمع ہے اور اس کا مفرد عَرَبِیٌّ آتا ہے ۔ یہ لفظ عرب میں رہنے والے یعرب ابن قحطان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے افراد پر استعمال ہوتا ہے ۔ یہ لوگ العرب بھی کہلاتے ہیں ۔ تو عربی تعریف کا لفظ ہے

یعنی ملکِ عرب کا رہنے والا، عربی زبان بولنے والا شائستہ اور مہذب آدمی۔ اس کے علاوہ اعرابی میں الف داخل ہونے سے تحقیر کا پہلو بھی نکلتا ہے اور اس سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جو دیہات یا بادیہ کا رہنے والا ہو اور شہری ماحول اور تہذیب و تمدن سے دور ہو اس کی جمع اعراب اور اعاریب بھی آتی ہے اور عربی کی جمع بھی اعراب آتی ہے، تاہم یہاں پر یہ لفظ اعرابی کی جمع کے طور پر آیا ہے جس کا معنیٰ دیہاتی، گنوار یا اجڈ آدمی ہوتا ہے۔

شہری اور دیہاتی میں امتیاز

ارشاد ہوتا ہے اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا دیہاتی یا گنوار زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں شہریوں کی نسبت، وجہ یہ ہے کہ شہری لوگوں کو نسبتاً اچھا ماحول میسر آجاتا ہے، اِن کو اچھی مجلس اور اس کے نتیجے میں تہذیب و شائستگی حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے دیہات میں اچھی سوسائٹی اور علم و عرفان کی مجالس نصیب نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ پس ماندہ اور تہذیب و تمدن سے عاری رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس ماحول میں جتنی جہالت زیادہ ہوگی اتنا ہی وہاں کے لوگوں میں گنوار پن ہوگا، اسی لیے حضور علیہ السلام نے دیہات کی زندگی کو پسند نہیں فرمایا۔ ابو داؤد اور ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کی حدیث ہے مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا یعنی دیہات میں رہنے والا آدمی اجڈ اور غیر مہذب ہوگا۔ نیز فرمایا مَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ لَهَى جو شخص شکار کا پیچھا کرے گا وہ غفلت میں پڑ جائیگا۔ شکار کے تعاقب میں اکثر لوگ فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ جو بادشاہ کے پاس جائے گا وہ فتنے میں ڈالا جائے گا۔ جو بادشاہ کے دروازے پر جائے گا، وہ ضرور بادشاہ کے کہنے پر غلط فتویٰ دیگا اور آخر کار کہیں نہ کہیں پھنس کر رہیگا۔

بہرحال حضور علیہ السلام کے اِن تین فرامین میں سے ایک یہ ہے کہ جو دیہات میں سکونت اختیار کریگا۔ وہ قدرتی طور پر سخت مزاج، اکھڑ اور اجڈ ہوگا

کیونکہ وہ تہذیب و تمدن کی زندگی سے دور ہوگا۔ شہر والوں کو تو پھر بھی کبھی نہ کبھی اچھی مجلس، وعظ و نصیحت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے مگر دیہاتی عام طور پر محروم رہتے ہیں لہذا وہ زیادہ سنگدل ہوتے ہیں، تجربے سے بھی ثابت ہے کہ دیہاتی لوگ عموماً چودھراہٹ کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، آپس میں لڑائی جھگڑا، مخالفت، ضد، عناد ان کا معمول ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ یہ کفر و نفاق میں بھی بہت سخت ہیں۔

حدود اللہ کی پاسداری

اللہ تعالیٰ نے دیہاتی منافقین کے متعلق مزید فرمایا ہے وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ اور یہ زیادہ لائق ہیں اس بات کے کہ نہ جانیں وہ حدود جنہیں اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم کی مجالس سے دور رہنے والے لوگ جاہل ہی ہوں گے لہذا انہیں حدود اللہ کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ وہ تو نہیں جان سکتے کہ اللہ نے اپنے نبی پر کون سے احکام نازل فرمائے ہیں۔ چونکہ انہیں یہ چیز حاصل نہیں اس لیے بہتر ہے کہ وہ ان کو نہ ہی جانیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے خدا تعالیٰ کا علم تمام انسانی طبقات پر محیط ہے، وہ ہر ایک کی استعداد کو جانتا ہے شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ اعراب کی طبیعت میں نافرمانی، خود غرضی اور جہالت شدید تر ہوتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی یہ ہوتی ہے کہ وہ ان سے مشکل کام نہیں لیتا اور درجے بھی بلند نہیں کرتا ایسے لوگوں سے واجبی سی باتیں ہی مطلوب ہوتی ہیں۔ ان میں زیادہ گہری باتیں جاننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لہذا فرمایا کہ ان کے لیے حدود اللہ سے لاعلمی ہی زیادہ بہتر ہے۔

اچھی سوسائٹی کی برکات

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی سوسائٹی خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جو شہری لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اچھے لوگوں کی مجلس سے انسان کی

اخلاقی تربیت ہوتی ہے، اس کے علم، تقویٰ اور سمجھ میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان مہذب بنتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ دور میں اچھی سوسائٹی کا حصول بہت مشکل ہوگیا۔ یہ اچھی سوسائٹی کا اثر ہوتا ہے کہ سنگدل انسان بھی تہذیب یافتہ بن جاتے ہیں، اُن کے علم و عرفان میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ مارماڈیوک پکتھال انگریز تھا، وہ جاسوسی کے لیے جرمنی سے آیا، وہاں اُسے اچھی سوسائٹی حاصل ہوگئی، اُس وقت کے شیخ الاسلام کی مجلس میں سات سال تک بیٹھنے کا موقع ملا تو کایا پلٹ گئی اور مسلمان ہوگیا۔ اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں نہایت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ گویا سوسائٹی کے اثر سے عقائد بدل جاتے ہیں، بُرائی دور ہوکر نیکی شامل حال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دُعا بھی ملتی ہے وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیۡنَ اے مولا کریم! اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔ امام ابُوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہوں۔ اگرچہ میں خود نیک نہیں ہوں مگر خدا تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بھی نیکی نصیب کر دے۔ نیک لوگوں سے محبت رکھنا اچھی سوسائٹی کی علامت ہے۔ اگر یہ چیز نہیں ہوگی تو معاشرے میں انتشار پیدا ہوگا، بداخلاقی، بدتہذیبی، عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہوگا۔ جس معاشرے میں یہ چیزیں پائی جائیں گی اُس معاشرے کے لوگ کفر اور نفاق میں شدید تر ہوں گے۔

گردش ایام کی خواہش

فرمایا وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا اور بعض دیہاتی گنوار ایسے ہیں کہ جو چیز خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں۔ جہاد یا کسی دوسرے نیکی کے کام میں مال خرچ کرنا پڑے تو انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے اور وہ اسے ڈنڈ یا چٹی سمجھتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت

ہیں آتا ہے کہ آخری دور میں ایسا زمانہ بھی آئے گا جب لوگ زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے لگیں گے اور اس کی ادائیگی سے گریز کریں گے۔ حالانکہ یہ فرض ہے اور فرض کی ادائیگی سے خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق بخشی ہے پھر فرمایا بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں وَیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ جو مسلمانوں کے بارے میں گردشوں کا انتظار کرتے ہیں وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب مسلمانوں پر زوال آتا ہے اور یہ نیست و نابود ہوتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ بری گردش انہی پر پڑیگی اور مسلمان انشاء اللہ مامون ہی رہیں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِیْہِ فَقَدْ وَقَعَ بِہٖ جو اپنے کسی بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ مَنْ ضَحِکَ ضُحِکَ جو کسی کی ہنسی اڑاتا ہے، اس کی بھی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ادلے کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مسلمانوں کے متعلق منافق لوگ بری امیدیں لگائے بیٹھے ہیں مگر فی الواقع زوال انہی کو آئے گا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ عزت، ذلت، کامیابی اور ناکامی سب خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ سچے ایمان والوں کی عزت افزائی کریگا اور منافقوں کو ذلیل و خوار کر دیگا۔

قربِ الٰہی

جس طرح ہر فرقے اور جماعت میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے اسی طرح دیہات کے سارے لوگ بھی گنوار ہی نہیں ہوتے بلکہ وہاں پر بعض لوگ تہذیب یافتہ، عقلمند اور مخلص مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے "لَیْسُوْا سَوَآءً" یعنی سب کے سب برابر نہیں ہوتے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے وَمِنَ الْاَعْرَابِ اور دیہاتیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ جو اللہ اور قیامت کے دن پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ وَیَتَّخِذُ مَا

یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ اور جس چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اُسے قربتِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے عاید کردہ فرائض کو ادا کرنے والے کو زیادہ سے زیادہ قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اخلاص کے ساتھ نفلی عبادت بجالاتے ہیں، میری محبت اس طرح اُن کے شاملِ حال ہو جاتی ہے کہ اُن کے اعضاء جوارح بھی میری مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یعنی اُن کے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان وغیرہ میری رضا کے خلاف نہیں چلتے۔

نبی کی دعائیں

فرمایا کہ اہلِ ایمان لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو ایک تو تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اپنے اس عمل کو اللہ کے رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص زکوٰۃ یا صدقات کا مال حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا آپ اس کیلئے دُعا کرتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ابی اوفیٰ زکوٰۃ لے کر حضور کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰٓی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی اے اللہ! ابی اوفیٰ کے خاندان پر رحمتِ کاملہ نازل فرما۔ تو فرمایا بعض دیہاتی مخلص اور سچے مسلمان ہیں، وہ اللہ کی وحدانیت اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جو مال خرچ کرتے ہیں اُسے تقربِ الٰہی اور نبی کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

فرمایا، اَلَآ اِنَّھَا قُرْبَۃٌ لَّھُمْ بیشک یہ چیز اُن کے لیے تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہے کیونکہ جو شخص عقیدے کی درستگی اور سچے دل کے ساتھ ایمان لاتا ہے، اُسے اللہ کا قرب حاصل ہو گا اور اللہ کا رسول بھی اُس کے لیے دُعائیں کرے گا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اِن پر اپنی خاص رحمت

فرمائے گا اور نیکی کرنے والے لوگوں سے اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطی سرزد بھی ہو جائے گی تو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی غلطیوں کو ویسے ہی درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا قرب نصیب کرے گا بہر حال دیہاتی منافقوں کی اللہ نے مذمت بیان فرمائی اور خوش نصیب مخلص مومنوں کی تعریف بھی کی ہے۔

درس سی وچہار ۳۴ آیت ۱۰۰ تا ۱۰۱

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ
مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

وقف منزل

ترجمہ :- اور سبقت کرنے والے سب سے پہلے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا نیکی کے ساتھ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور تیار کیے ہیں اللہ نے ان کے لیے باغات ، جاری ہیں جن کے سامنے نہریں ، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں ، یہ ہے کامیابی بڑی ﴿۱۰۰﴾ اور بعض تمہارے اردگرد دیہاتوں کے رہنے والے لوگ منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ میں سے جو اڑے ہوئے ہیں نفاق پر۔ آپ ان کو نہیں جانتے ، ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم ان کو سزا دیں گے دوبار۔ پھر لوٹائے جائیں گے وہ بڑے عذاب کی طرف ﴿۱۰۱﴾

ربطِ آیات

غزوہ تبوک کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ گذشتہ درس میں شہری منافقوں کے ساتھ ساتھ دیہاتی منافقوں کی بھی مذمت بیان ہوئی اور فرمایا کہ دیہات میں بعض مخلص مومن بھی رہتے ہیں جن کی اللہ نے تعریف بیان کی اور ان کے انعامات کا ذکر کیا۔ اب آج کی پہلی آیت اپنا الگ مضمون رکھتی ہے اور اس کے بعد پھر منافقین کی مذمت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیکی میں سبقت کرنے والے مخلص مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا ہے اور باقیوں کے لیے انہیں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ حاصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں دین کی اقامت کے لیے اس جماعت کو مرکزیت حاصل ہے۔ باقی لوگ ان کے پیروکار ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے انعامات کا وعدہ کیا ہے۔

اس آیت کے بعد دس مزید آیات چھوڑ کر ایک اور آیت ہے جس کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں آئتیں آپس میں مربوط ہیں اس آیت میں بھی مخلص مومنوں کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس آیت میں بھی اس قسم کا مضمون ہے ان آیات میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جہاد کے لیے دو قسم کی جماعتیں کارگر ہو سکتی ہیں۔ پہلی جماعت وہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ اور اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور دوسری جماعت وہ ہے جس کے اوصاف اگلی آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ دونوں قسم کی جماعتیں مل کر جہاد کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ ان دونوں آیات کے درمیان منافقین ہی کا تذکرہ کر کے مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ منافقین وہ لوگ ہیں جو نہ تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ نہ اللہ کے رسول کی اور نہ ہی مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی۔

ایسے منافقین اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں لہذا ان سے خبردار رہنا چاہیئے اور ان کے جھانسے میں نہیں آنا چاہیئے۔

اولین سابقین (۱) مہاجرین

یہاں اس آیت میں مرکزی جماعت المسلمین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ سب سے پہلے سبقت کرنے والے جو مہاجرین میں سے ہیں، اور مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کی۔ یہ حضور علیہ السلام کی قوم کے لوگ قریش تھے اور بعض دوسری اقوام میں سے بھی تھے۔ کچھ آزاد لوگ تھے اور کچھ غلام۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، یہ اولین مہاجرین شمار ہوتے ہیں۔ مکی زندگی میں نبوت کے تیرہ سال حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے بہت تکالیف اٹھائیں مسلمانوں کے لیے یہ پریشان کن زمانہ تھا۔ چونکہ مشرکین کے ظلم و ستم کی وجہ سے مسلمانوں کا وہاں رہنا دشوار ہو گیا تھا، اس لیے آپ نے ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی منصف مزاج تھا اور امید تھی کہ وہاں اہل ایمان کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئیگی۔ چنانچہ پہلے ایک جماعت حبشہ پہنچی اور پھر دوسری جماعت بھی گئی۔ باقی ماندہ لوگ مکہ ہی میں قریش کی تکالیف برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم آ گیا۔ مدینہ طیبہ کو اللہ نے مرکزِ اسلام قرار دیا اور حضور علیہ السلام اور بہت سے صحابہؓ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اہل ایمان میں سے یہ اولین مہاجرین ہیں اور یہی مرکزی جماعت ہے۔

(۲) انصار

مرکزی جماعت میں مہاجرین کے علاوہ وَالْاَنْصَارِ انصار مدینہ بھی شامل ہیں۔ یہ بھی اسلام میں داخل ہونے والے اولین لوگوں میں سے ہیں۔ ان میں بھی آگے دو گروہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی ہجرتِ مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل سات آدمیوں کی ایک جماعت موسم حج میں مدینہ سے مکہ آئی اور آپ علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اگلے سال پھر موسم حج میں

ستر آدمیوں کی جماعت مدینے سے آئی جنہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ نبی علیہ السلام کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت بھی دی اور یقین دلایا کہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو ہر طرح کا آرام و آسائش مہیا کیا جائیگا اور دین اسلام کی تبلیغ میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ یہ ستر آدمی نقبا کہلاتے ہیں۔
حضور علیہ السلام نے ان انصار مدینہ کی دعوت کو قبول فرمایا اور خود ہجرت کرنے سے پہلے بعض مسلمانوں کو مدینہ روانہ کیا جن میں مصعب بن عمیرؓ بھی شامل تھے جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تا آنکہ خود حضور علیہ السلام بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے اس آیت کریمہ میں انہی مہاجرین اور انصار کو سب سے پہلے سبقت کرنے والے کہا گیا ہے۔

اولین دور

مہاجرین اور انصار کا اولین دور کب تک شمار ہوتا ہے اس میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ فتح مکہ تک جو لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار، سب اولین سبقت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو گئی تھی۔ بعض دوسرے مفسرین صلح حدیبیہ تک کے دور کو اولین دور شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر کا خیال ہے کہ اولین سابقین وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں۔ ظاہر ہے کہ مدینہ پہنچ کر بھی نبی علیہ السلام سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، لہٰذا یہ اولین دور ہجرت سے سترہ ماہ بعد تک کا شمار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض دیگر اقوال بھی ملتے ہیں، تاہم شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اور امام بیضاویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ جو لوگ بدر کی لڑائی تک ایمان لا چکے تھے، وہ اولین جماعت المسلمین شمار ہوتے ہیں کیونکہ جنگ بدر نے کفر کا زور توڑ دیا تھا اور اسلام کے قیام کی توقع پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال یہ مختلف اقوال ہیں جن کے مطابق اولین

جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اِن میں مہاجرین بھی شامل ہیں جنہوں نے کفار کی اذیتیں برداشت کیں اور پھر گھر بار چھوڑنا پڑا۔ اور اس جماعت میں وہ انصار مدینہ بھی شامل ہیں جنہوں نے مہاجرین کی امداد میں اپنی ہر چیز پیش کر دی۔

دوسرا دور

فرمایا پہلا دور تو مہاجرین اور انصار کا ہے اور دوسرا دور وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے اولین جماعت کی نیکی کے ساتھ اتباع کی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دوسرے دور کے لوگوں میں وہ صحابہ کرامؓ شامل ہیں جنہوں نے اولین جماعت کی پیروی کی۔ البتہ بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ اِن سے مراد تابعین ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی پیروی کی، ان کے نمونے پر چلے اور نیکی میں اُن کی اتباع کی۔ وہ سب کے سب اس دوسرے دور کی جماعت میں داخل ہیں۔ فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ یہ لوگ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ اِن سے راضی ہُوا۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین اور انصار کی یہ مرکزی جماعت ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا گیا اور باقیوں کو اِن کے پیچھے چلنے کا حکم ہے کہ وہ نیکی میں اولین جماعت کا اتباع کریں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ساتھ اپنی رضا کی تصدیق کر دی ہے، لہٰذا جو لوگ اِن کے متعلق بدگمانی کریں گے جیسے بدبختی اور رافضی وغیرہ وہ گمراہ تصور ہوں گے یا منافق سمجھے جائیں گے۔ ایسے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مکمل ادوار اور پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال پوری امت مسلمہ کے لیے معیار ہیں۔ چھ سال کے بعد پھر امت میں اختلافات پیدا ہو گئے، بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کیے اور جھگڑے شروع ہو گئے۔ اگرچہ خلافت راشدہ کا دور حضرت علیؓ کے زمانہ تک کا ہے مگر مرکزی حیثیت خود حضور علیہ السلام کے دور کے

بعد حضرت صدیق ؓ، حضرت فاروق ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے ابتدائی چھ سالوں کو حاصل ہے۔ اس دور میں تمام مسلمان متفق تھے، کوئی فرقہ بندی نہیں تھی، لہٰذا یہی دور قیامت تک کے لیے نمونہ ہے۔ جس کے مطابق کام کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہی اسلام کی مرکزی کیمٹی ہے، انہی کے فیصلے باقی لوگوں کے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ بہر حال یہ مہاجرین اور انصار کا گروہ ہے، ان کے بعد آنے والے اِن کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کی خدمات کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا ہے۔

مخلوق کی رضا خالق پر

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر رضا کا معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے بندوں کی خدمات کو قبول فرمایا، دین کے لیے اُن کی سعی بار آور ہوئی اور پھر اللہ نے اُن کو اجر و ثواب بھی عطا کیا۔ البتہ بندوں کا اپنے مالک سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دین کے راستے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے، نیز خدا اور رسول کی محبت میں جتنی بھی تکالیف اٹھائیں اُن کو اپنے لیے راحت جانا، گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہر حالت میں راضی ہو گئے۔ چنانچہ جنگ احد کے واقعہ میں اُس خاتون کا ذکر ملتا ہے جس کا خاوند، باپ، بھائی اور بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ جب اُسے اِن کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو کہنے لگی مجھے یہ بتاؤ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہے؟ پھر جب اُسے بتایا گیا کہ نبی علیہ السلام بخیر و عافیت ہیں تو صحیح روایت کے مطابق اُس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ یعنی اگر حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارک صحیح سلامت ہے تو پھر ہمارے لیے ہر مصیبت اور تکلیف ہیچ ہے، ہمیں کسی تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں۔ رَضُوْا عَنْهُمْ کا یہی مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر رضا پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کے لیے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

رضی اللہ عنہ کا جملہ صحابہ کرامؓ کے لیے مخصوص ہے یعنی اللہ ان سے راضی ہوگیا۔ صحابہ کے علاوہ امت کے باقی صالحین کے لیے رحمہ اللہ کے لفظ استعمال کرنے چاہئیں۔ صحابہ کرامؓ جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضا کا اعلان کر دیا ہے اُن پر نکتہ چینی کرنا یا انہیں تنقیص کا نشانہ بنانا گمراہی کا باعث ہے حتیٰ کہ اگر اُن کے آپس کے جھگڑے تنازعے کو کوئی شخص اچھا سمجھے گا۔ تو وہ بھی گمراہی سے نہیں بچ سکے گا، رافضی خارجی وغیرہ اسی مرکزی جماعت سے بغض رکھنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے صحابہؓ کا اتباع کرنا چاہیے اور تعریف ہی کرنی چاہیئے کیونکہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بہشت تیار کر رکھے ہیں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا وہ ان میں ہمیشہ رہیں گی ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس سے بڑی کامیابی کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مرکزی جماعت کا ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جماعت کا ذکر دس آیات کے بعد آئے گا اور درمیان میں منافقین کا مزید حال بیان کر کے اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بعض شہری اور دیہاتی بچے منافق

ارشاد ہوتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ اور تمہارے گرد و پیش دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ اور اہل مدینہ میں بھی بعض منافق موجود ہیں مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا اے پیغمبر! لَا تَعْلَمُهُمْ آپ اُن کو نہیں جانتے نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ بلکہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ سورۃ قتال میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ان کے چہرے کے نشانات اور بات کرنے سے پہچان لیں گے، مگر بعض ایسے گہرے منافق بھی ہیں جو ان نشانیوں سے بھی نہیں پہچانے جاتے، لہٰذا آپ اُن کو نہیں جانتے۔

جب تک کہ وحی الٰہی کے ذریعے ان کو ظاہر نہ کر دیا جائے۔ یہاں سے حضور علیہ السلام کے علمِ غیب کی نفی بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے فرما دیا ہے کہ آپ بعض دیہاتی اور شہری منافقوں کو نہیں جانتے، بلکہ صرف ہم ہی انہیں جانتے ہیں۔

فقین لیے زا

فرمایا سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ عنقریب ہم ان منافقوں کو دوبار سزا دیں گے۔ بعض فرماتے ہیں مرّتین کا مطلب صرف دو دفعہ نہیں بلکہ اس سے بار بار مراد ہے اس کی مثال سورۃ ملک میں ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں ہے۔ یہاں پر نشانات قدرت کی طرف بار بار نگاہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو اُن کے نفاق اور دوسری بد اعمالیوں کی بدولت بار بار سزا دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافقین کو ایک سزا نفاق کی وجہ سے ملے گی اور دوسری اُن کی بد اعمالیوں کی وجہ سے، یا پھر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہیں ایک سزا اس دنیا میں ذلّت و رسوائی کی صورت میں ملے گی اور دوسری سزا عالم برزخ میں۔ اس دنیا میں بھی منافقین کو بڑے بڑے حوادث پیش آئیں گے روایات میں آتا ہے کہ بعض کے جسموں پر ایسے مہلک پھوڑے نکلے کہ اسی کی وجہ سے مر گئے۔ یہ ایسے پھوڑے تھے جو سینے پر نکلتے تھے تو اُن کی جلن پشت پر محسوس ہوتی تھی۔ بعض اندھے ہو گئے اور بعض دیگر مصائب میں مبتلا ہوئے۔ اور پھر مرنے کے بعد برزخی زندگی میں ان کے لیے دوسری سزا شروع ہو جائے گی جن میں قبر کا عذاب قابلِ ذکر ہے۔

فرمایا ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ پھر لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔ اس دنیا اور برزخ کے بعد تیسرا عذاب آخرت کا ہوگا اور یہ سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ جس میں یہ منافقین مبتلا ہوں گے۔ اسی لیے ایسی جماعت سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان کے

مزید حالات بھی آگے بیان ہو رہے ہیں۔ پھر دس آیات کے بعد مومنین کی دوسری جماعت کا ذکر ہو گا۔ یہ وہی جماعت ہے جو جہاد کے ذریعے اللہ کا دین بلند کرنا چاہتی ہے۔ اللہ نے ان کے اوصاف اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ
صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ
وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾
وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ
مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ
عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ:- اور بعض دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اقرار کیا ہے اپنے گناہوں کا ۔ انہوں نے ملایا ہے نیک عمل اور کچھ دوسرا برا ۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے گا ، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے ﴿۱۰۲﴾ (اے پیغمبر!) آپ لے لیں اِن کے

مالوں میں سے صدقہ ، پاک کر دیں اِن کو اور تزکیہ کریں اِن
کا اِس (صدقے) کے ساتھ اور دُعا کریں اِن کے لیے بیشک
آپ کی دُعا اِن کے لیے باعثِ تسکین ہو گی ۔ اور اللہ تعالیٰ
سننے والا اور جاننے والا ہے (۱۰۳) کیا اِن لوگوں کو معلوم
نہیں ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اپنے
بندوں سے اور قبول کرتا ہے صدقات ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول
کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے (۱۰۴) اور (اے پیغمبر!)
آپ کہہ دیجئے (اے لوگو) عمل کرو! پس عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھ لے
گا تمہارے اعمال کو اور اس کا رسُول بھی اور مومن بھی ۔ اور تم
لوٹائے جاؤ گے اُس ذات کی طرف جو عالم الغیب والشہادۃ
ہے ۔ پس وہ بتلا دے گا تم کو جو کام تم کیا کرتے تھے (۱۰۵)
اور بعضے لوگ وہ ہیں جو مؤخر کیے گئے ہیں اللہ کے حکم سے
پھر یا تو اللہ اِن کو سزا دے گا یا اِن کی توبہ قبول کریگا ۔ اور
اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۰۶)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے غزوہ تبوک اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا اور جہاد سے گریز کرنے والے منافقین کی شدید مذمت بیان فرمائی ۔ منافقین کی کوتاہیوں غلطیوں اور سازشوں کا حال بیان فرمایا ۔ پھر دیہاتی منافقوں اور دیہاتی مؤمنوں کا تذکرہ کیا اللہ نے جہاد کے سلسلے مرکزی جماعت کا ذکر بھی کیا جو کہ پوری امت کے لیے معیار ہے اور جس کے نقشِ قدم پر چلنا ضروری ہے ۔ یہ پہلی جماعت کا ذکر تھا ۔ اس سلسلے کی دوسری جماعت کا ذکر آگے آئیگا ۔ اللہ نے منافقین کا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ شہر کی طرح دیہات میں بھی منافقین موجود ہیں جو نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں ۔ ایسے لوگوں کا حال آپ نہیں جانتے بلکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں ۔ پھر فرمایا

کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم انہیں دنیا اور برزخ میں دو مرتبہ سزا دیں گے اور آخرت کا تیسرا عذاب تو بڑا دردناک ہے۔ اللہ نے ایسے موذی لوگوں سے بچنے کی تلقین کی اور ان کی دوستی سے منع فرمادیا۔ اب آج کے درس میں دوسرے گروہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایماندار ہیں مگر ان سے کوتاہی اور غلطی سرزد ہوئی ہے۔ سب سے بڑی غلطی یہ تھی وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ یہ اللہ کا حکم تھا اور اللہ کے نبی نے اس کے لیے قبل از وقت اعلان فرمادیا تھا۔ آج ایسے خطاکاروں کا حال بیان ہو رہا ہے۔

مخلص مگر خطاکار مسلمان

ارشاد ہوتا ہے وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اور بعض دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے۔ پہلے خالص منافقوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ جو جہاد میں شریک بھی نہ ہوئے اور جھوٹے حیلے بہانے بنا کر بچ رہے۔ اور اب دوسرا گروہ ان مخلص مسلمانوں کا ہے جو اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے اور انہوں نے کوئی حیلہ بہانہ بھی نہیں بنایا بلکہ اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کر لیا کہ ان سے یہ کوتاہی ہوئی ہے اب اس جماعت کے پھر دو گروہ ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ ہو رہا ہے اور دوسری جماعت کا حال آگے آئیگا۔ تو بہرحال یہ پہلی جماعت المسلمین جو غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہو سکی اس میں ابو لبابہ رضؓ بن عبد المنذرؓ اور اس کے ساتھی شامل ہیں جن کی تعداد پانچ، چھ، سات یا نو بتائی جاتی ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس آدمی تھے تاہم سات کی تعداد زیادہ مشہور ہے۔ حضور علیہ السلام ان لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کی وجہ سے ناراض تھے اور یہ لوگ اپنی کوتاہی پر خود ہی نادم تھے۔ جب نبی علیہ السلام کی واپسی کی خبر آئی تو ان لوگوں نے آپ کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ جب حضور علیہ السلام واپس پہنچ کر انہیں اس حال

بین دیکھیں گے تو معاف فرما کر انہیں کھلوا دیں گے۔ ابولبابہؓ نے قسم اٹھائی کہ جب تک اللہ کا رسول انہیں نہیں کھولے گا، وہ از خود آزاد نہیں ہونگے، خواہ یہیں ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے ستونوں سے کھول دیا جاتا اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر باندھ دیا جاتا۔

یہ لوگ انصار مدینہ کے معززین میں سے تھے۔ جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے اور ان لوگوں کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا، بخدا میں از خود ان کو نہیں کھولوں گا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے۔ اس کے بعد اللہ نے مہربانی فرما کر یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں ان کی توبہ کی قبولیت کا اشارہ موجود تھا لہٰذا آپ علیہ السلام نے انہیں اپنے دست مبارک سے آزاد کر دیا۔

اعتراف جرم اور معافی

فرمایا کہ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور جرم یہ تھا خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا کہ انہوں نے نیک اور بُرے اعمال کو ملا دیا۔ وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے تھے اور نیکی کے دوسرے کام بھی انجام دیتے تھے، مگر جہاد سے پیچھے رہ کر انہوں نے ان اچھے کاموں میں برائی کو بھی داخل کر دیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی اور فرمایا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرلیگا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے اس سے یہ اشارہ مل گیا کہ اپنی کوتاہی کے اقرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں اپنے ہاتھ سے کھول کر آزاد کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اچھے اور بُرے دونوں طرح کے کام کرتے ہیں اُن کے متعلق بارگاہ رب العزت سے یہی امید ہو سکتی ہے کہ وہ ان کے اچھے اعمال کو قبول فرمائے گا اور بُرے اعمال کو معاف کر دے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری شریف میں حضور علیہ السلام کی حدیث موجود ہے آپ نے فرمایا اَتَانِیَ اللَّیلَۃَ اٰتِیَانِ یعنی رات کو خواب میں میرے پاس دو آنے والے آئے۔ یہ اللہ کے فرشتے تھے، انہوں نے مجھے خواب سے بیدار کیا اور اپنے ساتھ لے چلے۔ ہم ایک شہر میں پہنچے جکی تعمیر میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی استعمال کی گئی تھی۔ وہاں ہم نے بعض لوگ دیکھے جن کا آدھا جسم نہایت خوبصورت اور آدھا حصہ بالکل بدصورت تھا۔ میرے ساتھ والے فرشتوں نے اُن لوگوں کو کہا کہ اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ جب وہ نہا کر واپس آئے تو اُن کی بدصورتی دُور ہو چکی تھی اور سارا جسم خوبصورت بن چکا تھا۔ اُن دو شخصوں نے حضور علیہ السلام کو بتایا کہ یہ جنت عدن ہے۔ اور آپ کا مقام یہیں ہے۔ فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ جن لوگوں کو نہر میں غسل دیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک و بد دونوں قسم کے کام انجام دیے۔ اُن کے نیک کاموں کا اثر یہ ہوا کہ اُن کے آدھے جسم نہایت خوبصورت اور توانا ہو گئے اور بُرے اعمال کی وجہ سے باقی آدھے جسم قبیح صورت ہوئے۔ اب اللہ نے انہیں معاف کر دیا اور نہر میں نہانے کے بعد وہ پاک ہو گئے ہیں۔ یہ اسی آیت کی تفسیر ہے جس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ نیکی اور بُرائی دونوں قسم کے اعمال انجام دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت معاف فرما دیگا۔

صدقات کی قبولیت

جب ابو لبابہؓ اور ان کے ساتھیوں کو معافی مل گئی تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے مالوں کی وجہ سے ہم پر ابتلا آئی ہے، ہم اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا، تم اپنے مال اپنے پاس ہی رکھو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیں۔ مولانا شیخ الہندؒ اس سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں کہ ان لوگوں سے

زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم ہوا تھا، تاہم دیگر مفسرین اسے عام صدقات پر محمول کرتے ہیں۔ گویا ہر قسم کا صدقہ واجبی، نفلی وغیرہ وصول کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایماندار کی صداقت کی نشانی ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ ان سے صدقے لیں تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا تاکہ اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک کر دیں اور ان کا تزکیہ کر دیں۔ یعنی ظاہری طور پر بھی ان کی تطہیر ہو جائے اور ان کا باطن بھی پاک ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا جسم بھی پاک ہو جائے اور مال بھی پاک ہو جائے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ آپ ان کے لیے دعا بھی کریں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ گناہوں کی معافی تو پہلے ہی ہو چکی تھی جب پہلی آیت میں إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ آ گیا۔ تاہم صدقہ دینے کی وجہ سے جو کدورت وغیرہ کے اثرات باقی تھے وہ بھی اللہ نے معاف کر دیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَدْفَعُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور بری موت کو مٹاتا ہے توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور صدقہ کرنے سے رہی سہی کدورت اور میل بھی صاف ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے صدقہ قبول کر لیں تاکہ ان کی ظاہری اور باطنی طہارت ہو جائے۔ فرمایا آپ ان کے لیے دعا بھی کریں، کیونکہ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہوگی۔ ویسے بھی جو شخص زکوٰۃ کا مال حضور کی خدمت میں پیش کرتا، آپ اس کے لیے دعا فرماتے۔ بہرحال حضور علیہ السلام کی دعا تو ہر شخص کے لیے ہے اور جس کے حق میں ہوگی، اس کے لیے تسکین کا باعث ہوگی۔ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے

فرمایا أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وَ

يَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور ان سے صدقات بھی قبول کرتا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

اعمال کا محاسبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے پیغمبر! وَقُلِ اعْمَلُوْا آپ اُن سے کہ دیں کہ عمل کرو فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ پس عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا یعنی اس کو ظاہر کر دے گا، اور پھر وَرَسُوْلُهٗ اُس کے رسول کو بھی تمہارے اعمال کا علم ہو جائے گا، اس سے اُمید پیدا ہو گی کہ تم آئندہ ایسی غلطی نہیں کرو گے۔ پھر اس کا علم وَالْمُؤْمِنُوْنَ عام مومنوں کو بھی ہو جائے گا کہ تم نے سچے دل سے توبہ کی جو اللہ نے قبول فرمائی ہے اور آئندہ کے لیے تم محتاط ہو جاؤ گے۔ فرمایا اس بات کا آخری نتیجہ یہ ہو گا۔ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ تم عنقریب اُس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو علیم کل ہے۔ غائب اور حاضر کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ تم سب اُسی کے دربار میں پیش ہو گے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ تمہارے کردہ تمام اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا اور بتائے گا کہ تم دنیا میں یہ کچھ کرتے رہے ہو۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی آتا ہے اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ اے ابن آدم! یہ ہیں تمہارے اعمال جن کو میں نے شمار کر رکھا ہے۔ اگر یہ اعمال اچھے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر یہ بُرے ہیں تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ بہر حال یہ اُس گروہ کا حال بیان ہوا ہے جو مسلمان تھے مگر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی۔

دوسرا گروہ

اِن سات یا دس آدمیوں کی جماعت کے علاوہ تین آدمیوں کا ایک دوسرا گروہ بھی تھا۔ ان کی غلطی بھی یہی تھی کہ محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک

سے پیچھے رہ گئے، ورنہ اِن کے ایمان میں کوئی شک نہیں تھا۔ پہلے گروہ کو تو اللہ نے معافی دے دی مگر اس دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کو اللہ کے حکم سے مؤخر کیا گیا۔ یہ بھی عظیم المرتبت لوگ تھے۔ ان کے نام کعب ابن مالکؓ، ہلال ابن امیہؓ اور مرارہ ابن ربیعؓ تھے۔ جب لشکرِ اسلام تبوک کی طرف روانہ ہو گیا تو یہ بھی آجکل کہتے رہے۔ کعبؓ کہتے تھے میرے پاس دو سواریاں ہیں میں جلد ہی قافلے سے جا ملوں گا۔ اسی سوچ بچار میں ایک ماہ گزر گیا، اور حضور علیہ السلام کی واپسی کی خبریں آنے لگیں۔ اس پر یہ لوگ سخت پریشان ہوئے اور سزا کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فیصلہ مؤخر کر دیا حتیٰ کہ یہ پچاس روز تک اس مصیبت میں مبتلا رہے انھوں نے سخت ذہنی تکلیف اٹھائی۔ تمام مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا حتیٰ کہ بیویاں بھی علیحدہ ہو گئیں۔ ان کے متعلق فرمایا اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ اللہ تعالیٰ یا تو ان کو سزا دیگا یا پھر ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ آخر پچاس روز کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ یہاں پہ اس گروہ کا اشارتاً ذکر آیا ہے، اگلی آیات میں اُن کی تفصیل آئے گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر شخص کی استعداد کو جانتا ہے اور پھر اپنی حکمت کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ
قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ
اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ
تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى
تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ
جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا
يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۱ ۲

ترجمہ :۔ اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد ضرار
(ضرر پہنچانے کے لیے) اور کفر کرنے کے لیے اور ایمان والوں
کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے اور گھات لگانے کیلیے
اس شخص کے واسطے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ
لڑائی کی ہے اس سے پہلے۔ اور البتہ یہ لوگ قسمیں اٹھائیں گے

کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیکی کا ۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے
کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں (۱۰۷) آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی
بھی ۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی
گئی ہے ، وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں ۔
اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں پاک ہونے کو اور
اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے طہارت حاصل کرنے والوں کو (۱۰۸)
بھلا وہ شخص کہ جس نے بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی اللہ
کے تقوے پر اور خوشنودی پر ، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے
بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی ایک کھائی کے کنارے پر جو
گرنے والی ہے ، پھر وہ اس کو لے کر گری جہنم کی آگ میں
اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اُن لوگوں کی جو ظلم کرنے والے
ہیں (۱۰۹) ہمیشہ رہیگی اُن کی عمارت جو انہوں نے تعمیر کی تھی
تردد اور کھٹکا اُن کے دلوں میں مگر یہ ہے کہ اِن کے دِل
ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا
ہے اور حکمت والا ہے (۱۱۰)

رابطہ آیات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مومنوں کا حال ذکر کیا تھا جو کوتاہی اور سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے ۔ اِن میں سے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ۔ انہوں نے اعترافِ گناہ کر کے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر ان کی معافی کا اعلان کر دیا ۔ تین آدمیوں کے دوسرے گروہ پر کڑی آزمائش تھی لہٰذا اُن کا معاملہ اللہ نے مؤخر کر دیا ، یہاں پر بھی اُن کا بیان بعد میں آئیگا ۔ اب آج کی آیات میں بھی پکے منافقین ہی کا ذکر ہو رہا ہے ، جن کے دِل میں ایمان نہیں تھا ، اور وہ طرح طرح کی سازشیں کر کے اہلِ ایمان

کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ ایسے ہی منافقوں نے مدینہ میں ایک خاص سازش تیار کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اِن آیات کے ذریعے اس کو ظاہر فرما دیا اور مسلمانوں کو اس کے نقصان سے بچا لیا

ابوعامر راہب

مدینہ کا ایک آدمی ابوعامر راہب بڑا معزز آدمی تھا، پہلے اس نے یہودیت اختیار کی پھر عیسائی ہوا۔ بڑا عابد، زاہد آدمی تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا جب حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو اس شخص نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ عیسائیت پر اڑا رہا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دریافت کیا حضور! آپ کیا چیز پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں ملّت حنیفیہ کو پیش کرتا ہوں۔ ابوعامر کہنے لگا کہ میں تو پہلے ہی اس ملّت پر ہوں لہٰذا مجھے آپکا اتباع کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ شخص ملتِ ابراہیمی پر قطعاً نہیں تھا بلکہ اس ملّت کی بگڑی ہوئی شکل عیسائیت کا پیروکار تھا۔ اُس نے حضور علیہ السلام کے متعلق سخت قسم کے الفاظ استعمال کئے اور دُعا کی کہ ہم میں سے جو آدمی جھوٹا ہے اللہ اُسے غریب الوطنی اور بے کسی کی حالت میں ہلاک کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا پر آمین کہا۔

یہ شخص مشرکوں کے ساتھ مل کر اسلام اور اہل اسلام کی کھلی مخالفت کرتا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر اس شخص نے دونوں لشکروں کے درمیان بہت سے گڑھے کھدوائے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ انہی گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں خود حضور نبی کریم علیہ السلام بھی دورانِ جنگ گر گئے تھے اور آپ کو سخت چوٹیں آئی تھیں۔ بعد میں جنگ خندق کے موقع پر بھی اس نے مشرکین کی مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا حتیٰ کہ جنگ حنین تک یہ شخص مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا رہا۔ پھر جب یہ اپنے تمام منصوبوں میں ناکام ہو گیا۔ مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوتا

چلا گیا تو یہ شخص بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ جاتے وقت کہہ گیا کہ میں رومی بادشاہوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا لشکر لے کر آؤں گا۔ اور انہیں شکست فاش دوں گا۔

مسجد ضرار کی سازش

ابوعامر نے مدینہ کے منافقین سے ساز باز کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ بنی سالم کے محلہ میں مسجد قبا کے علاوہ ایک اور مسجد تعمیر کریں جسے منافقین تخریب کے لیے اڈے کے طور پر استعمال کر سکیں۔ ابوعامر کا خیال تھا کہ وہ خود یا اس کا کوئی آدمی باہر سے آئے گا تو مسجد میں ہی ٹھہر کر پیغام رسانی کا کام کرے گا۔ اور کسی کو اس قسم کی سازش کا علم نہیں ہو سکے گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ کوئی مسافر ہے اور عبادت و ریاضت کے لیے مسجد میں مقیم ہے۔ جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو منافقین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ موجودہ مسجد قبا ہم سے دور ہے۔ بارش، تاریکی اور طوفان وغیرہ میں ہم وہاں نہیں پہنچ سکتے، اس لیے ہم نے اپنے محلہ میں ایک اور مسجد تیار کی ہے، آپ سے درخواست ہے کہ آپ وہاں چل کر نماز ادا کریں تاکہ ہمیں خیر و برکت حاصل ہو۔ چونکہ اُن ایام میں حضور علیہ السلام غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو میں فارغ نہیں ہوں تبوک سے واپسی پر انشاء اللہ تمہارے ہاں آؤں گا۔ مگر واپس مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس سازش کو بے نقاب کر دیا۔ اللہ نے آیات نازل فرما کر ظاہر کر دیا کہ یہ نام نہاد مسجد اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے مقصود کفر کا فروغ اور مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنا ہے۔ جب کچھ مسلمان مسجد قبا میں نہیں جا سکیں گے تو ان کا رابطہ مخلص مسلمانوں سے کٹ جائیگا اور وہ دین کی تعلیمات سے کما حقہٗ استفادہ نہیں کر سکیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہونے کا احتمال ہو گا۔

مسجد قبا

یاد رہے کہ مسجد قبا اسلام کی اولین مسجد ہے۔ جب حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آرہے تھے تو بنی سالم کے محلہ میں آپ نے چودہ دن تک قیام فرمایا تھا اور اسی دوران اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ احادیث میں اس مسجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ مسجد قبا میں ایک نماز ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ایک عمرے کا ثواب عطا کرے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام خود ہفتے میں دو بار کبھی پیدل اور کبھی سوار اس مسجد میں تشریف لاتے اور نماز ادا کرتے۔

مسجد ضرار کی قباحت

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد ضرار یعنی ضرر یا تکلیف پہنچانے کے لیے۔ حقیقت میں مسجد تو اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اعتکاف کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے مگر منافقین نے جو مسجد ایک سازش کے تحت تیار کی تھی اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا مقصود تھا۔ وَكُفْرًا اس مسجد کی آڑ میں وہ کفر کی ترویج کرنا چاہتے تھے اور اسلام کو مغلوب کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مقصد یہ بھی تھا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ مومنوں کے درمیان تفریق ڈال دی جائے۔ یہ مختلف گروہوں میں بٹ جائیں، کچھ ایک مسجد میں جائیں، کچھ دوسری میں اور اس طرح ان کا آپس میں رابطہ کٹ جائے اور یہ آسانی سے منافقین کی سازشوں کا شکار ہو سکیں۔ ابو عامر کی سکیم کے مطابق اس مسجد کو سازش کا اڈا بنانا مقصود تھا وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے ہی لڑتا رہا ہے اس کے لیے یہ مسجد کمین گاہ کا کام دے سکے۔ وہ خود یا اس کے آلۂ کار آدمی یہاں ٹھہر کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بنا سکیں۔ اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے۔ جو شام کی طرف جاتے وقت یہ ساری سکیم بنا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نظریے کے تحت تیار کی گئی مسجد مسجد کہلانے کی مستحق ہی نہیں بلکہ

اُس کے لیے تو کفر گڑھ کا نام زیادہ موزوں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ابو عامر جس قدر دشمنِ اسلام تھا، اس کا بیٹا حضرت حنظلہؓ اسی قدر پکا مسلمان تھا۔ یہ وہی حضرت حنظلہؓ ہیں جنہیں غسیلِ ملائکہ کا لقب حاصل ہوا۔ جنگ اُحد کا موقع تھا۔ جب جنگ کا ہجوم زیادہ ہوا تو یہ صحابی رسول فوراً گھر سے ہتھیار پہن کر نکلا، جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے زمین اور آسمان کے درمیان دیکھا ہے کہ فرشتے حضرت حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔ بعد میں آپ کی بیوی نے اس بات کی تصدیق کی کہ انہیں غسل کی حاجت تھی مگر جلدی میں بغیر غسل کیے ہی جنگ میں شریک ہو گئے اور شہادت پائی۔ بہر حال اس کے باپ دشمنِ دین ابو عامر کو اس کی اپنی بد دعا لگی اور وہ دیارِ غیر میں بے کسی کی حالت میں مرا۔ جب غزوۂ تبوک برپا تھا تو یہ شخص اس وقت ملک شام میں تھا اور وہیں غریب الوطنی میں نہایت بے کسی کی حالت میں اسے موت آئی۔

فرمایا کہ منافقین نے مسجد تو غلط مقصد کے لیے بنائی ہے مگر وَ لَیَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰی یہ قسمیں اٹھائیں گے کہ ہمارا مقصد تو محض بھلائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بارش وغیرہ میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور وہ آسانی سے یہیں نماز ادا کر لیا کریں۔ اللہ نے فرمایا وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ اِن کی بات پر یقین نہیں کرنا۔ یہ زبان سے کچھ کہ رہے ہیں اور دل میں کچھ اور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا، لَا تَقُمۡ فِیۡہِ اَبَدًا کہ آپ اس مسجد ضرار میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ یہ منافق لوگ آپ کو وہاں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں مگر وہاں جانا ہرگز آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس مسجد کو جلا دیا جائے اور گرا دیا جائے، چنانچہ صحابہؓ گئے اور اس

حکم کی تعمیل کر ڈالی۔

تعمیر مساجد کا مقصد

اس آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔ جو مسجد ریاکاری یا کسی غلط مقصد کے لیے تعمیر کی جائیگی وہ بظاہر تو مسجد ہی ہوگی مگر حقیقت میں کچھ اور ہی ہوگی۔ لاگت بازی، ریاکاری اور محض چودھراہٹ کے لیے تیار کی جانے والی مسجد کو مسجد ضرار کا نام ہی دیا جا سکتا ہے اور یہ حقیقت میں نقصان کا باعث ہوگی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو موجودہ زمانے میں بہت ہی مسجدیں اسی حکم میں آتی ہیں۔ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام اسلام کی ترقی کے لیے نہیں بلکہ یہ اسلام کے زوال کی علامت ہے۔ نماز جمعہ کا اجتماع تو مسلمانوں کی اجتماعیت کا ذریعہ تھا مگر آج چپے چپے پر جمعہ کی ادائیگی نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ جمعہ کے اس قسم کے اجتماعات تعصب، تنگ نظری اور غلط نظریات کے پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں۔ اس سے تفریق بین المسلمین ہو رہی ہے۔ اپنے اپنے فرقے کی اشتہار بازی کے لیے مسجدوں کو اڈے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور دوسروں کو گالی گلوچ اور فتوے بازی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ دین کی خدمت نہیں بلکہ دین کے خلاف تخریب کاری ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے منافقین نے مسجد ضرار بنا ڈالی تھی۔ مگر اللہ نے حضور علیہ السلام کو وہاں جانے سے روک دیا۔ اس مسجد کو منہدم کر دیا گیا اور وہ جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کے لیے استعمال ہونے لگی۔

مسجد علی التقویٰ

مسجد ضرار کے مقابلے میں اللہ نے حقیقی مسجد کی تعریف فرمائی لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ جو مسجد روز اول سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر ہوئی ہے، اس میں آپ کے کھڑے ہونے کا زیادہ حق ہے۔ مسجد تقویٰ سے مراد مسجد نبوی اور مسجد قبا دونوں ہیں

اسیلیے کہ دونوں کی بنیاد حضور علیہ السلام نے پہلے دِن سے ہی تقویٰ پر رکھی تھی۔ پھر مسجد نبوی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہاں پر اخلاص کے ساتھ ایک نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد قبا میں بھی ایک نماز ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ فرمایا آپ اس مسجد میں کھڑے ہوں فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وہاں پر ایسے مرد ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ اور اللہ تعالیٰ طہارت حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اللہ نے اہل محلہ کی تعریف بیان کی ہے کہ صفائی پسند لوگ ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کو پسند کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اِن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم کونسا عمل کرتے ہو، جسکی وجہ سے اللہ نے تمہاری تعریف کی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم طہارت کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ استنجا پاک کرنے کے لیے ہم پہلے ڈھیلے استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی۔ حضور نے فرمایا، اس عمل کو قائم رکھنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے۔ اور مفسر یہ بھی ہے کہ طہارت صرف ظاہری مراد نہیں بلکہ کفر، شرک، نفاق، بدعقیدگی، ترکِ جہاد وغیرہ سے باطنی طہارت بھی مراد ہے، بہرحال فرمایا کہ مسجد قبا کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی اور وہاں کے لوگ بھی طہارت پسند ہیں۔

آداب مساجد

فرمایا اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی مسجد کی بنیاد خوفِ خدا اور اس کی خوشنودی پر رکھی اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ یا وہ شخص اچھا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ البتہ آخری دور کے متعلق حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مَسَاجِدُ عَامِرَةٌ وَهِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰی ظاہری طور پر تو مسجدیں

آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ مساجد میں کفر و شرک کا چرچا ہو گا، نعت خوانی اور غزل خوانی ہو گی، فرقہ بندی کے حق میں تقریریں ہوں گی شرک اور بدعات کی باتیں ہوں گی، قوالی ہو گی اور رسومات ادا ہوں گی۔ بعض اوقات تو ظاہری ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا جائے گا حتیٰ کہ مسجدوں میں گپیں لگائی جائیں گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دلوں سے خشوع اٹھ جائے گا۔ ایک مسجد میں پانچ سو نمازی ہوں گے مگر خشوع سے سب خالی ہوں گے۔ حضور نے فرمایا مسجدیں جنت کے باغ ہیں، وہاں جا کر لوگوں کو چرچگ لینا چاہیئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا مسجدوں میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کیا کرو، یہ جنت کے پھل کھانے کے مترادف ہے۔ وہاں پر اعتکاف بیٹھو، تلاوتِ قرآن کرو، استغفار کرو، دین کی تعلیم حاصل کرو۔ اس کے برخلاف فضول حرکات مت کرو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ مسجد کی بنیاد اللہ کے تقوے اور اس کی رضا پر ہے۔

نیت کی خرابی

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ شفا کا معنی کنارہ ہے جُرُفٍ دریا یا ندی کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو پانی کی وجہ سے کاٹا جا رہا ہو۔ یہ کنارہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ معمولی سے دباؤ سے بھی گر پڑتا ہے ظاہر ہے کہ جو عمارت اس قدر کمزور جگہ پر بنائی جائیگی وہ یقیناً گر جائے گی۔ تو فرمایا مسجد ضرار کی مثال ایسی عمارت کی ہے جو کمزور ترین کنارے پر بنائی گئی ہو جو گرنے والا ہو اور جس کے منہدم ہونے کا ہر وقت خطرہ لاحق ہو۔ فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب ایسی کچی جگہ پہ بنائی گئی عمارت گریگی فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ پھر وہ بنانے والے کو بھی جہنم کی آگ میں لے گرے گی تو فرمایا بھلا یہ مسجد اچھی ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور خوشنودی الٰہی پہ ہے یا وہ اچھی ہے جو گرنے کے قریب ہے اور وہ تعمیر کرنے والے کو بھی لے ڈوبے گی۔ ظاہر ہے کہ مسجد وہی بہتر ہے جو اللہ کی

رضا کی خاطر تعمیر کی جائے اور خالص اللہ کی عبادت کے لیے استعمال ہو،
فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے
والے لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ منافق چونکہ بدنیت تھے انہوں نے مسجد کی
تعمیر تخریب کاری کے لیے کی تھی، فرمایا ایسے لوگ راہِ راست پر کبھی نہیں
آسکتے۔ ایسے بدنیت لوگوں کو اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

فرمایا لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيْبَةً فِي قُلُوْبِهِمْ
اُن کی تعمیر کردہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہیگی۔ انہیں اس بات
کا کھٹکا لگا رہے گا کہ ہم نے تو کچھ اور سکیم بنائی تھی مگر یہ کچھ اور ہو گیا۔ وہ ہمیشہ
اس تردد میں پڑے رہیں گے اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ مگر یہ کہ اُن
کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مر جائیں۔ گویا مرتے دم تک اُن
کے دل میں کھٹکا موجود رہیگا اور ان کی یہ مسجد نفاق کی علامت ہی رہے گی
وہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے اس کے لیے
انہوں نے بڑی گہری سازش کی مگر اللہ نے ان کا سارا منصوبہ ناکام بنا دیا۔
فرمایا، یاد رکھو! وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے
والا اور حکمت والا ہے۔ مالک الملک اخلاص کو بھی جانتا ہے اور نفاق
اور سازش بھی اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر غلط منصوبے کو ناکام کرنے
پر قادر ہے، چنانچہ اس نے منافقین کا یہ منصوبہ بھی ناکام بنایا اور اپنے نبی
کو مسجد ضرار میں جانے سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے کہ اس کا ہر کام
حکمت پر مبنی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ ۟ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمان والوں کی جانیں اور ان کے مال کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں ، پس وہ قتل کرتے ہیں (دشمنوں کو) اور خود بھی قتل ہوتے ہیں ۔ یہ وعدہ ہے اس کا سچا تورات میں ، انجیل میں اور قرآن میں ۔ اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے عہد کو اللہ تعالیٰ سے ۔ پس خوشی مناؤ اپنی اس بیع پر جو تم نے بیع کی ہے اس کے ساتھ ، اور یہی ہے بڑی کامیابی ﴿۱۱۱﴾

ربطِ آیات — غزوہ تبوک سے گریز کرنے والے منافقین کی اللہ نے مذمت بیان فرمائی۔ پھر درمیان میں اُن لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ کے راستے میں اُس کے دین کی بقا کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کرتے ہیں ۔ اُن میں سے پہلی جماعت کا ذکر تیرھویں رکوع کی ابتدائی آیت " وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ " ...... الآیۃ میں ہو چکا ہے یہ مہاجرین اور انصار پر مشتمل پہلی مرکزی جماعت تھی ۔ اب اس آیت

ہیں اسی سلسلہ کی دوسری جماعت کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو پہلی جماعت کے اتباع میں اللہ کے راستے میں نیکی کی خاطر دشمن کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو آج کی آیت کریمہ میں اللہ نے جانی اور مالی قربانی پیش کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے اور پھر اگلی آیت میں اس جماعت کے اوصاف بیان ہوں گے۔

جان و مال کا سودا

مذکورہ دو جماعتوں میں سے پہلی جماعت جو اولین مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھی، وہ تو ختم ہو گئی۔ انہوں نے اپنے دور میں دینِ حق کے لیے بہترین خدمات انجام دیں۔ اللہ کی راہ میں ہر چیز کی بازی لگا دینے کا نمونہ چھوڑ گئے۔ پھر اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں، تو سب سے پہلے اللہ نے بالفعل جہاد کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ اس کے بدلے میں کہ اُن کے لیے جنت ہے، گویا جنت مومنوں کی جان و مال کا معاوضہ ہے۔

جس خرید و فروخت کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ حقیقی خرید و فروخت نہیں بلکہ مجاز کے پیرائے میں حقیقت کو سمجھایا گیا ہے۔ دراصل خریداری کی ضرورت کسی شخص کو اس چیز کی ہوتی ہے جس کی وہ ضرورت محسوس کرے اگر اس کے قبضے میں نہ ہو۔ یہاں پر مومنوں کے جان و مال کا خریدار اللہ ہے حالانکہ کائنات کی ہر شئے اس کی پیدا کردہ ہے، اس کی حقیقی ملکیت میں ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تمام انسانوں کو جسم و جان اور مال اللہ ہی نے عطا کیا ہے، البتہ اِن کا عارضی قبضہ انسانوں کو دے دیا ہے کہ یہ تمہارا جسم ہے اور یہ تمہارا مال ہے۔ عارضی طور پر تم اس کے مالک ہو اور اپنی مرضی سے اسے تصرف میں لا سکتے ہو، تاہم میں جب چاہوں گا اِن نعمتوں کو واپس لے لوں گا۔ تو ہر چیز کا حقیقی مالک اور قابض ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

عارضی مالک اور قابض سے ازراہِ شفقت و مہربانی سودا کیا ہے کہ یہ جان و مال جو تمہارے پاس ہے یہ مجھے دے دو اور اس کے بدلے میں مجھ سے دائمی جنت لے لو۔

نفع بخش اور غیر نفع بخش تجارت

منافقوں کی تجارت کے متعلق سورۃ بقرہ میں آتا ہے "فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ" ان کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ اِن لوگوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی لہٰذا انہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ جان و مال جیسی قیمتی پونجی کے بدلے کافروں نے کفر اور مشرکوں نے شرک خریدا۔ اللہ نے انسان کو عمر جیسی عظیم پونجی عطا کی تھی تاکہ اسے کسی اچھے کام میں صرف کرے اور اسے فائدہ ہو مگر اس کی حالت یہ ہے یَغْدُوا فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا[1] انسان رات گزار کر جب صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو یا تو آزاد کر لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے۔ اگر اس نے اپنے نفس کو نیکی کی بات میں لگایا تو اُسے خدا کے غضب اور جہنم کی آگ سے آزاد کرا لیا اور اگر اُسے کفر، شرک، نفاق اور برائی کے کام میں لگا دیا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جان اور مال جو عارضی طور پر انسان کو خود ہی دیا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ آؤ اس کے متعلق میرے ساتھ سودا کر لو۔ یہ دونوں چیزیں اگرچہ میری ہی عطا کردہ ہیں، پھر بھی انہیں میری راہ میں خرچ کر کے بہشت حاصل کر لو۔ یہ زندگی تو بہر حال ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے، اس کے بعد دائمی راحت کا مقام حاصل کر لو۔ یہی نفع بخش سودا ہے۔

فرمایا جان و مال کا سودا یہ ہے کہ جو سچے مومن ہیں وہ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ فَيَقْتُلُونَ پس وہ دشمن کو قتل کرتے ہیں وَيُقْتَلُونَ اور خود بھی شہید ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص جنگ کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ دشمن کو قتل بھی کر سکتا

[1] مسلم ص ۱۱۸ ج ۱ (فیاض)

ہے اور خود بھی قتل ہو سکتا ہے۔ اور مؤمن کے بیلیے تو دونوں صورتوں میں نفع ہی نفع ہے۔ اگر وہ دشمن کو مغلوب کر کے اسلام کا کلمہ بلند کرتا ہے تو غازی ہے اور اگر دین حق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے تو شہید ہے۔ اُسے دونوں صورتوں میں نفع ہی نفع ہے۔

سورۃ صف میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو تجارت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اے ایمان والو! هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ آؤ میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے بچالے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اس آیت کریمہ میں بھی اسی تجارت کی طرف اشارہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کے عوض میں ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں اور یہ کسی انسان کے لیے نہایت ہی نفع بخش سودا ہے۔

جہاد کی ضرورت

جہاد سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ دینِ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اللہ کے کلمہ کو پست کرنا چاہتے اور کفر و شرک کے پروگرام کو غالب بنانا چاہتے ہیں ان کے خلاف جنگ کی جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں ایسے لوگ درندہ صفت انسان ہوتے ہیں جن کا راستے سے ہٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال انسانی جسم میں پھوڑے کی ہے۔ اگر پھوڑے کے فاسد مادہ کو آپریشن کے ذریعے جسم سے علیحدہ نہ کر دیا جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ جسم کے دوسرے حصے بھی اُس سے متاثر ہو کر ضائع ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے بعض اوقات کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں یا ٹانگ کاٹنی پڑتی ہے تاکہ کسی ایک جگہ پر نکلنے والا پھوڑا یا کینسر جسم کے دوسرے حصے کو بھی متاثر نہ کر دے۔ یہی حال سوسائٹی میں کافر، مشرک، منافق

اور دیگر بے دین کا ہے۔ جب تک سوسائٹی کو اس گندے عنصر سے پاک نہیں کیا جائے گا۔ سوسائٹی کے مزید خراب ہونے کا خطرہ موجود رہے گا۔ یہ لوگ انسانی سوسائٹی میں پھوڑا ہیں جنہیں جہاد کے ذریعے کاٹ ڈالنا ہی سوسائٹی کے حق میں بہتر ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس عظیم کام کے لیے جنت جیسی اعلیٰ، ارفع اور دائمی نعمت کی پیش کش کی ہے۔

عبداللہ ابن رواحہؓ کا ایمان

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ انصار مدینہ میں جلیل القدر صحابی ہیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ سے دو جماعتیں مکہ آئیں اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ پہلے سال تھوڑے لوگ تھے، پھر دوسرے سال زیادہ تعداد میں لوگ آئے اور اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ یہ بیعت عقبہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی اس بیعت میں شامل تھے۔ جب وہ حضور کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو عرض کیا کہ حضرت! اس بیعت کو آپ جس شرط کے ساتھ مشروط کریں گے، ہم اسے پورا کریں گے انہوں نے خاص طور پر دریافت کیا کہ اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کے لیے کیا شرط ہے اور خود آپ کے لیے کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کے لیے شرط یہ ہے اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کہ تم صرف اُسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ پھر فرمایا اس معاملہ میں میری شرط یہ ہے کہ جس طرح تم اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر میں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجاؤں تو میری بھی حفاظت کرنا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جواب دیا۔ حضرت! ہمیں یہ دونوں شرائط منظور ہیں۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اپنی جان سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا، حضور! جب ہم یہ شرائط پوری کر دیں گے۔ تو ہمیں کیا حاصل ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے، وہاں تمہیں دائمی سکون و راحت نصیب ہو گی۔ حضرت عبداللہؓ کہنے لگے، ہمیں یہ بیع منظور

ہے کہ اس سے بہتر کوئی بیع نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عارضی اور فانی وجود اور مال کے بدلے اگر ہمیشہ کی کامیابی اور لازوال عزت حاصل ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی سودا نہیں ہو سکتا۔

جہاد کی قسمیں

دین کی سربلندی کے لیے مختلف طریقوں سے جہاد کیا جاتا ہے۔ جہاد کی ایک صورت بالفعل لڑائی ہے جس کے ذریعے معاشرے کے دشمنوں کو جسمانی پھوڑے کی طرح کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور اس کی دوسری صورت جہاد بالمال ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر لڑائی میں شریک ہونے سے معذور ہے تو مالی امداد کر سکتا ہے۔ جہاد ہی کی ایک قسم زبان کے ساتھ جہاد ہے۔ اگر کسی کے بیان، تقریر یا تبلیغ کے ذریعے کوئی دوسرا شخص اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، کفر و شرک کی غلاظت سے نکل جاتا ہے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو جہاد کے لیے روانہ کرتے وقت فرمایا لان یھدی اللہ بك رجلاً واحداً خیر لك من الناس او مما طلع علیه الشمس اگر تمہاری وجہ سے کسی ایک انسان کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے یعنی کسی شخص کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا تمہارے لیے قیمتی سے قیمتی چیز سے بھی بہتر ہے۔ اسی لیے زبان اور قلم کے ساتھ تعلیم و تبلیغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کوئی کتاب یا مضمون لکھتا ہے جسے پڑھ کر لوگوں کا کفر، شرک اور جہالت دور ہوتی ہے، تو یہ بہت بڑا جہاد ہے۔

اللہ کا سچا وعدہ

فرمایا مجاہدین کو دو ہی صورتیں پیش آتی ہیں، یا تو وہ دشمن کو قتل کر دیتے ہیں اور یا خود شہید ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اللہ نے ان کے لیے

جنت کی بشارت دی ہے اور یہ کسی مخلوق کی بات نہیں بلکہ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ مال وجان کے بدلے جنت عطا کریگا، بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنے ذمے لیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو ضرور جنت میں داخل کرے گا اور یہ وعدہ فِي التَّوۡرٰىةِ اللہ کی عظیم کتاب تورات میں بھی ہے۔ موجودہ بائیبل کے پہلے پانچ باب تورات کا حصہ ہیں اور کل انتالیس صحائف ہیں سے آخری چار انجیلیں ہیں۔ کچھ انبیاء کے صحائف اور کچھ خطوط بھی ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت کچھ رد وبدل ہو چکا ہے تاہم تورات میں موجود ہے کہ اے اسرائیل! تم اپنے پورے مال وجان کے ساتھ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور اس کی وفاداری کرو۔ اس کے بدلے میں اللہ تمہیں جنت عطا فرمائیگا۔

فرمایا یہ وعدہ نہ صرف تورات میں ہے بلکہ وَالۡاِنۡجِيۡلِ اللہ کی کتاب انجیل میں بھی ہے۔ تورات کا معنیٰ قانون ہے جبکہ انجیل کا معنیٰ بشارت ہے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری بھی عطا فرمائی۔ فرمایا اللہ کا یہ وعدہ وَالۡقُرۡاٰنِ قرآن پاک میں بھی موجود ہے قرآن کا معنیٰ کثرت سے پڑھی جانے والی کتاب ہے، چنانچہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم ہے۔ ان تمام آسمانی کتابوں میں اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرمائیگا۔

فرمایا وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ سب سے سچا وعدہ تو اللہ ہی کا ہے۔ اس کا اعلان ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ" کہ وہ وعدہ کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ انسان تو وعدہ خلافی بھی کر جاتے ہیں مگر اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہمیشہ سچا اور پکا ہوتا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے مجاہدین کے لیے جنت

کے وعدے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

فرمایا، اے ایمان والو! فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ پس تم خوش ہو جاؤ اس سوداگری پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کی ہے۔ تم نے مال وجان کے بدلے جنت خرید لی ہے، یہ بڑا نفع مند سودا ہے، لہٰذا اس پر خوشی مناؤ۔ یہ کافروں کی تجارت نہیں ہے جس نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا ہے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ عمر پونجی کے طور پر دی ہے جو ہمیشہ گھٹتی رہتی ہے۔ اگر اس نے اس پونجی سے فائدہ نہ اٹھایا تو ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔ سعدی صاحب بھی تو فرماتے ہیں کہ انسان کی عمر برف کی ڈلی کی مانند ہے اور اوپر سے حالات کی سخت دھوپ بھی لگ رہی ہے۔ اگر اس عمر کو جلدی جلدی ٹھکانے لگا لیگا اس سے کوئی اچھی تجارت کرے گا تو کامیاب ہو جائے گا۔ اور اسے کام میں نہ لایا تو یہ برف کی ڈلی کی مانند خود بخود ضائع ہو جائے گی اور پھر انسان ناکام ہو جائے گا۔

فرمایا اس عارضی جان ومال کے ذریعے جنت کا سودا کر لینا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ سابقین اولین مہاجرین اور انصار کے متبعین سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ خدا کی رضا کے لیے جان ومال کی قربانی پیش کریں گے آگے ان کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ:- (اور ایمان والے) توبہ کرنیوالے ہیں، عبادت کرنیوالے ہیں اللہ کی تعریفیں کرنیوالے ہیں، سیاحت کرنیوالے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں، سجدہ کرنیوالے ہیں نیک بات کا حکم دینے والے ہیں اور بُری بات سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور آپ خوشخبری سُنا دیں ایمان والوں کو ﴿۱۱۲﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی حکمت بیان فرمائی اور مجاہدین کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے اُن کے مال اور جانیں جنت کے عوض میں خرید لی ہیں۔ یہ ایمان والے لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود شہید ہو جاتے ہیں۔ فرمایا، اہلِ ایمان کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ نے اُن کی حقیر جانوں اور مال کے بدلے میں اُنہیں ابدی اور لازوال نعمتیں عطا فرمائی ہیں بڑی کامیابی ہے جس کے مقدر میں ہو جائے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی سات صفات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) توبہ کرنے والے

مومن مجاہدین کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے اَلتَّآئِبُوْنَ کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔ توبہ سے مراد کفر، شرک، معاصی اور دیگر خطاؤں سے توبہ ہے۔ اہلِ ایمان توحید کو اختیار کر کے کفر اور شرک سے تو پہلے ہی تائب ہو چکے ہیں، البتہ روز مرّہ زندگی میں جو گناہ اور کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں، اُن سے بھی توبہ کرتے رہتے ہیں۔ ابن ماجہ شریف

کی روایت میں آتا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ،[1]
گناہ سے توبہ کرنے والا انسان ایسا ہے گویا کہ اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں،
اُس کو ایسی معافی مل جاتی ہے کہ وہ سابقہ خطاؤں سے پاک ہو جاتا ہے جہاں
تک توبہ کے معنی کا تعلق ہے تو بعض احادیث میں آتا ہے التوبة الندم
یعنی توبہ سے مراد نادم اور پشیمان ہونا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے
کہ انسان اپنے گناہوں پہ نادم بھی ہو اور اس کے دل میں سوزش بھی پیدا ہو کہ یہ
کوتاہی اُس سے کیوں سرزد ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا دل
سے پختہ ارادہ بھی کرے کہ آئندہ ایسا غلط کام نہیں کرے گا۔ چھوٹی موٹی غلطی ہر انسان
سے ہوتی رہتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کُلُّکُمْ خَطَّاءُوْنَ
وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ تم سب کے سب خطاکار ہو مگر بہترین
خطاکار وہ ہے جو توبہ کر لیتا ہے، جو شخص ہر وقت معافی مانگتا رہتا ہے،
اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ بہت پسند ہے۔ بہرحال ایمان والوں کی یہ پہلی صفت
ہے کہ وہ اکڑ نہیں دکھاتے بلکہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں۔

(۲) عبادت گزار

فرمایا، مومنوں کی دوسری صفت یہ ہے اَلْعٰبِدُوْنَ کہ وہ اللہ کی عبادت
کرنے والے ہیں۔ یہ کمال صفت ہے جو اہل ایمان میں پائی جاتی ہے عبادت
میں ہر طرح کی قولی، فعلی، بدنی اور قلبی عبادت شامل ہے ہم نماز میں ہمیشہ
اسی بات کا اقرار کرتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ
یعنی تمام قولی، فعلی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اسی لیے
فرمایا کہ ایمان والوں کی دوسری صفت عابدون یعنی عبادت گزار ہے۔

(۳) تعریف کرنیوالے

اللہ نے مومنوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی اَلْحٰمِدُوْنَ وہ اللہ کی تعریفیں
کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا نام ہی حمادون ہے یعنی اللہ
کی حمد و ثنا کرنے والے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو آدمی کھاتا پیتا ہے
یا کوئی اور کام کرتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو اللہ تعالیٰ اُس پہ راضی ہوتا

[1] ابن ماجہ ص۳۱۳ (فیاض)

ہے۔ اسی طرح پانی پیا تو اللہ کی تعریف کی، لباس پہنا تو تعریف بیان کی، کوئی انعام ملا یا کوئی مصیبت ٹلی تو اللہ کی تعریف کی۔ غرضیکہ ایمان والوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرتے ہیں، اس لیے ان کا نام الحامدون ہے۔ سورۃ یونس میں اہل جنت کے متعلق آتا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہر کام کی ابتدا اور انتہا پر خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا سنت ہے۔ شمائل ترمذی میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کسی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے اور کسی مجلس کو ختم نہیں کرتے تھے مگر اللہ کے نام پر اور اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ سورۃ انعام میں بعض لوگوں کا ذکر آتا ہے جن کے بُرے اعمال کو شیطان آراستہ کر کے دکھاتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اللہ کی نصیحت کو فراموش کر دیا تو ان پر انعامات کے دروازے کھول دیے گئے اور وہ خوش ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان کو اچانک پکڑ لیا، وہاں آتا ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا "پس ان ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے بہرحال فرمایا کہ یہ وہ مومن لوگ ہیں جو ہر موقع پر اللہ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے انہیں اَلْحٰمِدُوْنَ کا لقب دیا ہے۔

(۴) سیاحت کرنے والے

اہل ایمان مجاہدین کی اللہ نے چوتھی صفت اَلسّٰٓائِحُوْنَ بیان فرمائی ہے مفسرین کرام نے اس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی ہے۔ حضرت عکرمہؓ اور حضرت عطاءؒ السائحون کا ترجمہ علم حاصل کرنے والے طلباء کرتے ہیں۔ اس کا لغوی معنی تو سیر و سیاحت کرنے والے ہیں مگر طلب علم کے لیے بھی چونکہ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے، اس لیے مذکورہ اصحاب نے اس کا ترجمہ طالب العلم کیا ہے۔ محدثین کرام نے بھی طلب حدیث کے لیے بڑے بڑے

سفر کیے۔ جب پتہ چلتا کہ فلاں ملک یا فلاں شہر میں کوئی حدیث رسول پڑھاتا ہے یا کسی کے پاس کوئی حدیث ہے تو وہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے بھی وہاں پہنچتے۔ بعض روایات کیلئے چار چار، دس دس اور چالیس چالیس ہزار میل کے سفر کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے۔ جب سواری کے لیے گھوڑا، گدھا یا اونٹ ہوتا تھا اور لیا اوقات پیدل ہی سفر کرنا پڑتا تھا۔

بعض اوقات عبرت حاصل کرنے کے لیے بھی سیاحت کرنی پڑتی ہے جیسے سورۃ مومن میں ارشاد ربانی ہے "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" کیا وہ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ دیکھتے کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ سابقہ اقوام کی تباہی کے نشانات دیکھ کر ہی عبرت حاصل کرتے۔ سفر جہاد کے لیے بھی ہوتا ہے اور حج و عمرہ کے لیے بھی، تجارت کی غرض سے بھی دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے جس کے ذریعے رزق حلال کی تلاش ہوتی ہے۔ تو بہر حال اس میں ہر نیک کام کے لیے سیاحت کرنے والے لوگ آجاتے ہیں اہل ایمان کی یہ چوتھی صفت ہے کہ وہ طلب حق کے لیے سفر کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں سائحون سے روزہ دار مراد لیے گئے ہیں۔ اس کا معنی بے تعلق بھی آتا ہے چونکہ روزے دار آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے کچھ وقت کے لیے بے تعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس لفظ کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے سَيَاحَةُ اُمَّتِىْ اَلْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی میری امت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے یہ الفاظ بھی آئے ہیں سَيَاحَةُ اُمَّتِىْ الصِّيَامُ میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ سیاحت میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں اور ان صفات کے حاملین کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے۔

(۵) رکوع وسجود کرنیوالے

فرمایا پانچویں صفت اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ہے یعنی مومن لوگ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ارکان ہیں لہٰذا اس سے نماز مراد لی جاتی ہے، تو گویا نمازی ہونا بھی اہل ایمان کی ایک صفت ہے اور نماز کی فضیلت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے الصلوٰۃ نور المؤمن یعنی نماز مومن کا نور ہے۔ الصلوٰۃ عماد الدین بھی فرمایا یعنی نماز دین کا ستون ہے۔ آپ نے فرمایا[1] اقرب مایکون العبد من ربہٖ وھو ساجد سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے قریب ترین ہوتا ہے۔ اور پھر رکوع کی حالت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنی پشت پر ذمہ داری کا بوجھ محسوس کرتا ہے۔ ان دونوں حالتوں یعنی رکوع و سجود سے نہایت عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اسی لیے اللہ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا کہ وہ رکوع اور سجود کرنے والے ہیں۔

(۶) امر و نواہی کے پابند

اللہ نے چھٹی صفت یہ بیان فرمائی ہے اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ مومن آدمی نیک بات کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں۔ جب اور جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ نیکی کی خوبیاں اور برائی کی خرابیاں بیان کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حسن سلوک، دیانتداری، پابندیٔ عہد، ذکر، شکر، توکل، تبلیغ، جہاد اور تعلیم وغیرہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اور ہر برائی معصیت، کفر، شرک، بدعت، ظلم، زیادتی، فسق، قطع رحمی، بددیانتی، وعدہ خلافی، جھوٹ وغیرہ سے حسبِ استطاعت منع کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ برائی کو طاقت سے روکو، اگر اس کی ہمت نہیں پاتے تو زبان سے روکو، اور یہ بھی نہیں کر سکتے تو دل سے تو برا جانو کہ یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من الایمان اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی

[1] مسلم صفحہ ۱۹۱ ج ۱ (فیاض)

نہیں رہتا۔ لہٰذا برائی سے روکنا مومن کی صفت ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آجکل اس کا الٹ ہو چکا ہے۔ اب تو مومن ہی برائی کے داعی بنے ہوئے ہیں ان کا اپنا طرزِ عمل یہ ہے کہ اپنے قول، فعل، عمل، طرزِ سیاست، کاروبار، لین دین سے لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی بجائے انہیں نیکی سے روک رہے ہیں کبھی وہ وقت تھا کہ مسلمان کا اخلاق، طرزِ عمل اور حسنِ سلوک دیکھ کر غیر مسلم ایمان لے آتے تھے مگر آج مسلمانوں کے رویہ کے پیشِ نظر لوگ اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ کے کچھ قلیل بندے آج بھی ہیں جو نیکی کا دامن تھامے ہوئے ہیں مگر اکثریت خود برائی میں ملوث ہو چکی ہے۔ اب برائی کو کون روکے گا۔ تو فرمایا مومن کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

(۷)
محافظت بر حدود شرع

فرمایا ساتویں صفت یہ ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ مومن لوگ اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اہل ایمان کی یہ جامع صفت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر مقررہ حد کی حفاظت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کو توڑتے نہیں۔ اسی چیز کو تقوٰی بھی کہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تقوٰی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"تقوٰی محافظت بر حدود شرع است" یعنی شریعت کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنا ہی تقوٰی ہے۔ حدود کسی بھی معاملہ میں ہوں ان کی پابندی ضروری ہے مسئلہ حرام حلال کا ہو یا جائز ناجائز کا، شرک، کفر، بدعت یا برائی کا معاملہ ہو، صلح و جنگ، سیاسیات یا معاشیات کی کوئی بات ہو، کتاب و سنت میں جو حدود مقرر ہیں ان کو قائم رکھنا ایمان والوں کی صفت ہے۔ حدود کا پاسبان متقی ہوگا اور ان کو توڑنے والا کافر، فاسق یا ظالم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ" (طلاق) جس نے اللہ کی حدود کو توڑا اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا، کہیں فرمایا وہ جہنم

بن جائے گا۔ بہر حال مومنوں کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

غرضیکہ اِن صفات کے حاملین مومنوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اللہ کے دین کے قیام و بقا کے لیے جہاد میں حصہ لیں گے۔ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ایسے ایمان والوں کو بشارت سنا دیں کہ اللہ کے ہاں وہ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ
لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ
حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ
حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾

ترجمہ: نہیں لائق نبی کے لیے اور اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں شرک کرنے والوں کے لیے اگرچہ وہ اُن کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں ، بعد اس کے کہ واضح ہو چکا ہے اُن کے لیے کہ بیشک وہ دوزخ والے ہیں ﴿١١٣﴾ اور نہیں تھا بخشش مانگنا ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدے کی بنا پر جو وعدہ انہوں نے اُس سے کیا تھا ۔ پس جب

واضح ہو گیا ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے
تو اس سے بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم (علیہ السلام) البتہ نرم دل
اور تحمل والے تھے (۱۱۴) اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ گمراہ
کر دے کسی قوم کو بعد اس کے کہ اس نے ان کو ہدایت
دی ہے، یہاں تک کہ بیان کر دے ان کے لیے وہ باتیں
کہ جن سے وہ بچتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے
والا ہے (۱۱۵) بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں
کی اور زمین کی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور نہیں
ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی سرپرستی کرنے والا
اور نہ کوئی مدد گار (۱۱۶)

ربط آیات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ نے مجاہدین کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں پھر یا تو دشمن کو قتل کرتے ہیں یا خود شہید ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ انہیں بہشت میں مراتب عالیہ نصیب ہوں گے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان مجاہدین کے اوصاف بھی بیان فرمائے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت میں منہمک رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور علم و عبادت کے لیے سیاحت کرتے ہیں، بے تعلق رہتے ہیں یا روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ رکوع اور سجود کرتے رہتے ہیں یعنی انہیں نماز سے خاص شغف ہے وہ اہل ایمان نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرتے ہیں ایسے مومنوں کے لیے یقیناً بشارت ہے۔

مشرکین کیلیے استغفار کا مسئلہ

اب آج کی آیات میں حدود اللہ ہی سے متعلق ایک یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا

گیا ہے کہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ اللہ کے نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ شرک کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگیں اگرچہ وہ ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا یہ چیز بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود میں شامل ہے کہ کسی مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے چچا عبد مناف جن کی کنیت ابو طالب تھی اور وہ حضرت علی کے والد تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو حضور علیہ السلام اپنے چچا کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دعوت دی کہ تم اپنی زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو تاکہ قیامت کے دن میں تمہارے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس وقت ابو طالب کے پاس ابو جہل اور عبداللہ ابن امیہ جیسے اکابر مشرکین بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے ابو طالب سے مخاطب ہو کر کہا، کیا تو آخری وقت میں اپنے آباؤ واجداد کا دین چھوڑ دے گا! صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس پر ابو طالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ اگرچہ کسی ایک حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں ہے تاہم مختلف احادیث کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب کا انکار سن کر حضور علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد حضرت علیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ یعنی آپ کے چچا بوڑھے گمراہ فوت ہو گئے ہیں۔ جب آپ علیہ السلام کو ابو طالب کی فوتیدگی کی خبر ملی تو حضرت علیؓ سے فرمایا، جاؤ جا کر اسے زمین میں داب دو۔ کسی سے گفتگو نہ کرنا اور دفن کرنے کے بعد میرے پاس آ جانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام ابو طالب کے کفن دفن میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر جب باپ کو دفن کرنے کے بعد حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت علیؓ کے حق میں دُعا فرمائی۔ ابو طالب چونکہ حضور نبی کریم کا پرورش کنندہ تھا، اُس نے آپ پر احسانات کیے تھے، اس لیے آپ کو اُس کے ایمان نہ لانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ تاہم فرمایا کہ میں تمہارے لیے بخشش کی دُعا کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ مجھے روک نہ دیا جائے۔ مگر اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" (القصص) بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسکو چاہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اس طرح گویا آپ علیہ السلام کو ابوطالب کے حق میں دُعا کرنے سے روک دیا گیا، لہذا آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت نہ فرمائی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دُعا مانگنا حرام ہے، چاہے باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا عزیز ہو۔ کافر اور مشرک جب تک دنیا میں موجود رہے اس کے لیے ہدایت کی دُعا مانگنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق بخش کر اُسے مغفرت کا اہل بنا دے مگر مرنے کے بعد اُن کے لیے بخشش کی دُعا مانگنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا ہے اور مشرکوں کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء) اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ مغفرت کی دُعا صرف ایمان والوں کے لیے روا ہے، چنانچہ ملتِ ابراہیمی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "اَلدُّعَآءُ لِاَمْوَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ" بخشش کی دُعا مرنے والے مومنوں کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی غلطیوں کو معاف فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے۔ اور دوسری مسلمہ بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات کر کے مومن کو ایصالِ ثواب کرنے سے مرنے والے کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے تاہم

مشرک کے لیے دُعائے مغفرت ہرگز جائز نہیں۔

مشرک کا معلوم ہونا یا تو وحی الٰہی سے ہوگا یا پھر مشرک وہ ہوگا۔ جو اعلانیہ طور پر کفر و شرک کے کام کرتا ہو اور اسی پر اُسے موت آئی ہو، مرنے سے پہلے اس نے معافی بھی نہیں مانگی تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ایسا شخص مشرک ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی اور مومنوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی مشرک کے حق میں بخشش کی دُعا کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ یہ لوگ جہنم والے ہیں مطلب یہ کہ جب قرائن سے واضح ہو جائے کہ فلاں شخص شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ بغیر معافی مانگے مر جائے تو اس کے لیے بخشش کی دُعا کرنا حرام ہوگا۔

باپ کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی دُعا

اس فیصلہ کے بعد کہ کسی مشرک کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت نہیں ذہن فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جاتا ہے کہ انہوں نے بھی تو اپنے مشرک باپ کے لیے بخشش کی دُعا کی تھی۔ بلکہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی بنا پر بعض مسلمان بھی اپنے مشرک قرابتداروں کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بتوں کی پرستش سے روکنے کی ہر چند کوشش کی، اسے سمجھایا کہ تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے جواب میں باپ نے ابراہیم علیہ السلام کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اچھا تم تو میری بات نہیں مانتے مگر "سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا" (مریم) میں تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش کی دُعا کروں گا کیونکہ میرا پروردگار میرے ساتھ بڑا ہی

مہربان ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے حق میں دعا اسی وعدے کے مطابق تھی جس کو اللہ نے یہاں بیان فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت ایک وعدے کی بنا پر تھی۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ مگر جب انہیں واضح ہوگیا کہ ان کا باپ دشمن خدا ہے تو آپ اس سے بیزار ہوگئے یا استغفار کرنے سے بری ہوگئے۔ پھر اس کے بعد باپ کے لیے دعا نہیں کی۔ بہرحال اگر مِنْهُ کا مرجع ابراہیم علیہ السلام کے باپ کی طرف ہو تو معنی ہوگا کہ آپ اپنے باپ سے بیزار ہو گئے، اور اگر مِنْهُ کا مرجع استغفار کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے حق میں دعا کرنے سے رک گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی تعریف بیان کی ہے کہ انہوں نے باپ کے حق میں دعا کرنے کا عہد اپنی نرم دلی اور رقیق القلبی کی بنا پر کیا تھا۔ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ بیشک ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور تحمل والے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ یہ بات حدود اللہ میں سے ہے کہ کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں خواہ وہ کسی کا باپ ہو، بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا عزیز ہو۔

حضور کے والدین

حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب کا حال تو معلوم ہے مگر آپ کے والدین کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ امام سیوطیؒ نے ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر لکھا ہے اور بعض دوسرے اصحاب نے بھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ثابت کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کے والدین ایمان والے اور ناجی تھے۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین اور محدثین نے بعض روایات سے ثابت کیا ہے کہ وہ شرک میں ملوث تھے جیسا کہ اُس زمانے کے عام

لوگ تھے۔ یہ دونوں قسم کی متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ تاہم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا فتویٰ یہ ہے اَلسُّکُوْتُ اَوْلٰی یعنی اس معاملہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ شیخ الاسلامؒ بھی اس مقام پر حاشیے میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے والدین کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے انہیں مومن اور ناجی ثابت کرنے کے لیے رسائل لکھے ہیں اور بعض شراح حدیث نے محدثانہ اور متکلمانہ مباحث کیے ہیں مگر احتیاط اور سلامت روی کا طریقہ یہی ہے کہ اس مسئلہ میں زبان بند رکھی جائے اور ایسے نازک مسئلہ میں غور کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ حقیقت حال تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ جب بھی کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کوئی سوال کرے تو خاموش رہنا بہتر ہے کیونکہ ان کے متعلق کوئی بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور کے والد نے چوبیس سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کی والدہ نے بھی کوئی زیادہ عمر نہیں پائی۔ یہ فترت کا زمانہ تھا، لہٰذا ان کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال علمائے دیوبند کا مسلک میں نے عرض کر دیا بلکہ اس مسئلہ کا ذکر کرنا بھی تجاوز میں داخل ہے۔

اتمام حجت

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بیان فرمائی ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ط جب تک کہ ان کو ان چیزوں سے آگاہ نہ کردے جن سے انہیں بچنا چاہیئے۔ پس جب وہ لوگ غلطی پر اصرار کرتے ہیں تو قوم گمراہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو گمراہ قرار دے دیتا ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنا نبی اور شریعت بھیجے بغیر اور تمام باتوں کی وضاحت کیے بغیر ان پر گمراہی کی مہر لگا دے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا احسان ہے کہ وہ کفر، شرک، بدعت اور معاصی وغیرہ سب کو بیان کر دیتا ہے تاکہ لوگ ان قبیح چیزوں سے بچ جائیں۔ پھر جب وہ جانتے کے باوجود ان سے باز نہیں آتے تو گمراہی میں جا پڑتے ہیں اور اللہ بھی ان کی گمراہی کی تصدیق کر دیتا ہے۔ غرضیکہ اتمامِ حجت کیے بغیر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر گمراہی کی چھاپ نہیں لگاتا۔

ہر ملک ملک خدا است

فرمایا یہ بھی سن لو، اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے یُحْیٖ وَیُمِیْتُ موت وحیات کا مالک بھی وہی ہے۔ اہل ایمان کا خدا کے منکرین سے جہاد کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں ہوتا نہ وہ اپنی ملوکیت قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ مسلمان تو اللہ کے دین کی سربلندی، اُس کے کلمہ کی سربلندی اور دنیا میں اس کے منشار کو جاری کرنے کے لیے جان ومال کی قربانی پیش کر دیتا ہے۔ جب لوگ خالص اللہ کی رضا سے دست کش ہو جائیں گے تو پھر دنیا میں ملوکیت اور امپیریلزم کا دور دورہ ہوگا، شہنشاہیت قائم ہوگی ڈکٹیٹرشپ آئیگی، دنیا عدل وانصاف سے محروم ہو جائیگی اور بالآخر اس کا نتیجہ تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ مسلمان ہمیشہ اللہ کے دین اور بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے تگ ودو کرتا ہے۔ یاد رکھو! آسمان وزمین کی بادشاہی صرف اللہ کی ہے۔ وہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے حتیٰ کہ موت وحیات بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا ہمیشہ اسی کی بات کو بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حمایت و نصرت خداوندی

فرمایا، یاد رکھو! اگر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے، اکڑ دکھاؤ گے، کفر اور شرک کا راستہ پکڑو گے، بدعات اور معاصی کو اپناؤ گے، خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرو گے وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ تو اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمائتی ہے اور نہ مددگار۔ جب اس حامی و ناصر خدا تعالیٰ ہی کی نافرمانی کرنے لگو گے تو پھر تمہیں اس کے غضب سے کون بچا سکے گا۔ ہر مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی، شفقت اور موفقیت ہی تمہارے کام آسکتی ہے۔ اور وہ جبھی حاصل ہوگی جب تم صحیح راستے پر گامزن ہو جاؤ گے۔ اگر ادھر اُدھر غلط راستے اختیار کرو گے، قرآن پاک کے پروگرام کی بجائے باطل نظام کو اختیار کرو گے، کفر، شرک، بدعات اور معاصی کا ارتکاب کرو گے۔ قرآنی تعلیم کے خلاف عمل کرو گے، دُنیا میں شیطانی نظام رائج کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا کی حمایت تو اس وقت حاصل ہوگی جب قرآن کے نظام کو رائج کرنے کی کوشش کرو گے۔ یاد رکھو! اللہ کے دین کی مخالفت کرو گے تو خدا کے ہاں سے تمہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ تمہارا کوئی ولی، سرپرست، حمائتی یا دوست نہیں ہوگا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى
الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ
ع ۱۴/۳ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق مہربانی سے رجوع فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے نبی کا اتباع کیا تنگی کی گھڑی میں بعد اس کے قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دِل پھر جاتے ۔ پھر اللہ نے مہربانی فرمائی اِن پر ۔ بیشک وہ اِن کے ساتھ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۱۷﴾ اور اللہ نے مہربانی فرمائی اُن تین آدمیوں پر جو پیچھے رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی

اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں اُن پر اُن کی جانیں بھی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے مگر اللہ کی طرف ۔ پھر اللہ نے مہربانی سے رجوع فرمایا اُن پر تاکہ وہ رجوع کریں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا اور مہربان (۱۱۸) اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ (۱۱۹)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے دو گروہوں کا ذکر فرمایا تھا ۔ پہلا گروہ مہاجرین اور انصار کی مرکزی جماعت ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے پہلے گروہ کی اتباع کی ، اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں ۔ کبھی دشمن کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود جامِ شہادت نوش کرتے ہیں ۔ پھر اللہ نے اُن کی صفات بھی بیان فرمائیں ۔ اُن میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیامِ حدود ہی کے سلسلے میں مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرما دیا چاہے وہ کسی کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں ۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے مشرک باپ کے لیے دعائے مغفرت کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ ایک وعدے کی بنا پر تھی جو ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا ، مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ اُن کا باپ اللہ کا صریح دشمن ہے تو انہوں نے بیزاری کا اعلان کر دیا اور پھر کبھی باپ کے لیے دُعا نہیں کی کیونکہ اس کی موت شرک کی حالت میں ہی واقع ہوئی ۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی بتلا دیا کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں ٹھہراتا جب تک وہ تمام باتیں ظاہر نہ کر دے جن سے بچنا ضروری ہے ۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام اور آپ کے متبعین مہاجرین و انصار کی خوبیاں

بیان فرمائی ہیں اور ساتھ ساتھ ان سے سرزد ہونے والی معمولی کوتاہیوں کی معافی کا اعلان بھی کیا ہے۔

مخلفین تبوک

جنگ تبوک میں شامل نہ ہونے والے منافقین کا حال تو بیان ہو چکا ہے کہ اُن میں سے بعض نے روانگی سے پہلے جھوٹے حیلے بہانے کر کے حضور علیہ السلام سے رخصت لے لی اور بعض نے واپس آنے کے بعد عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لی۔ اِن کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی تھے جو اپنی کوتاہی کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہوئے تاہم انہوں نے صاف صاف اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اِن میں سے سات آدمیوں کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے جن میں ابولبابہؓ، عبدالمنذرؓ بھی شامل تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو اِن کو حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے آزاد کر دیا ایسے ہی مخلص مسلمانوں میں سے تین آدمیوں کا ایک دوسرا گروہ تھا جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوا۔ یہ لوگ بھی مخلص تھے مگر ان پر سستی غالب آگئی انہوں نے بھی جھوٹے حیلے بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا واضح اعتراف کیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کا قضیہ مؤخر کر دیا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائیگا۔ چنانچہ ان تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کڑی آزمائش میں ڈالا اور پھر پچاس روز کے بعد اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ آج کی آیات میں انہی لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

نبی کی ذات

اِس توبہ میں خود حضور علیہ السلام اور تین مخلفین کعب بن مالکؓ مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ کا ذکر آتا ہے۔ اِس ضمن میں حضور علیہ السلام کی ذات بابرکات کو اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ آپ نے اسی۸۰ کے قریب منافقوں کو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ انہوں نے جھوٹے حیلے بہانے بنائے مگر حضور علیہ السلام نے ان پر شفقت کرتے ہوئے

انہیں رخصت دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم بھی گزر چکا ہے جس میں آپ کو تنبیہ فرمائی گئی "عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ" تو اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے کیوں ان کو رخصت دی؟ آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو ان کا نفاق کھل کر سامنے آجاتا کیونکہ یہ جہاد میں شریک ہونے والے ہرگز نہ تھے، اب انہیں آپ کی طرف سے اجازت کا بہانہ ہاتھ آگیا ہے اور یہ اسے جواز کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ اللہ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اپنے نبی پر۔ تاب کا لفظی معنی رجوع کرنا ہوتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی ہوتا ہے اور بندوں پر بھی۔ جب یہ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اللہ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور جب اس کا اطلاق بندوں پر کیا جاتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ بندے نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اسے ترک کر دیا ہے اور اب اللہ کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ آیت میں ایمان والوں کی سب سے پہلی صفت اَلتَّآئِبُوْنَ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرنیوالے ہوتے ہیں۔

مہاجرین اور انصار

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اپنے نبی پر وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اور مہاجرین اور انصار پر بھی اللہ نے مہربانی فرمائی۔ مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں زیادہ تر قریش خاندان کے لوگ اور بعض دوسرے قبائل کے لوگ تھے جو دوسرے مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آگئے۔ اور انصار مدینہ طیبہ کے رہنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر دین کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی پیش کی اور مہاجرین کی ہر طرح دل جوئی، ہمدردی اور مدد کی۔

انہی مہاجرین اور انصار کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے الَّذِینَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں نبی کا اتباع کیا۔ تنگی کی گھڑی سے غزوہ تبوک مراد ہے کیونکہ غزوہ تبوک کا ایک نام ذات العسرہ یعنی تنگی کے زمانے کا جہاد بھی ہے۔ اس کو تنگی کا زمانہ اس لیے کہا گیا ہے کہ گرمی کا زمانہ تھا کھجوروں کا فصل پک چکا تھا اگرچہ قحط کے زمانے کی وجہ سے فصل کی حالت اچھی نہ تھی۔ مجاہدین کے لیے خوراک اور دوسرا سامان بالکل قلیل تھا۔ سواریوں کی حالت یہ تھی کہ دس دس آدمیوں کے لیے ایک ایک سواری میسّر آئی تھی، راستہ بڑا کٹھن اور دور دراز کا تھا۔ ایک مہینہ جانے کے لیے اور ایک مہینہ آنے کے لیے درکار تھا۔ پھر راستے میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور ایسا وقت بھی آیا جب دو دو آدمیوں کے حصے ایک ایک کھجور آتی تھی۔ جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو مجاہدین کھجور کی گٹھلیاں چوس کر اگر تھوڑا بہت پانی مل جاتا تو پی کر گزارہ کرتے۔ پھر پانی بھی بالکل ختم ہو گیا اور ایسا وقت بھی آیا کہ اونٹ ذبح کیا اور اس کی اوجھڑی کے الائش شدہ پانی سے اپنی زبان کو تر کیا۔ ان تمام تکالیف کے علاوہ ایک منظم طاقت کے ساتھ مقابلہ تھا جس کی باقاعدہ فوج دو تین لاکھ تھی۔ اور ادھر مسلمان مجاہدین کی تعداد مختلف روایات کے مطابق تیس ہزار سے لیکر ستر ہزار کے درمیان تھی۔ انہی حالات کی بنا پر اسے تنگی کی گھڑی کہا گیا ہے۔

فرمایا وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اپنے نبی کا ساتھ دیا مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے بعض آدمیوں کے دل کج ہو جاتے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ یہ تو بڑا کٹھن سفر ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے مگر اللہ نے ان کے دلوں کو سہارا دیا۔ جنگ احد کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا تھا جب بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے لوگوں نے بزدلی کا

ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں سہارا دیدیا۔ بہرحال فرمایا کہ اتنی سختی کا زمانہ تھا کہ قریب تھا کہ بعض کے دل پھر جاتے اور وہ غزوہ سے رہ جاتے مگر ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور ان کی کوتاہیوں کو دور کیا۔ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بیشک وہ ان کے ساتھ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

تین مخلصین کی آزمائش

عام مسلمانوں کی بات تو ہو گئی کہ جن سے چھوٹی موٹی لغزش ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔ اس سے پہلے ان سات آدمیوں کی معافی کا ذکر بھی ہو چکا ہے جو محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے اور انہوں نے حیلے بہانے بنانے کی بجائے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا اب ان تین مخلص مسلمانوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سخت ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ یہ تین آدمی کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ تھے۔ اپنی کاہلی کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان لوگوں نے اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کیا۔ ان میں سے مرارہؓ اور ہلالؓ بدری صحابی ہیں جب کہ کعبؓ معرکہ بدر کے سوا ہر جہاد میں شریک ہوتے رہے ہیں، ہجرت سے پہلے مکہ جا کر ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت بھی دی۔ جب یہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے کعب بن مالکؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس تو سواری بھی موجود تھی، پھر تم جہاد میں کیوں شریک نہ ہوئے؟ عرض کیا، حضور! میرے پاس ایک چھوڑ دو سواریاں تھیں مگر مجھ پر سستی غالب آئی اور یہ میری غلطی ہے، میرا کوئی عذر نہیں ابتداء میں تو میں نے خیال کیا کہ کوئی بات نہیں لشکر روانہ ہو گیا تو تیز رفتار سواری پر چل کر ان سے جا ملوں گا۔ اس طرح ٹالتا رہا حتیٰ کہ آپ کی واپسی کی خبریں آنے لگیں، بہت متفکر ہوا مگر دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ ساری بات سچ سچ کہ

دوں گا۔ کوئی حیلہ بہانہ نہیں کروں گا۔ یہ سارا واقعہ کعب بن مالکؓ نے خود اپنی زبان میں بیان کیا ہے جو صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ بہر حال آپؐ نے کعبؓ کی بات سن کر انہیں فارغ کر دیا اور فرمایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تین آدمیوں کے بائیکاٹ کا اعلان دیا اور حکم دے دیا کہ کوئی شخص ان سے سلام کلام یا لین دین نہ کرے۔ ان میں سے دو آدمی تو ضعیف تھے وہ گھروں میں بیٹھ گئے، البتہ کعبؓ مسجد میں نماز کے لیے آتے رہے۔ کسی سے سلام کرتے تو کوئی جواب نہ دیتا۔ راستے چلتے کوئی کلام کرنے کو تیار نہ تھا جب اس مقاطعہ کو چالیس دن گزر گئے تو حضور نے حکم دیا کہ ان تینوں کی بیویوں سے بھی کہہ دو کہ ان سے الگ ہو جائیں۔ اُن کی اس حالت کا اشارہ قرآن پاک میں موجود ہے، ان کو اس قدر پریشانی لاحق ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعض دیگر اکابر صحابہ بھی پریشان ہو گئے۔ حضرت کعبؓ خود فرماتے ہیں کہ اگر اسی مقاطعہ کے دوران میری موت واقع ہو جاتی تو کوئی مسلمان میرا جنازہ تک نہ پڑھتا بلکہ مجھے کافر ہی سمجھتے۔

مقاطعہ کا شرعی حکم

مفسرین اور محدثین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی کا مقاطعہ کرنا جائز ہے، البتہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی آدمی سے تین دن سے زیادہ رنجش رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اگر ایسا کرے گا تو آدمی گناہگار ہوگا۔ البتہ اس مسئلہ میں مقاطعہ پچاس دن تک جاری رہا۔ مفسرین کرام اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں، اگر کسی دنیاوی معاملہ میں تو مقاطعہ یا بائیکاٹ تین دن سے زیادہ روا نہیں، لیکن دینی معاملہ میں مقاطعہ کی کوئی حد نہیں، یہاں تو یہ بائیکاٹ صرف پچاس دن تک جاری رہا مگر ضرورت کے مطابق یہ سال، دو سال بلکہ ساری عمر کے لیے بھی بڑھایا جا سکتا ہے لہٰذا دینی معاملہ میں تین دن والی حدیث کا اطلاق نہیں ہوتا۔

توبہ کی قبولیت

بہرحال جب اسی حالت میں پچاس دِن گزر گئے اور اِن لوگوں کی حالت بہت خراب ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا پھر ان تین شخصوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی جو پیچھے رہ گئے تھے اور جن کا عذر قبول نہیں کیا گیا تھا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ یہاں تک کہ کشادگی کے باوجود جب اُن پر زمین تنگ ہوگئی۔ کعبؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت واقعی اس آیت کے مصداق تھی۔ میرے دِل میں سخت گھٹن تھی، مجھے زمین تنگ نظر آرہی تھی اور میں سخت پریشانی کے عالم میں تھا وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور خود ان کی جانیں بھی اُن سے تنگ ہوگئیں۔ انہیں خود اپنی ذات پر بھی تنگی محسوس ہونے لگی۔ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ اور انہوں نے یقین کر لیا کہ خدا تعالیٰ کے سوا اُن کے لیے کہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا پھر اللہ نے اُن پر مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا تاکہ یہ لوگ بھی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے تائب ہوجائیں۔ اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بیشک اللہ تعالیٰ وہی ہے مہربانی کے ساتھ رجوع کرنے والا اور نہایت مہربان اُس نے اِن لغزش کرنے والوں پر بھی اپنی مہربانی فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

سچائی کی برکت

اب اگلی آیت میں تمام لوگوں کو اُس اصول کی طرف دعوت دی جا رہی ہے جس پر قائم رہ کر یہ تین آدمی کامیاب ہوئے۔ یہ سچائی کا اصول ہے ان لوگوں نے کوئی حیلہ بہانہ نہ بنایا اور نہ کوئی عذر پیش کیا بلکہ سچائی کو اختیار کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو اسی اصول کے متعلق ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا تعالیٰ کی گرفت اور اس کی سزا بڑی سخت ہے، ہمیشہ سچ بولو وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو، دیکھو!

اِن تین آدمیوں نے سچائی کا راستہ اختیار کیا تو بالآخر کامیاب ہوئے، اللہ تعالےٰ نے اُن کی غلطی معاف فرمادی۔ اسی طرح اگر تم بھی سچائی پر قائم رہو گے، سچے لوگوں کا ساتھ دو گے تو تمہیں بھی فلاح نصیب ہوگی۔ لہذا ہمیشہ صادق القول والفعل بننے کی کوشش کرو۔

حضرت کعب بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے دِل میں ارادہ کیا کہ میں ہمیشہ سچائی ہی کو اختیار کروں گا کیونکہ اس ابتلاء سے مجھے میری سچ گوئی نے ہی بچایا ہے۔ چنانچہ عام اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے سچائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اَلصِّدْقُ يُنْجِي وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ سچائی کے ذریعے انسان نجات حاصل کرتا ہے اور جھوٹ کے ذریعے ہلاک ہوتا ہے جھوٹ بول کر وقتی طور پر تو منافقین بچ گئے مگر آخر کار تباہ و برباد ہوئے، اور سچے لوگوں نے اگرچہ وقتی طور پر تکلیف اٹھائی مگر بالآخر وہی کامیاب ہوئے۔

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ
الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا
بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ
ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ
عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ
نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا
اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ :- نہیں لائق تھا مدینہ والوں کے لیے اور نہ ان لوگوں کے لیے جو ان کے اردگرد رہتے ہیں دیہاتیوں میں سے کہ وہ پیچھے رہتے اللہ کے رسول سے ۔ اور نہ یہ (بات ان کے لیے مناسب تھی) کہ وہ ترجیح دیں اپنی جانوں کو اس کی جان پر ۔ یہ اس لیے کہ بیشک ان لوگوں کو نہیں پہنچے گی پیاس اور نہ تھکاوٹ اور نہ بھوک اللہ کے راستے میں اور نہ وہ روندیں گے روندنا (یا نہیں روندیں گے روندنے کی جگہ کو)

جو کافروں کو غصہ دلائے ، اور نہیں پائیں گے وہ دشمن سے
کچھ پانا مگر یہ کہ ان سب کے بدلے میں لکھا جائے گا اُن
کے لیے نیک عمل ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا نیکی کرنے
والوں کے بدلے کو (۱۲۰) اور نہیں یہ خرچ کریں گے کوئی
خرچہ چھوٹا اور نہ بڑا ۔ اور نہیں یہ طے کریں گے کسی وادی کو
مگر لکھا جائے گا ان کے لیے تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے اِن کو
بہتر اُس کام کا جو وہ کرتے تھے (۱۲۱)

ربط آیات

سابقہ سورۃ انفال اور یہ سورۃ توبہ دونوں جہاد کے احکام پر مشتمل ہیں ۹ھ میں جو غزوہ تبوک پیش آیا تھا ، اُس کی بھی کافی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں ۔ اس ضمن میں اللہ کے نبی اور ایمانداروں کی محنت ، لگن اور جانفشانی کا ذکر ہوا ہے اور دوسری طرف منافقین کی بزدلی ، چال بازی اور سازشوں کی نشاندہی بھی ہو چکی ہے ۔ اس کے علاوہ تیسری اہم چیز اُن مخلص مسلمانوں کو تنبیہ ہے ۔ جو غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے ۔ اللہ نے ان کے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے ۔ پہلا گروہ سات آدمیوں کا تھا ، جنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا ۔ اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف کر دیا ۔ دوسرے گروہ میں تین عظیم المرتبت آدمی تھے ۔ یہ بھی نہایت مخلص مسلمان تھے ۔ مگر اپنی سستی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ گئے ۔ ان کا معاملہ اللہ نے مؤخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے انکو سخت ابتلا میں ڈالا ، سارے مسلمانوں نے اِن کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جو کہ متواتر پچاس روز تک جاری رہا حتیٰ کہ وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے ۔ پھر اللہ نے آیتیں نازل فرما کر اِن کی توبہ کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا ۔ پھر انہوں نے وہ مال بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا جو اُن کے لیے جہاد میں عدم شرکت کا باعث بنا تھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم رفاقت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کو

تنبیہ فرمائی ہے اور اس میں شرکت والوں کے لیے اجروثواب کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ نہیں لائق تھا اہل مدینہ اور اطراف کے رہنے والے دیہاتیوں کے لیے اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ کہ وہ پیچھے رہتے اللہ کے رسول سے۔ یہ غزوہ تبوک ہی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے نبی نے روانگی سے دو تین ماہ پہلے عام اعلان فرما دیا تھا اور تیاری کا حکم دیا تھا، اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفس نفیس جہاد میں شریک ہو کر صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو مدینہ اور اطراف کے لوگوں کے لیے ہرگز مناسب نہیں تھا کہ وہ پیغمبر خدا کے ساتھ شامل ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جہاد سے گریز کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے کہ انہوں نے پیچھے رہ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا بلکہ مخلص مسلمانوں کے شایانِ شان ہی نہیں تھا کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوتے۔

لائق ترجیح ذات

فرمایا نہ تو پیچھے رہنا ان کے مناسب حال تھا وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ اور نہ یہ بات اُن کے لیے مناسب تھی کہ وہ اپنی جانوں کو رسول اللہ کی ذات پر ترجیح دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام تو جہاد میں شریک ہو کر سفر اور جنگ کی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ بھوک اور پیاس کو برداشت کر رہے ہیں مگر مدینہ اور اطراف کے بعض لوگ گھروں میں آرام و سکون کے ساتھ بیٹھے ہیں، کیا وہ لوگ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر قابل ترجیح ہیں؟ اہل ایمان کا شیوہ تو یہ ہے کہ وہ اپنی جان اللہ کے نبی کی جان پر نثار کر دیں اور اُن کی راحت کو ملحوظ رکھیں مگر یہاں الٹ ہو گیا ہے یہ لوگ گھروں میں آرام کر رہے ہیں اور حضور علیہ السلام مصائب پر مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ ایک صحابی ابو خیثمہؓ بھی اس غزوہ میں پیچھے رہ گئے تھے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی، اُن کا باغ تھا، فصل پکنے

کو تیار تھا حسین جمیل بیوی نے وہاں پانی کا چھڑکاؤ کیا تاکہ ابو خیثمہ وہاں آرام کریں۔ جب وہ باغ میں پہنچے تو آرام و سکون کی جگہ کو دیکھ کر انہیں یکدم خیال آیا کہ میں یہاں سائے میں اپنی بیوی کے ہمراہ بیٹھا ہوں مگر اللہ کا رسول دھوپ اور گرمی کی تکالیف برداشت کر رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سوچ کر مجھ پہ بجلی سی گر پڑی، میں نے سب کچھ وہیں چھوڑا، سواری لی اور تنہا ہی حضور علیہ السلام کے پیچھے چل پڑا۔ قافلہ بہت دور جا چکا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ تھا تو میں بھی قریب پہنچ گیا۔ اُدھر جب حضور علیہ السلام نے دور سے گرد و غبار اٹھتا دیکھا تو اپنے نورِ بصیرت سے فرمایا کہ آنے والا ابو خیثمہ ہونا چاہیئے اور حقیقت میں ایسا ہی تھا۔

کعب بن مالک رضؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو وہ خیال کرتے رہے کہ آج چلا جاؤں گا، کل روانہ ہو جاؤں گا، اسی طرح پندرہ بیس دن گزر گئے اور وہ روانہ نہ ہوئے پھر انہیں ندامت ہوئی اور انہوں نے واپسی پہ حضور کے سامنے ساری بات سچ سچ کہہ دی جس پہ اللہ نے انہیں سخت ابتلاء میں ڈالا اور پچاس دن کے بعد اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ مطلب یہ کہ اِن کے لیے یہ بالکل مناسب نہیں تھا کہ حضور تو سفر پہ روانہ ہوں اور یہ گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔

حضرت خبیب رضؓ کا واقعہ طبقات ابن سعد میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ جب مشرکین آپ کو سولی پہ لٹکا رہے تھے تو انہوں نے کہا، اے خبیب! اس وقت تو تم ضرور دل میں خیال کرتے ہو گے، کاش کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تمہاری جان بچ جاتی حضرت خبیب رضؓ نے جواب دیا، ظالمو! خوب سن لو! اگر میری ستّر جانیں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں تو مجھے کبھی یہ بھی گوارا نہیں ہو گا کہ میرے آقا کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے، تم کس خیال

میں ہو؟ وجہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ نبی کی جان کو اپنی جان پر ترجیح دیتے تھے۔
اسی طرح حضرت ابو دجانہ ؓ کا احد والا واقعہ بھی طبری میں موجود ہے۔ جب دشمن کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی تو انہوں نے اللہ کے نبی کے سامنے اپنی پشت کو ڈھال بنا رکھا تھا۔ اُن کی پشت پر چور اسی[۸۴] تیر لگے۔ اتنی تکلیف اٹھائی مگر یہ نہ پسند کیا کہ اللہ کے نبی کو کوئی تکلیف پہنچے۔ تو مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ نبی کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دے نہ کہ اپنی جان کو نبی کی جان پر ترجیح دے۔

جہاد کا اجر و ثواب

فرمایا ذٰلِكَ جہاد میں شرکت کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کہ مجاہدین کو اللہ کے راستے میں جو بھی پیاس، تھکاوٹ اور بھوک پہنچے وَلَا يَطَـُٔونَ مَوْطِئًا اور جس روندنے کی جگہ کو بھی وہ روندیں يَغِيظُ الْكُفَّارَ جس سے کافر غصہ میں آئیں۔ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اور جو کچھ بھی وہ دشمن سے پائیں اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ تو ان سب چیزوں کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جائیگا یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ایک مجاہد کو عام طور پر پیش آتی ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے بھوک پیاس اور تھکاوٹ کا ذکر ہے۔
پہلے بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ تبوک کے ضمن میں اسلامی لشکر کو کس قدر بھوک اور پیاس برداشت کرنا پڑی۔ خوراک کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور پھر دو دو مجاہدین کو ایک ایک کھجور پر گزارا کرنا پڑا۔ جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو اونٹ کی اوجھڑی کے آلائش شدہ پانی سے حلق کو تر کرتے رہے۔ اس سفر میں سواریوں کی کمی کی وجہ سے اکثر صحابہ ؓ کو یہ سفر پیدل طے کرنا پڑا جس کی وجہ سے تھکاوٹ کا ہو جانا بھی فطری تھا۔
کسی جگہ کو پاؤں سے روندنے کا مطلب یہ ہے کہ دور دراز کا سفر

کر کے دشمن کے علاقہ میں جانا ہوتا ہے۔ مَوۡطِئًا اگر ظرف کے طور پر استعمال ہو تو معنیٰ ہو گا روندنے کی جگہ اور اگر یہ مصدر سمجھا جائے تو مطلب روندنا ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ محاذِ جنگ پر پہنچنے کے لیے راستے کی جتنی بھی تکالیف برداشت کریں گے جو کفار کو غصہ دلائیں، ظاہر ہے جب کسی دوسرے ملک کی زمین کو پاؤں سے روندا جائے گا تو وہ ضرور غضبناک ہو گا اور اُسے غصہ آئے گا۔ لہٰذا دشمن کی طرف سے غصے کا اظہار اور اس سے حاصل ہونے والی ہر چیز خواہ وہ مال کی صورت میں ہو یا اسلحہ کی صورت میں، خوراک کا ذخیرہ ہو یا مویشی ہوں۔ جزیہ ہو یا پھر دشمن کے لوگ قیدی بنا لیے جائیں، جو کچھ بھی حاصل ہو، فرمایا ان تمام چیزوں کے بدلے یعنی مجاہدین اسلام کے ہر ہر عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کے نامۂ اعمال میں نیک عمل لکھ لیتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ کے راستے کے گھوڑے کی لید، پیشاب اور اس کا اچھلنا کودنا بھی نیکیوں میں درج ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن ان تمام چیزوں کا اجرِ عظیم حاصل ہو گا کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا بلکہ انہیں ہر نیک عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔

مال خرچ کرنے کا اجر

یہ تو اللہ نے ذاتی محنت و کاوش کا اجر و ثواب بیان فرمایا اب آگے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان ہو رہی ہے۔ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَۃً صَغِیۡرَۃً وَّلَا کَبِیۡرَۃً یہ مجاہدین جو بھی خرچ کریں گے تھوڑا یا زیادہ۔ اللہ کے راستے میں حسبِ حیثیت خرچ کرنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ صاحبِ مال صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے ہر ضرورت کے موقع پر دل کھول کر خرچ کیا۔ صدیق اکبرؓ نے اس غزوہ کے موقع پر گھر کا سارا اثاثہ لا کر پیش کر دیا۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ گھر میں صرف اللہ اور

اُس کے رسُول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال لا کر پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس قدر خرچ کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اگر آج کے بعد عثمانؓ کوئی نیکی بھی نہ کرے تو کامیابی کے لیے اس کا یہی عمل کافی ہے۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا عام قانون یہ ہے کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ دس گنا ثواب عطا کرتا ہے مگر جہاد کے سلسلے میں انفاق فی سبیل اللہ کا کم از کم اجر سات سو گنا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ جتنا عطا کر دے اس کی کوئی حد نہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی مع کجاوہ اور پالان جہاد کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا، بہت اچھا، اللہ تمہیں اس کے بدلے میں قیامت کے دن اسی طرح کی کسی کسائی سات سو اونٹیاں دے گا۔

فرمایا وہ جو بھی کم یا زیادہ خرچ کریں وَلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اور جہاد کے لیے کوئی بھی وادی یا میدان طے کریں اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ تو اُن کے لیے لکھ دیا جاتا ہے لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تاکہ اللہ ان کو بہتر بدلہ دے اُن کاموں کا جو وہ انجام دیتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام سے مراد نیکی کے کام ہیں کیونکہ برائی کے کام پہ تو اچھا بدلہ نہیں ملتا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض کام حسن ہوتے ہیں اور بعض احسن، مگر جزائے عمل ہمیشہ احسن ہوتی ہے خواہ نیکی کا عمل معمولی نوعیت کا ہو یا اعلیٰ درجے کا۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کے لیے بہتر سے بہتر اجر عطا فرماتا ہے

بہرحال اِن آیات میں جہاد کی فضیلت اور اس سے ہونے والے نفع کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ کے راستے میں نکلنے والے مجاہدین کا ہر ہر فعل اور اُن کے راستے میں آنے والی ہر ہر مشکل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا کرے گا۔ اسی طرح جہاد کے لیے خرچ کرنے کا اجر، خواہ تھوڑا خرچ کیا گیا ہو یا زیادہ، ہمیشہ بہترین ہی ہوگا۔

درس چہل و دو ۴۲ — آیت ۱۲۲

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ ع ۱۵

ترجمہ :- اور یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے ہی مومن کوچ کر جائیں (جہاد کے لیے) پس کیوں نہ نکلے ہر گروہ میں سے ایک حصہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں، اور تاکہ وہ ڈرائیں اپنی قوم کو جس وقت کہ اُن کی طرف واپس لوٹ کر آئیں تاکہ وہ لوگ بچ جائیں ﴿۱۲۲﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت بیان فرمائی تھی کہ مدینہ اور اطراف میں رہنے والوں کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ جہاد سے گریز کرتے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ جہاد کے سفر میں رسولِ خدا کے ساتھ رفاقت اختیار کرتے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو چاہیئے تھا کہ وہ نبی کی جان کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ کے راستے میں جو بھی تکلیف، پریشانی یا مشقت برداشت کرنی پڑیگی، اللہ تعالیٰ ہر ایسی بات کے بدلے میں نیکی لکھے گا۔ اور اس کا بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

تقسیم کار

جب اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی بار بار مذمت بیان فرمائی تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ ہر مسلمان کی ہر جہاد میں شرکت لازمی ہوگئی ہے اور

اس سے کسی صورت میں بھی گریز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اعلانِ جہاد کے ساتھ ہی سب کے سب لوگ اس کے لیے نکل کھڑے ہوں خواہ باقی امورِ دنیا کو نظر انداز ہی کرنا پڑے۔ چونکہ یہ بات منشائے خداوندی کے مطابق نہیں تھی لہٰذا آج کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم کار کی تعلیم دی ہے کہ تمام لوگ صرف ایک ہی کام کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں بلکہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں تو بعض دوسرے دیگر امور کا کام سنبھالیں تاکہ اجتماعی زندگی میں کسی قسم کا تعطل نہ پیدا ہو جائے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت جہاد کے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق دین کی تعلیم حاصل کرنے سے ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ اگر آیت کا یہ معنیٰ لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ تعلیمِ دین کے حصول کے لیے سب کے سب لوگ ہی گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ ہر جماعت، گروہ، خاندان یا قبیلہ میں کچھ آدمی اس کام کی طرف توجہ دیں اور باقی لوگ اپنے اپنے کاروبار کی طرف متوجہ رہیں۔ کوئی زراعت یا تجارت کا کاروبار کرتا ہے، صنعت و حرفت میں مشغول ہے یا ملازمت اختیار کیے ہوئے ہے، تو وہ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہیں تاکہ بحیثیت مجموعی نظام زندگی کسی تعطل کا شکار نہ ہو جائے۔ اور جو لوگ تعلیم دین کی طرف متوجہ ہوں، وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے خاندان، گروہ یا قبیلے میں واپس آکر باقی لوگوں کی دینی امور میں راہنمائی کریں تاکہ وہ بھی اچھائی اور برائی میں تمیز پیدا کر کے برائیوں سے بچ سکیں۔

فریضۂ جہاد

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت کے لیے لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہر وقت مستعد رہے اور باقی لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں۔ اس طرح جہاد کا فریضہ سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

اور اگر پوری جماعت المسلمین میں سے کوئی شخص بھی جہاد کے لیے تیار نہ ہو تو پھر پوری کی پوری جماعت گنہگار ہوگی۔

البتہ خاص حالات میں جہاد فرضِ عین بن جاتا ہے۔ جب دشمن مسلمانوں کے علاقے میں حملہ آور ہو جائے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں ہر مسلمان مرد، عورت، بچے اور بوڑھے پر جہاد فرض عین ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی پیچھے نہیں رہ سکتا بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جہاد میں حصہ لینا لازمی ہو جائے گا۔ نوجوان آگے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کریں گے جب کہ بوڑھے لوگ سامان مہیا کرنے یا شہری نظام کو چلانے کے ذمہ دار ہوں گے، اگر زخمیوں کی عیادت وغیرہ کے لیے یا خوراک بہم پہنچانے کے لیے عورتوں کی خدمات درکار ہوں گی تو وہ بھی اپنے حصے کا فریضہ انجام دیں گی۔ غرضیکہ ضرورت کے وقت ہر فرد پر جہاد فرض ہو جائے گا۔

فریضہ علم

جس طرح جہاد کے دو حصے ہیں۔ اسی طرح حصولِ علمِ دین بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ علمِ دین کا بعض حصہ فرضِ کفایہ اور بعض حصہ فرضِ عین ہے۔ فرضِ عین وہ حصہ ہے جو ہر مرد اور عورت کے لیے حاصل کرنا لازم ہے۔ حضور کا بیہقی شریف میں فرمان موجود ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ یعنی ہر مسلمان مرد، عورت پر علم کا حصول فرض ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ اس میں عقیدے کی درستگی، توحید کا جاننا، شرک کا پہچاننا، رسالت پر ایمان، قیامت پر ایمان وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ایسی بنیادی چیزیں ہیں جن پر دین کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس علم کا حاصل کرنا ہر عاقل بالغ کے لیے ضروری ہے اور اس سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے فرضی عبادات کے متعلق علم حاصل کرنا بھی فرضِ عین ہے۔ نماز اور روزہ کے مسائل کا جاننا، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی، واجبات اور سنن کا علم وغیرہ فرضِ عین میں داخل ہے۔ اسی طرح حلال و حرام کی تمیز، سود اور تجارت میں

امتیاز کرنا، حقوق العباد کا علم ہونا وغیرہ سب کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص محض لاعلمی کی بناء پر کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریگا یا کوئی غلط کام کرے گا تو وہ مجرم ہوگا علمِ دین کا دوسرا حصہ اسلام کی جزئیات DETAILS پر مشتمل ہے اور فرضِ کفایہ میں آتا ہے۔ اس میں شریعت کے تفصیلی مسائل آتے ہیں۔ نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے تفصیلی مسائل، نکاح، طلاق، وراثت، صلح و جنگ وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن پر عبور حاصل کرنا ہر شخص کے لیے ضروری نہیں بلکہ قوم میں سے بعض لوگ بھی اگر تفصیلی علمِ دین حاصل کر لیں گے اور بوقت ضرورت دوسرے لوگوں کی راہنمائی کرتے رہیں گے تو یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر کسی حلقے میں کوئی بھی شخص یہ تفصیلی علم حاصل نہ کرے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت ایک عام آدمی کس سے مسئلہ دریافت کریگا؟ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ اور اگر پوری بستی میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو لوگوں کی راہنمائی کر سکے، ان کو حق و باطل اور حرام و حلال سے آگاہ کر سکے، ان کے نکاح طلاق اور وراثت کے مسائل حل کرے، ان کو زکوٰۃ اور حج کی تفصیلات بتا سکے تو پھر اس لاعلمی کا وبال سب پر پڑے گا۔ یہ ایسا ہی فرضِ کفایہ ہے جیسے میت کی تجہیز و تکفین اور اس کا جنازہ وغیرہ اگر یہ کام بعض مسلمان انجام دے لیں گے تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائیگا اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہیں دے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

علمِ دین کا حصول

یہاں پر چونکہ علمِ دین کی بات ہو رہی ہے تو مطلب یہ ہے کہ کسی شہر یا بستی کے سارے کے سارے لوگ ہی علم حاصل کر لے سکے لیے تو نہیں جا سکتے۔ بلکہ نظامِ زندگی کو چلانے کے لیے کسی کو مزدوری کرنا ہے کسی کو کھیتی باڑی کا کام انجام دینا ہے، کوئی تاجر ہے، کوئی صنعت کار ہے سب کو اپنا

اپنا کام انجام دینا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ شراکتی کاروبار کرتے تھے چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کُنَّا نَتَنَاوَبُ ہم دونوں نوبت بنوبت یعنی باری باری حضور کی خدمت میں آتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور میرا شریک کار بکریوں کو سنبھالتا، ان کو پانی پلاتا اور کھیتی باڑی پر توجہ دیتا۔ میں دن بھر حضور علیہ السلام کی مجلس میں جو کچھ سنتا وہ اپنے ساتھی کو جا کر بتا دیتا۔ پھر اگلے دن میں کام کاج کی نگرانی کرتا اور میرا ساتھی دن بھر حضور کی خدمت میں حاضر رہتا، جو آیت نازل ہوتی یا نبی علیہ السلام کی طرف سے حکم جاری ہوتا تو وہ مجھے آکر بتا دیتا۔ اس طرح ہم نے باری مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دونوں علم حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے تو کاروبار کرنا ممکن نہیں رہتا تھا۔

اس آیت کریمہ میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً اور اہل ایمان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ سارے کے سارے ہی نکل جائیں۔ کیونکہ اس طرح تو پورا نظام زندگی ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اسی لیے فرمایا فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ پس کیوں کوچ نہیں کیا ہر فرقے یا جماعت میں سے ایک گروہ نے۔ ہر بستی، خاندان یا قبیلہ سے کچھ آدمی حصول علم کے لیے یا جہاد کے لیے چلے جاتے اور باقی لوگ زندگی کے بقیہ امور انجام دیتے۔ جہاد کے ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس گھر میں دو آدمی ہیں ان میں سے ایک جہاد کے لیے چلا جائے اور دوسرا سارے گھر کا کام سنبھال لے اسی طرح ہر گھر یا بستی یا خاندان میں کچھ لوگ حصول علم کے لیے جائیں اور باقی دنیا کے کام انجام دیتے رہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ تاکہ دین کا علم حاصل کرنے والے لوگ دین میں سمجھ پیدا کریں وَلِيُنْذِرُوا

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ تاکہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹیں تو ان کو ڈرائیں۔ اپنے علم کی روشنی میں انہیں نیکی اور بدی کی تمیز کرائیں۔ اور ہر برے عمل کے نتائج سے آگاہ کریں جس سے وہ ڈر جائیں اور برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ کہ وہ لوگ دنیا و آخرت کی ناکامی اور سزا سے بچ جائیں گے۔ جب دین کی تعلیم عام ہوگی، لوگوں کو اچھے کام کی طرف رغبت ہوگی اور برے کام سے نفرت پیدا ہو جائیگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔

علم کا حصول کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے اور سخت محنت کرنی پڑتی ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں[1] انما العلم بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ یونہی گھر بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتا بلکہ استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا پڑتا ہے۔ علم کے حصول کے لیے محدثین کرام نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔ امام بخاریؒ، امام محمدؒ، مصنف عبدالرزاقؒ وغیرہم کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حصول علم کے لیے سفر طے کیے۔ راستے کی صعوبتیں برداشت کیں، بھوکے اور پیاسے رہے۔ اس کام کے لیے عمر کا قیمتی حصہ صرف کیا، تو تب جا کر دین میں سمجھ پیدا ہوئی اصل علم دین کا علم ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ جہاں دین کو مؤخر کر کے دنیا اور پیٹ کو مقدم کیا جاتا ہے۔ وہاں ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

علم فقہ

لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ میں تفقہ سے مراد فہم، فقاہت اور سمجھ ہے اور فقہ سے مراد وہ اسلامی قانون ہے جسے آئمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے عام امت کے سامنے آسان صورت میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں امت پر سب سے زیادہ احسان

[1] بخاری صہ ۱۶ ج ۱ (فیاض)

امام ابو حنیفہؒ کا ہے جنہوں نے قرآن وسنت سے ریسرچ کر کے اس علم کو مرتب کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ بحیثیت انسان ہر شخص سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، کوئی بھی شخص غلطی سے پاک نہیں۔ اس بنا پر فقہ میں بھی بعض غلطیاں ہو سکتی ہیں مگر ان محدود غلطیوں کی وجہ سے ساری فقہ کو نفرت کا نشانہ بنانا درست نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فقاہت کی تعریف فرمائی ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین میں سمجھ اور فقاہت عطا کرتا ہے[1]۔ دین کی تعلیم کو ہمیشہ اولیّت حاصل ہے جب کہ دنیا کے علوم وفنون کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا علم محض اسبابِ معاش پر مبنی ہے جب کہ آخرت کی کامیابی کا انحصار علمِ دین پر ہے۔ اگر دین کا علم صحیح نہیں ہو گا تو گمراہی پیدا ہو گی، فرقے پیدا ہوں گے لوگ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

بہر حال فقہ ایک قابلِ تعریف چیز ہے جسے فقہائے کرام نے قرآن وسنت سے اخذ کر کے پیش کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقہ کی تعریف یہ ہے معرفۃ النفس مالھا وما علیھا یعنی انسانی نفس کے لیے اُن چیزوں کی پہچان جو اُس کے حق میں مفید یا مضر ہیں۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ منافق آدمی میں دو باتیں کبھی نہیں پائی جاتیں حُسْنُ خُلُقٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ ایک چیز خوش اخلاقی ہے جو منافق میں نہیں ملتی، وہ ہمیشہ گالی گلوچ، غیبت، بدزبانی، ایذا رسانی وغیرہ پر آمادہ رہتا ہے۔ اور دوسری چیز تفقہ فی الدین ہے منافق کو دین کی سمجھ بھی حاصل نہیں ہوتی۔ دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور یہ اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے۔

[1] بخاری ص ۱۶ ج ۱ (فیاض)

محنت کا [illegible]

دین کے اصول اور فروع کو جاننے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مقولہ ہے اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ۔ جب تک تو علم کے لیے اپنا سب کچھ وقف نہیں کر دیگا۔ اس وقت تک علم اپنا بعض حصہ بھی تمہیں نہیں دے گا۔ علم کے حصول کے لیے مال، وقت، توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے سلف صالحین نے اس کام پر عمریں صرف کر دیں۔ محض اخبارات اور رسائل پڑھ کر کوئی شخص مجتہد نہیں بن سکتا اور نہ ریسرچ کے نام پر کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کا نام دے سکتا ہے، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینا علم نہیں بلکہ حماقت ہے۔ یہ تو بے دینی اور نفاق کی علامت ہے۔ ایسا کرنا غیر اقوام کی تقلید کا نتیجہ ہے، اسے علم نہیں کہہ سکتے۔ علم کے لیے تو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے سلف مفسرین اور محدثین باعمل لوگ تھے۔ انہوں نے دین کے لیے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں، کتابیں لکھیں اور لوگوں کو تعلیم دی اور اس طرح دین کے پودے کی آبیاری کی۔ انگریزی نظام تعلیم میں نہ تو استاد کا احترام ہے اور نہ شاگرد کو اپنے فرائض کا علم ہے۔ یہاں تو لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان اور استادوں اور شاگردوں کے درمیان معاشقے چلتے ہیں۔ گپیں لگائی جاتی ہیں، عریانی کا زور دورہ ہوتا ہے، یہاں ادب و احترام کا لحاظ کہاں ہوتا ہے؟ اس کے برخلاف دینی علم کے اساتذہ اور طلباء میں ہر درجے کا ادب و احترام اور شفقت و محبت دیکھنے میں آتا ہے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے جمعیۃ العلمائے ہند کی میٹنگ میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ میرے گھٹنوں میں درد ہوتا تھا مگر میں شیخ کے سامنے بیٹھ کر چار چار گھنٹے تک گھٹنا تبدیل نہ کرتا کہ یہ خلاف ادب تھا۔ یہ تو ہمارے دور کے بزرگوں کا حال ہے۔ ان میں جس قدر ادب تھا ویسا ہی انہوں نے فیض بھی جاری کیا۔

علمِ دین کا فقدان

یہ زمانہ سخت انحطاط کا زمانہ جا رہا ہے جس میں علمِ دین کی طرف رغبت ہی باقی نہیں رہی۔ جب تک صحیح علم نہیں ہوگا لوگوں کی مشکلات کا حل کیسے پیش کیا جا سکے گا۔ ۱۹۴۰ء میں سیالکوٹ کی طرف پیدل سفر کرتے ہوئے ظہر کی نماز کے لیے ایک گاؤں کی مسجد میں پہنچے تو پتہ چلا امام صاحب نہیں ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس علاقے کے سات گاؤں کا ایک ہی امام ہے جو ہفتہ میں ایک دن ہر گاؤں میں جاتا ہے اور ایک آدھ نماز پڑھا دیتا ہے۔ البتہ نکاح، جنازہ، ختم وغیرہ کے لیے ضرورت ہو تو مولوی صاحب کو بلا لیا جاتا ہے۔ انحطاط کی انتہا ہے کہ بستیوں کی بستیاں علم دین سے خالی ہیں۔ لوگ دنیا کی طرف راغب ہیں، تفقہ فی الدین کون حاصل کرے گا؟ پنجاب کے آسودہ حال زمینداروں، تاجروں، صنعتکاروں اور وکلا کو دیکھ لیں۔ آج کون ہے جو اپنی اولاد کو تعلیم دین کے لیے وقف کرتا ہے سب دنیاوی تعلیم کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ یہ تو پس ماندہ علاقوں کے غریب غربا لوگ مدرسوں میں آتے ہیں۔ ان میں کچھ مفاد پرست اور خود غرض ہوتے ہیں، تاہم اللہ انہی میں سے بعض کو توفیق عطا کرتا ہے اور کسی حد تک تعلیمی ضروریات پوری ہوتی ہیں ورنہ عام طور پر یہ میدان خالی نظر آتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو ! لڑتے رہو اُن لوگوں سے جو تمہارے قریب ہیں کافروں میں سے ۔ اور چاہیئے کہ وہ پائیں تم میں سختی ۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿١٢٣﴾

ربط آیات

اس سورۃ میں زیادہ تر قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے ، اور اس سلسلے میں منافقین کی بہت سی مذمت بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ جہاد سے پیچھے رہتے تھے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن اہل ایمان کو تنبیہ کی گئی ہے جو محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے ۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے جہاد اور حصولِ علم کی فرضیت کا ذکر بھی کیا ۔ عام حالات میں یہ دونوں چیزیں فرض کفایہ ہوتی ہیں ۔ اگر مسلمانوں میں مجاہدین کی ایک ایسی جماعت موجود ہو جو جہاد کے لیے ہر وقت مستعد ہو تو باقی مسلمانوں کی طرف سے بھی یہ فریضہ ادا ہو جائے گا ، اور اگر کوئی بھی مسلمان جہاد کے لیے تیار نہ ہو تو پھر سارے کے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے ۔ حصولِ علم بھی اسی طرح فرض کفایہ ہے اگر ان میں سے کچھ لوگ حصولِ علمِ دین کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ فریضہ سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی علم دین حاصل نہ کرے اور لوگ امورِ دین سے بے بہرہ ہی رہیں تو پھر سب گنہگار ہونگے مقصد یہ ہے کہ دنیا کا نظام بھی قائم رہے اور جہاد اور علم کے تقاضے بھی پورے ہوتے رہیں ۔ جہاد اور تعلیم بعض اوقات فرض عین بھی

بن جاتے ہیں۔ جب دشمن حملہ آور ہو تو ضرورت کے مطابق ہر مسلمان عورت مرد، چھوٹے، بڑے کو اپنی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق جہاد میں حصہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علم کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک فرض عین اور دوسرا فرض کفایہ۔ انسان کے بنیادی عقاید اور اس کے ذمہ فرائض کا جاننا فرض عین ہے۔ جب کہ شریعت کی جزئیات کا علم فرض کفایہ میں داخل ہے۔

جہاد کی مختلف صورتیں

جہاد کی مختلف صورتیں ہیں جن میں علم کا حصول اور پھر اس کی تبلیغ بھی شامل ہے۔ تبلیغ زبان کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور کتب کی اشاعت کے ذریعے بھی۔ اس کے علاوہ مال کے ذریعے بھی جہاد ہوتا ہے۔ اور سب سے اہم صورت جہاد میں بنفس نفیس شرکت ہے۔ جہاد کبھی دفاعی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی اقدامی شکل میں۔ جب دشمن ہجوم کر جائے تو پھر ملکی دفاع کے لیے ہر چھوٹا بڑا اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ جہاد کی یہ دونوں صورتیں روا ہیں اور اہل اسلام کے لئے لازم ہیں۔ اگر اہل ایمان جہاد سے غفلت برتیں گے تو ملت پر زوال آئے گا اور قوم ترقی کی بجائے تنزل میں چلی جائے گی۔

مسلمان اور فریضہ جہاد

جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد زندہ رہا ان کو ترقی نصیب ہوتی رہی۔ مگر جب یہ جذبہ کمزور ہونا شروع ہو گیا تو ملت انحطاط کا شکار ہو گئی۔ اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کا کوئی مرکز نہیں۔ دنیا میں پچاس کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں مگر مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے باہمی ربط مفقود ہے اس کے برخلاف عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں کے مضبوط مرکز موجود ہیں جو منظم طریقے سے مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ریاستیں اتنی کمزور ہو چکی ہیں کہ وہ کسی بڑی طاقت کے خلاف نبرد آزما نہیں ہو سکتیں جہاد کی اہمیت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے[1] مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ

[1] مسلم ص ۱۴۱ ج ۲ (قیاس)

جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ نہ تو اُس نے بالفعل جہاد کیا اور نہ اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی بات سوچی تو ایسا شخص نفاق کے شعبے پہ مرا۔ ایک مقام پہ ایسے شخص کے متعلق آتا ہے مَاتَ مِیْتَۃً الْجَاھِلِیَّۃِ یعنی ایسا شخص جاہلیت کی موت مرا کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان پہ جہاد کی تیاری کرنا فرض ہے جس دن مکہ فتح ہو گیا، فرمایا آج ہجرت تو ختم ہو گئی۔ البتہ جہاد اور اس کی نیت کا سلسلہ نزولِ مسیح تک جاری رہیگا۔ اگر کسی کو موقع نہیں مل سکا کہ وہ جہاد میں شریک ہو تو کم از کم اُس کی نیت یہ ہونی چاہیئے کہ جب بھی موقع ملا وہ بلا چون وچرا جہاد میں حصہ لے گا۔

مرکزیت اسلام

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ مسلمانوں کی مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں ان کی حالت بہت کمزور ہے۔ ایک امید پیدا ہوئی تھی کہ پاکستان پوری دنیا کے لیے مرکزِ اسلام بن جاتا مگر افسوس کہ اب تک مسندِ اقتدار پہ آنے والے سربراہان میں سے کسی نے بھی اس کام کو اولیت نہیں دی۔ اسلام کا نام تو ہر آنے والے نے لیا کیونکہ پاکستان کے پچانوے فیصد باشندے نسلی طور پہ مسلمان ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں۔ تقسیم ملک کی وجہ سے مسلمان اس خطہ میں اکٹھے بھی ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حکمران اسلام کا نام لینے پر اس لیے مجبور رہے کہ عوام کی غالب اکثریت اسلام کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتی مگر حاکمانِ وقت نے نفاذِ اسلام کی ذمہ داری آج تک پوری نہیں کی۔ اب ہمارے افکار بھی مستعار ہیں، سیاست مغلوب ہے، کوئی اشتراکیت جیسے لعنتی نظام سے متاثر ہے اور کوئی امریکی اور یہ طاغوتی سرمایہ داری نظام کا گرویدہ ہے۔ یہ نظام بھی ملعون ہے کیونکہ اس نظام میں صرف دولت اکٹھی کی جاتی ہے، نہ تو ذرائع آمدنی کی حلت وحرمت کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ اخراجات پہ کوئی پابندی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلم انڈسٹری، کھیلوں کے فروغ اور عمارات کی تعمیر پہ بے دریغ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ فرعون

نے بڑے بڑے مینار تعمیر کر کے سرمایہ داری کا اظہار کیا تھا اور آج ہم بڑے بڑے سیکریٹریٹ، قصر صدارت اور اسمبلی ہالوں پر کروڑوں روپے خرچ کر کے عوام کی غربت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس نظام کو تو اللہ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے ختم کیا تھا، مگر آج وہی نظام سرمایہ داری پھر عود کر آیا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت

نزولِ قرآن کے زمانے میں دو بنیادی نظامہائے معیشت رائج تھے اُس وقت قیصر و کسریٰ کی دو سپر طاقتوں میں سے کسریٰ ایشیا اور یورپ کے کچھ حصے پر مسلط تھا جب کہ قیصر کی ماتحتی میں یورپ کا اکثر حصہ اور مشرق وسطیٰ کے علاقے تھے۔ اس زمانے میں نظامِ معیشت بھی دو طرح کے تھے ایک امریکہ اور برطانیہ جیسا نظام سرمایہ داری تھا جس کے ذریعے ہر جائز اور ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کر کے اُسے من مانے طریقے پر خرچ کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف اشتراکیت کا نظام تھا جس میں خدا کا سرے سے انکار ہی کر دیا گیا تھا۔ آج بھی دین کا تمسخر اڑایا جاتا ہے اور اسے افیون سے تعبیر کیا جاتا ہے اس نظام میں شخصی ملکیت کو ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار حکومت کی تحویل میں لے لیے جاتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ بات تھی کہ ان دو نظاموں کو نبی عربیؐ کے ذریعے ختم کر دیا جائے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں اباحیت یعنی حلال و حرام کا امتیاز دونوں نظاموں میں نہیں ہے، یہ صرف اسلامی نظامِ معیشت ہے جو حلال و حرام کی تمیز رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا صحیح تصور پیش کرتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو واضح کرتا ہے۔ اشتراکیت کے برخلاف اسلام نے ذاتی ملکیت کو ختم نہیں کیا کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے، اسلام نے حق ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تفاوتِ درجات کو بھی مانا ہے۔ اسلام میں کسی مسلمان یا غیر مسلم کو بنیادی حقوق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام کا یہ زریں اصول ہے کہ ہر شخص کو مکان، لباس، خوراک، صحت

اور تعلیم کی بنیادی سہولتیں ملنی چاہئیں مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہے۔ جب مسلمانوں کو دنیا میں کہیں اجتماعیت حاصل ہو۔ جب مسلمانوں کو اپنے وسائل پر مکمل کنٹرول نہ ہو اور انہیں استعمال کرنے کی استعداد نہ ہو، اسلامی فلاحی نظام کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟ آج تو حالت یہ ہے کہ ہمارے تمام ترقیاتی پروگرام بیرونی ماہرین تیار کرتے ہیں۔ کہیں کھیل تماشے کی ترقی کے لیے سکیمیں بن رہی ہیں تو کہیں فلم انڈسٹری کو ترقی دی جا رہی ہے سیر و سیاحت کی وزارتیں بنتی ہیں اور پھر ان پر کروڑوں روپے کے پلان غیر ملکی ماہرین تیار کرتے ہیں۔ اس انحطاط کی وجہ یہ ہے کہ عرب و عجم میں کہیں بھی مسلمانوں کو مرکزیت حاصل نہیں۔ برسرِ اقتدار لوگوں کو اپنے اقتدار کی فکر رہتی ہے کہ وہ قائم رہنا چاہیئے نام نہاد جمہوریت کے نام پر ہو یا مارشل لاء کے ذریعے سے۔ اسلام کا نام لینے سے اقتدار ملتا ہو یا سوشلزم کا پرچار کرنے سے۔ اسلام بہر حال ایسے تمام باطل نظاموں کے خلاف ہے۔

جہاد کی طبعی ترتیب

درحقیقت ملّتِ حنیفیہ کا مرکز خانہ کعبہ تھا مگر وہاں پر مشرکوں کے غلبے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو ہجرت کرنا پڑی اور اس دوران اللہ نے اپنے نبی کے شہر مدینہ طیبہ کو مرکز کی حیثیت دے دی۔ تمام احکام اسی مرکز سے جاری ہونے لگے۔ چنانچہ جہاد کے متعلق جو حکم جاری ہوا وہ یہ تھا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ اے ایمان والو! کفار میں سے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے نزدیک ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے جہاد کا طبعی اصول بتایا ہے کہ دین کے غلبے کے لیے جنگ اپنے گھر سے شروع کرو جب تک تمہارے اپنے ملک کے لوگ ایمان نہیں لے آئیں گے یا مغلوب نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک تمہارا پروگرام بیرونِ ملک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر قریب والوں کو چھوڑ کر دور والوں سے مقابلہ شروع کر دیا جائیگا تو یہ ایک غیر طبعی فعل ہو گا۔ چنانچہ

حضور علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے خاندان اور ملک کے لوگوں یعنی قریش مکہ سے جہاد کا آغاز کیا۔ ۲ھ میں انہیں بدر کے مقام پر شکست دی۔ ۳ھ میں احد کے میدان میں اگرچہ مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا مگر قریش بھی اس سے کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو پے در پے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور بالآخر ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔ پھر اگلے سال یعنی ۹ھ میں حرم مکہ کو مکمل طور پر مشرکین سے پاک کر دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ مدینے کے اطراف میں یہودیوں اور عیسائیوں نے بڑی سازشیں کیں اور اسلام کو زک پہنچانے کی کوشش کی، اہل اسلام نے اُن کے خلاف بھی جہاد کیا، پھر دیگر قبائل عرب کو شکست دی اور اس طرح پورا خطہ عرب کفر اور شرک سے پاک ہو گیا۔ جب قریب والوں سے معاملہ صاف ہو گیا تو پھر ۹ھ میں ہی آپ نے بیرون ملک رومی سلطنت کی طرف توجہ کی اور غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے جس کے تفصیلی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں غرضیکہ جہاد کی ابتداء اپنے قریب والوں سے کر کے اس کا دائرہ بتدریج وسیع کیا گیا اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلفائے راشدین نے اس مشن کو جاری رکھا۔

جہاد بالنفس صاحب تفسیر حقانی نے امام ابن عربیؒ کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انسان سے قریب ترین اُس کا اپنا نفس ہے لہٰذا اس آیت کی رو سے سب سے پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے۔ عَدُوُّكَ الذی بَیْنَ جَنْبَیْكَ نَفْسُكَ یعنی تمہارا دشمن تو تمہارے پہلو میں بیٹھا ہے۔ یہ تمہارا نفس امارہ ہے سب سے پہلے اس کے خلاف جہاد کرو۔ ترمذی شریف کی روایت[۱] میں آتا ہے اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ یعنی مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ اگر تم نے اپنے نفس کو کنٹرول کر لیا تو تم شائستہ

[۱] ترمذی ص ۲۵۲ (فیاض)

انسان بن جاؤ گے، اور اگر تمہارا نفس ہی تمہارے بس میں نہیں تو پھر وہ کسی قانون کا پابند نہ ہوگا۔ وہ تو بدمعاشی، فحاشی، ظلم، زیادتی اور برائی پر ہی مائل ہوگا، ایسا نفس انصاف کو قائم نہیں رکھ سکتا، لہذا پہلے اپنے نفس کو ٹھیک کرو، جو تمہارے لیے قریب ترین ہے، پھر اس کے بعد دوسروں سے جہاد کرو۔

فرمایا کافروں کے ساتھ جہاد کا اثر یہ ہونا چاہیئے وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً کفار کے گروہ تمہارے اندر سختی پائیں۔ جب دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر اُن کے ساتھ نرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اُن کے ساتھ سختی کا ایسا سلوک کرو کہ وہ تم میں واضح طور پر سختی کو محسوس کریں۔ سورۃ فتح میں موجود ہے۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ" (المائدۃ) مومنوں کے لیے بڑے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہیں۔ اسی سورۃ میں پیچھے گزر چکا ہے" يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ اے نبی علیہ السلام! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کریں اور اُن پر سختی کریں۔ کفار کے ساتھ مادی سختی اور منافقین کے ساتھ زبانی سختی کا حکم ہے۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے انا نبی الرحمۃ نبی الملحمۃ میں رحمت والا نبی ہوں اور میں جنگ والا نبی ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا انا ضحوک القتال میں ہنس مکھ بھی ہوں لیکن لڑنے والا بھی ہوں۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ ایمان والوں میں سختی بھی ہونی چاہیئے جسے کفار محسوس کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے مگر آج ہم مسلمانوں کی حالت دیکھ رہے

ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے ساتھ نرمی اختیار کرتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے حق میں بڑے سخت اور تند خو ہیں ۔ اب تو سارا معاملہ ہی الٹ ہو چکا ہے۔ اگر آپس میں کوئی اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو اسے احسن طریقے سے طے کر لینا چاہیئے نہ کہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جائیں۔ آپ کی دشمنی انفرادی طور پر بھی پائی جاتی ہے اور حکومتی سطح پر بھی۔ دو مسلمان ملک ایران اور عراق کئی سالوں سے ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔ ہزاروں جانیں، اسلحہ اور جہاز تباہ ہو چکے ہیں جو بحیثیت مجموعی عالمِ اسلام کی کمزوری کا باعث بن رہے ہیں مگر دونوں فریق اپنی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمان مل کر بھی اِن کا تصفیہ نہیں کرا سکے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم موجود ہے کہ اگر دو مسلمان طاقتوں کے درمیان جنگ ہو جائے تو اِن کے درمیان صلح کرا دو اور اگر ان میں سے کوئی فریق زیادتی کرتا ہے تو اس کے خلاف کاروائی کرو "حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ" (الحجرات) یہاں تک کہ وہ اللہ کی بات کی طرف لوٹ آئے۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے میٹنگیں ہوتی ہیں، مشورے ہوتے ہیں، کمیٹیاں بنتی ہیں مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی پروگرام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ جب تک اس پروگرام پر عمل نہیں ہو گا۔ اصلاحِ احوال ممکن نہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُن کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیئے جس سے وہ سمجھ جائیں کہ مسلمان بڑے سخت ہیں اور ان کے خلاف ہماری کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ سختی کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ تمہارے دِل میں کوئی توسیع پسندانہ عزم یا ہوس ملک گیری نہیں ہونی چاہیئے، نہ ہی کسی سے مال چھیننا یا کسی کو ذلیل کرنا مقصود ہو۔ حضور علیہ السلام نے مجاہدین کو یہ دعا سکھائی تھی۔ اَللّٰهُمَّ هَازِمَ الْاَحْزَابِ

وَمُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ اے لشکروں کو شکست دینے، کتاب کو نازل کرنے اور بادلوں کو چلانے والے خدا، کافروں کو شکست دے اور ہمیں اُن پر غلبہ عطا کر۔ ہم تو تیری نازل کردہ کتاب کے پروگرام کو جاری کرنا چاہتے ہیں جب کہ یہ لوگ تیرے دین کو مٹانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ہماری اس میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔

متقین کے لیے بشارت

فرمایا یاد رکھو! وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ کی رفاقت، معیت، توجہ اور مہربانی متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور متقی وہ شخص ہے جو سب سے پہلے اپنے آپ کو کفر، شرک اور نفاق سے پاک کریگا۔ پھر شکوک وشبہات کو دور کریگا، اللہ کی مہربانی اسی صورت میں اُس کے شاملِ حال ہوسکتی ہے۔ اور اللہ کی مدد بھی جبھی ہوگی جب کوئی شخص قرآن کے پروگرام کو صحیح طور پر چلائیگا۔ منافقوں کی طرح ظاہر و باطن میں تضاد کا حامل شخص نصرتِ الٰہی کا مستحق نہیں ہوگا۔ جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد ہو، وہ نہ تو اللہ کے احکام کو اس کے بندوں پر نافذ کرسکتا ہے اور نہ اللہ کی رحمت اور اس کی امداد کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد شروع کرنے کے لیے ترجیحات کا تعین فرمایا ہے کہ پہلے قریب والوں کو صاف کرو اور پھر قدم بقدم آگے بڑھتے جاؤ۔ تمہارے اندر واضح طور پر سختی ہونی چاہیئے جسے دشمن محسوس کرے نیز تقویٰ کی راہ اختیار کرو کیونکہ خدا کی معیت متقیوں کو ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

درس چہل وچہار ۴۴ آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ
زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًاۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا
وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾
اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ
ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ
انْصَرَفُوْاؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾

ترجمہ:- اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ تو بعض اِن منافقین میں سے وہ ہیں جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کس کا زیادہ کیا ہے اس نے ایمان۔ بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے پس یہ سورۃ اُن کے ایمان کو زیادہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿١٢٤﴾ اور بہرحال وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس زیادہ کرتی ہے یہ سورۃ اُن کے لیے گندگی کو اُن کی گندگی کے ساتھ اور وہ مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوتے ہیں ﴿١٢٥﴾ کیا یہ (منافق لوگ) نہیں دیکھتے کہ بیشک اُن کو فتنے میں ڈالا جاتا ہے ہر سال ایک دفعہ یا دو دفعہ، پھر یہ توبہ نہیں کرتے اور نہ یہ نصیحت پکڑتے ہیں ﴿١٢٦﴾ اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی

ہے تو ان میں سے بعض بعض کی طرف دیکھتے ہیں کہ کیا تم
کو کوئی دیکھ رہا ہے ۔ پھر یہ پلٹ جاتے ہیں وہاں سے ۔ اللہ
نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ
ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے (۱۲۷)

ربطِ آیات

سورۃ توبہ میں زیادہ تر جہاد اور قتال کے متعلقات کا ذکر ہے منافقین کا ذکر بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے ۔ یہ لوگ جہاد میں عدم شرکت کے لیے حیلے بہانے بناتے تھے ، لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے ۔ اسی سورۃ میں ضمناً بعض دوسرے مسائل بھی آ گئے ہیں ۔ اب آخر میں بھی منافقین ہی کی قباحتوں کا ذکر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اہلِ ایمان ان کی سازشوں سے خبردار رہیں کیونکہ یہ خطرناک گروہ ہے اور انکی سرگرمیاں مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہیں ۔

دین کے چار دشمن

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ دینِ اسلام کے چار دشمن ہیں جن میں سے دو ظاہری اور دو باطنی ہیں ۔ باطنی دشمنوں میں نفس اور شیطان ہیں ، جو انسان کو ہمیشہ برائی پر آمادہ کرتے رہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے مقابلے کا طریقہ بھی بتایا ہے ۔ اور بیرونی دشمنوں میں کافر اور منافق ہیں ۔ کافر لوگ تو کھلے عام دینِ اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں ، لہذا مسلمان بھی ان سے بچنے کی تدابیر کرتے ہیں ۔ بلکہ جوابی حملہ کے لیے بھی سرگرم رہتے ہیں ۔ البتہ منافقوں کا گروہ سخت خطرناک ہے کیونکہ یہ لوگ علی الاعلان اسلام کے مقابلے پر نہیں آتے بلکہ خفیہ سازشیں کر کے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ آخری دور کی سورۃ توبہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دیگر سورتوں میں بھی منافقین کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے خبردار کر کے اپنا دفاع کرنے کی تلقین کی ہے ۔

اعتقادی منافقوں کا نفاق تو آسانی سے معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تمام سرگرمیاں درپردہ ہوتی ہیں ۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کا پردہ چاک کر دیتا

تو عام مسلمان بھی ان کی حرکات سے آگاہ ہو جاتے۔ اب چونکہ سلسلہ وحی ختم نبوت کے ساتھ بھی بند ہو چکا ہے لہذا اب ان کے نفاق کا اظہار مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے برخلاف عملی منافق ہر دور میں رہے ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اگرچہ یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے خصائل منافقوں جیسے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ایماندار کہتے ہیں مگر ایمان سے خالی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کو منافقوں سے پاک رکھیں

ایمان میں اضافہ

آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بعض بُری خصلتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ جب قرآن پاک کی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ تو ان میں سے منافقین کہتے ہیں أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نازل ہونے والی سورۃ نے زیادہ کیا ہے؟ یہ بات وہ تمسخر، طعن اور طنز کے طور پر کرتے ہیں۔ سورۃ انفال کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ مومن لوگ وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں" وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا" اور جب ان کے سامنے آیاتِ الٰہی کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ مگر منافقوں کا حال یہ ہے کہ کوئی نئی آیت یا سورۃ سن کر ایک دوسرے سے کن انکھیوں سے باتیں کرتے ہوئے استہزاءً کہتے ہیں کہ بھلا اس سورۃ سے کس کا ایمان بڑھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا جو لوگ حقیقت میں ایمان رکھتے ہیں، ان کا ایمان واقعی بڑھ جاتا ہے وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ اور وہ خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فائدے کے لیے کوئی نئی سورۃ نازل فرمائی ہے۔ نئی سورۃ میں ایسے احکام ہوں گے جن پر عملدرآمد کرنے سے اہل ایمان کو دنیا و آخرت

ہیں فائدہ حاصل ہوگا، یا ایسے احکام ہوں گے جن میں بعض قبیح چیزوں سے بچنے کی تلقین ہوگی۔ بہرحال ایمان والے لوگوں کے دلوں میں جذبۂ عمل بیدار ہوگا اور وہ نئی سورۃ پر عمل کر کے مزید فوائد حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہو جائیں گے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اگر اہل ایمان کے دلوں میں پہلے سے کوئی کھٹکا ہوتا ہے اور وہ نئی سورۃ کے نازل ہونے سے دور ہوجاتا ہے تو یہ چیز بھی مسلمانوں کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہے۔

نجاست میں اضافہ

اللہ نے فرمایا نئی سورۃ کے نزول پر منافقوں کی حالت یہ ہوتی ہے وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ بہرحال جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہوتا ہے۔ کفر، شرک، الحاد اور شک کی طرح نفاق بھی روحانی بیماری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے زخم میں پیپ پڑ جائے۔ جب خون پیپ میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے تو انسانی جسم تازہ خون سے محروم ہو کر ہلاک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نفاق ایک مرض ہے جس سے انسان کی روح خراب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جن کے دلوں میں نفاق کی غلاظت ہے تو نئی سورۃ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ اُن کی گندگی میں اضافہ کر دیتی ہے اُن کی پہلی گندگی کے ساتھ۔ ان کے دلوں میں پہلے ہی غلاظت ہوتی ہے تو نئی سورۃ اُس میں مزید اضافہ کر دیتی ہے وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور کفر ہی کی حالت میں اُن کی موت واقع ہوتی ہے۔

بہرحال ہر سورۃ ایک طرف اہل ایمان کے لیے علم، ایمان اور ہدایت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف منافقوں کے نفاق کی غلاظت میں اضافہ کرتی ہے سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ" قرآن پاک اہل ایمان کے لیے ہدایت اور شفا ہے "وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى"

اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بہرہ پن ہوتا ہے اور قرآن اُن کے اندھاپن میں اضافہ کرتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب تک انسان میں نفاق کی گندگی موجود ہوتی ہے، وہ قرآن پاک اور پیغمبر کی ذات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ جب تک گندگی دور نہ ہو قرآنی آیات فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ پہلے تخلیہ اور تحلیہ ضروری ہے۔ انسانی ذہن کفر، شرک، الحاد، نفاق اور شک سے پاک ہوگا، اس کی گندگی دور ہوگی تو اس میں نیکی، توحید اور ایمان کی بات سما سکے گی۔ اطباء بھی یہی کہتے ہیں کہ جب تک انسانی جسم میں گندے مواد موجود رہتے ہیں، اچھی سے اچھی غذا بھی مفید ثابت نہیں ہوگی۔ جوں جوں غذا استعمال کریگا جسم کی گندگی میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔ جب گندے مادے خارج ہو کر جسم صاف ہو جائے تو پھر اچھی غذا بھی مفید ثابت ہوگی۔ اسی طرح انسانی روح کے لیے قرآن و سنت صالح غذا ہے مگر یہ اسی وقت مفید ثابت ہوگی جب انسان کا دل و دماغ نفاق کے گندے مادے سے پاک ہو جائے گا۔ بہرحال اللہ نے نفاق کو گندگی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی سورۃ میں پیچھے گزر چکا ہے "فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ" یہ منافق گندے لوگ ہیں، آپ ان سے درگزر کریں۔ کامیابی کا مدار تو اعتقاد اور فکر کی پاکیزگی پر ہے اگر دل پاک نہیں تو پورا انسان ناپاک ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ نئی سورۃ منافقین کی غلاظت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں۔

منافقین کی آزمائش

فرمایا اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ سال میں ایک یا دو دفعہ ان منافقوں کو فتنے میں ڈالا جاتا ہے۔ کبھی جہاد میں شرکت پر ان کی آزمائش ہوتی تو کبھی مال خرچ کرنے کے موقع پر۔ کبھی کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے، کوئی افتاد پڑ جاتی

ہے تو منافقین کی آزمائش ہو جاتی ہے اور ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ چیزیں تازیانہ ہوتی ہیں۔ اللہ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ تازیانے پہنچتے رہتے ہیں۔ اگر آدمی کی فطرت صحیح ہو تو بُرے کام سے باز آجاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے۔ اور اگر باز نہیں آتا تو اپنی صلاحیت کو ضائع کر بیٹھتا ہے اور بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔ آزمائش انسان کے لیے تنبیہ ہوتی ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ۔ ان منافقوں کو سال میں ایک دو بار ضرور تنبیہ بھی ہوتی ہے مگر یہ ایسے بد وضع لوگ ہیں کہ اپنی قبیح حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ثُمَّ لَا یَتُوبُونَ یعنی توبہ کر کے اسلام کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آتے۔ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُونَ اور نہ ہی وہ تازیانے سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ جب آزمائش آئے تو انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

مجلس سے فرار

فرمایا منافقوں کی ایک قباحت یہ بھی ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ جب کوئی نئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو نبی کی مجلس میں موجود منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے ؟ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں موجود مخلص مسلمانوں میں سے اگر انہیں کوئی دیکھ رہا ہے تو بادلِ نخواستہ بیٹھے رہتے ہیں اور اگر سمجھتے ہیں کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں ثُمَّ انْصَرَفُوْا تو کھسک جاتے ہیں۔ یہ اُن کی بدبختی کی علامت ہے کہ اتنی اچھی اور پاکیزہ مجلس سے فرار کی راہ تلاش کرتے ہیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔ انہیں اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ نبی کی پاک محفل میں بیٹھ کر فیض حاصل کر سکیں۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں

کو ایمان سے پھیر دیا ہے ۔ اُن کے دلوں میں نفاق کی شدت اس قدر ہے کہ وہ کبھی توحید، نیکی اور ایمان کی طرف نہیں آ سکتے بلکہ وہ برائی کی طرف ہی جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب انسان برائی پہ اصرار کرتا ہے تو اللہ اس کی نیکی کی صلاحیت ہی ختم کر دیتا ہے ۔ پچھلی سورۃ میں گزر چکا ہے "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" (الانفال) یاد رکھو! اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور پھر اس کی نیکی کرنے کی توفیق ہی سلب کر لی جاتی ہے ۔ لہٰذا انسان کو توبہ کرنے اور پھر نیکی پہ عمل درآمد کرنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہیئے ۔ تو فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ ان کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے ۔ یہ مخلص مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور پھر مجلس میں بیٹھ کر بھی فائدہ نہیں اٹھاتے ۔ لہٰذا اللہ نے انہیں نیکی، ایمان اور اپنے نبی کی مجلس سے ہی پھیر دیا ہے ۔

بے سمجھ لوگ

فرمایا ان کی یہ بے نصیبی اس وجہ سے ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے ہی نہیں ۔ جو شخص اپنے فائدے اور انجام کو نہ پہچان سکے، اس سے زیادہ بے سمجھ کون ہوگا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ منافق آدمی کو دین کی سمجھ نہیں ہوتی، وہ رسم و رواج میں ہی پھنسا رہتا ہے ۔ منافق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کا اخلاق اچھا نہیں ہوتا اور دین میں سمجھ نہیں ہوتی ۔ جس شخص کا اخلاق اچھا ہے، دین کی باریک باتوں کو سمجھ کر ان پہ عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کے ضرور شاملِ حال ہوگی ۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قباحتیں بھی بیان کر دیں تاکہ اہلِ ایمان ان کی سازشوں سے خبردار رہیں اور ان پہ اعتماد نہ کریں ۔ یہ گروہ اسلام کے حق میں سخت مضر ہے ۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ان کے فریب میں آ کر کہیں دین میں نقصان نہ کر بیٹھیں ۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶/۵

ترجمہ:- البتہ تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسُول تم میں سے ۔ گراں گزرتی ہے اس پر وہ چیز جو تمہیں مشقت میں ڈالے ۔ وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۸﴾ پس اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیجئے ، کافی ہے میرے لیے اللہ تعالیٰ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ﴿۱۲۹﴾

ربطِ آیات

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کفر اور شرک کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور پھر جہاد کا حکم دے کر اُس سے متعلقہ قوانین بھی نازل فرمائے اللہ نے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ فریضۂ جہاد سے کوئی ذاتی اغراض مقصود نہیں بلکہ یہ سارا سلسلہ اقامتِ دین کے لیے وضع کیا گیا ہے ۔ اور اگر یہ لوگ کفر اور شرک کو چھوڑ کر دین کو اختیار کر لیں تو مقصد پورا ہو جاتا ہے چنانچہ سورۃ ہٰذا کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے "فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ"

یعنی اگر وہ تائب ہو جائیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اب اُن سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔

مضامین سورۃ توبہ

جہاد دشمن کے ساتھ براہِ راست لڑائی کا نام ہے مگر یہ لڑائی بذاتِ خود کوئی نیکی نہیں بلکہ یہ بالواسطہ نیکی ہے۔ جہاد کے ذریعے اقامتِ دین ہوتی ہے اور توحید کی اشاعت ہوتی ہے، اس واسطے یہ نیکی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں جہاد کے قوانین کے علاوہ نماز، زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جہاد ہی کے ضمن میں غزوہ تبوک کا اہم حصہ سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کر کے ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی جماعتی تنظیم اور مرکزیت کا ذکر آیا ہے مساجد کی حیثیت اور مسجدِ ضرار کا ذکر بھی آیا ہے، جہاد کو افضل الاعمال فرمایا گیا ہے۔ فرضیت جہاد کی دو صورتیں یعنی فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کا ذکر ہوا ہے ایمان والوں کے خصائل بیان ہوئے ہیں۔ جن لوگوں سے کوتاہی ہو گئی تھی اُن کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، اُن کی آزمائش اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات اور ان کی اصلاح کا پروگرام بتلایا گیا ہے، اور اب آخر میں رسالت اور توحید کا بیان آ رہا ہے۔

آج کی آخری [illegible] میں پہلے رسالت کا بیان ہے نبی کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ دین کا پورا پروگرام نبی کی معرفت ہی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول کی حیثیت کو بالکل واضح کر دیا ہے تاکہ کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ البتہ تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول۔ لفظ رَسُوْلٌ نکرہ ہے اور اس سے مراد بڑی شان اور عظمت والا رسول ہے یعنی اے لوگو! تمہارے پاس عظیم المرتبت رسول آیا ہے۔ اور وہ رسول کون ہے؟ مِنْ اَنْفُسِكُمْ

تمہاری جانوں میں سے ہے یعنی تمہاری ہی جنس بشر یا انسانوں میں سے ہے۔ اللہ کے تمام رسول بشر یا انسان تھے مگر کامل درجے کے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن میں اخلاق اور اعمال کا انتہائی درجہ رکھا تھا، گویا بشریت انبیاء کا اقرار بھی ضروری ہے۔ "قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ" (الکہف) میں پیدائشی طور پر تمہاری طرح انسان ہوں لیکن میری طرف وحی آتی ہے۔ اللہ نے نوع انسانی کے لیے اپنے انبیاء علیہم السلام کو نمونہ بنایا تاکہ سب لوگ ان کے نقشِ قدم پر چل کر کامیابی کی منزل تک پہنچ جائیں۔ اگر اللہ کے نبی نوعِ انسانی کے علاوہ کسی دوسری جنس سے ہوتے تو انسان اُن سے کماحقہ استفادہ نہ کر سکتے۔ مثال کے طور پر اگر ملائکہ یا جنات کو انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو انسان ان سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف انہی کی جنس سے اُن کی طرف رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ اُن کا اتباع کر سکیں یہاں بھی فرمایا کہ تمہیں میں سے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول آیا ہے یہاں پر مِنْ أَنفُسِكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، بعض دوسرے مقامات پر مِنكُمْ یعنی تم میں سے اور فِيكُمْ یعنی تم میں کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ اے اولین مخاطبین یعنی قریش مکہ! اللہ کا عالیشان رسول تمہارے ہی خاندان کا فرد ہے، تم اسے پہچانتے ہو، اس کے حسب نسب سے واقف ہو، اس کے اخلاق و اطوار کو جانتے ہو۔ مِنْ أَنفُسِكُمْ میں یہ ساری باتیں آگئی ہیں۔ البتہ تم میں اور رسول میں یہ واضح فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی نازل فرما کر اُس کے مرتبے کو بہت بلند کر دیا ہے اور پھر اُسے معصوم یعنی ہر قسم کی غلطیوں سے پاک رکھا ہے۔ اُسے گارنٹی حاصل ہے کہ اُس سے غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو جائے تو فوراً گرفت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کی اصلاح کر دیتا ہے

بعض مفسرین اَنْفُسِکُمْ کی بجائے اَنْفَسِکُمْ پڑھتے ہیں۔ انفس نفس کی جمع ہے جس کا معنیٰ جان ہے کہ تمہاری ہی جانوں یعنی خاندان قبیلہ وغیرہ میں سے آیا ہے اور اَنْفَسْ نفیس کا معنی دیتا ہے اور اس طرح معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ نے تم میں سے نہایت شریف خاندان سے عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا ہے۔ خاندان قریش دنیا بھر میں اشرف خاندان تسلیم کیا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام کی بعثت اسی خاندان میں ہوئی۔ آپ علیہ السلام کا اپنا ارشاد مبارک بھی ہے کہ اللہ نے خاندانِ قریش کو تمام قبائل اور خاندانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اللہ نے فضیلت عطا کی اور اسی خاندان سے آپ کو اٹھایا اور سب سے برگزیدہ بنایا۔ بہرحال پہلی تفسیر یعنی تمہاری جانوں میں عظیم الشان رسول آیا ہے، زیادہ تسلیم کی جاتی ہے۔

خیر خواہ رسول

فرمایا اس عظیم المرتبت رسول کی خصلت حمیدہ یہ ہے۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اس پر تمہاری تکلیف گراں گزرتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ تم کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ، اسی لیے اس رسول کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تم دائرہ اسلام میں داخل ہو کر ابدی تکلیف سے بچ جاؤ۔ مَا عَنِتُّمْ میں مَا مصدریہ ہے کہ اس کو موصولہ بنائیں تو پھر بھی اس کا معنیٰ ایسی بنتا ہے کہ وہ چیز جس کی وجہ سے تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ، اس رسولِ اعظم پر شاق گزرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے تمہیں تکلیف نہ پہنچے اور تم اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آسانی میں رہو۔ دنیا کی تکالیف سے بچ جاؤ اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دوسروں کے ساتھ بھی آسانی پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا آسانی پیدا کرو اور مشکل پیدا نہ کرو۔

فرمایا اس نبی کی دوسری صفت یہ ہے حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ وہ تمہاری بہتری کے لیے بڑا حریص ہے، تمہاری خیر خواہی کے لیے اس

کے دل میں تڑپ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ میری اور لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے جنگل میں آگ جلائی اور اس پہ پتنگے جمع ہو گئے۔ وہ پروانے آگ میں گر رہے ہیں مذکورہ شخص اُن کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے مگر وہ زبردستی آگ میں گر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا میری اور تمہاری مثال بھی ایسی ہے ــــــ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ میں تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں مگر تم زبردستی جہنم میں گرنا چاہتے ہو۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس وہ عظیم رسول آیا جو تمہارے فائدے کے لیے بہت حریص ہے۔ فرمایا اُس رسول کا تیسرا وصف یہ ہے بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کہ وہ ایمان والوں کے لیے نہایت شفیق اور بڑا مہربان ہے۔ آپ علیہ السلام کی شفقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" (الحجر) آپ اپنا شفقت کا بازو مومنوں کے لیے ہمیشہ پھیلائے رکھیں اور اپنے متبعین کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ" اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم دل ہیں "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ" اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے پراگندہ ہو جاتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعریف بیان فرمائی کہ وہ مومنوں کے لیے نہایت شفیق اور بڑا مہربان ہے، لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اس کا اتباع کریں، وہ انہیں خیرخواہی کی بات ہی بتلائے گا اور اسی میں ان کی بہتری ہوگی، آپ کے حکم سے روگردانی کریں گے تو ناکام ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی کفایت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی حیثیت کو واضح کرنے کے بعد فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم روگردانی کرو گے۔ تمہارے پاس ایسا عظیم المرتبت رسول آیا ہے جو تمہارا بہترین خیرخواہ ہے اور اس نے تمہارے لیے بہترین پروگرام دیا

ہے۔مشرکین سے برأت کا اظہار پہلے ہو چکا ہے، قانون صلح وجنگ بھی بیان ہو گیا۔کفر وشرک کی قباحتوں اور منافقین کی خرابیوں کو بھی واضح کر دیا گیا۔پھر اہل ایمان کی خوبیاں اور اُن کی صفاتِ حسنہ کا ذکر ہوا۔تو فرمایا کہ اِن تمام حقائق کو جان لینے کے بعد بھی اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرلیں فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے، مجھے کسی دوسرے کا خوف ہے نہ پرواہ، کیونکہ جس کی کفایت اللہ کے ذمے ہو اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔چنانچہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ پر کمال اعتماد کا ذکر بھی آگیا۔پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ بھی آگیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اُس خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں علیم کل، مختارِ مطلق، قدرتِ تامہ کا مالک نافع اور ضار صرف وہی ہے۔اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر قسم کی قولی، فعلی اور بدنی عبادات کے لائق صرف وہی ہے۔

توکل علی اللہ

فرمایا جب اللہ تعالیٰ اِن صفات کا حامل ہے تو آپ صاف صاف اعلان فرمادیں عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا ہے۔دوسرے مقام پر فرمایا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق) جو اللہ پر بھروسہ کریگا، اللہ تعالیٰ اس کی کفایت کریگا۔اللہ تعالیٰ پر توکل کمال ایمان کی علامت ہے۔ایمان والوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے "وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" (آل عمران) ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں اور نیکی کے کام میں مشغول رہیں، قلت وکثرت کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی اعتماد کریں۔وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ ہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ظاہر ہے کہ جو ذات عرش جیسی بڑی چیز کا مالک ہے تو باقی چھوٹی چھوٹی چیزیں تو خود ہی اُس کی ملکیت میں آجاتی ہیں یہاں پر عرش عظیم کا ذکر کر کے اللہ نے ہر چیز پر اپنی ملکیت کو واضح کر دیا ہے۔

وسعتِ کائنات

پُرانے ریاضی دان کہتے ہیں کہ سورج ہماری زمین کی نسبت بہت بڑا ہے جدید ماہرین فلکیات کی تحقیق یہ ہے کہ زمین اور سورج میں ایک اور تیرہ لاکھ کی نسبت ہے یعنی سورج زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ مگر جب زمین سے مشاہدہ کرتے ہیں تو سورج تھوڑی سی جگہ میں محدود نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آسمانی دُنیا کا پھیلاؤ کتنا وسیع ہے۔ اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ ساتویں آسمان کی وسعتوں کا اندازہ لگائیں۔

حضور علیہ السلام نے کرسی کی عظمت کے متعلق فرمایا کہ ساتوں آسمان اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے صحرا میں ایک چھوٹا سا چھلا پڑا ہو۔ اس سے آپ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کی نسبت کا حساب لگا لیں۔ پُرانی ریاضی والے کہتے ہیں کہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر جو فلک الافلاک ہے، وہی عرش عظیم ہے۔ گویا سات آسمانوں اور آٹھویں کرسی کے اُوپر عرش ہے جو ان سب کو گھیرے ہوئے ہے اس طرح گویا عرش عظیم کی وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ فلک الافلاک کا اندرونی نصف قطر ساڑھے دس کروڑ میل ہے اور ظاہر ہے کہ پورا قطر اس سے دگنا یعنی اکیس کروڑ میل ہوگا۔ یہ تو اندرونی حصے کی پیمائش کا اندازہ ہے، بیرونی حصے کی تو کوئی انتہا نہیں، بہرحال عرش عظیم کے مالک اللہ نے ہر چھوٹی بڑی چیز کی ملکیت اور اس پر اپنے تصرف کو واضح فرما دیا ہے فرمایا، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ تمام چیزوں کا اقتدار اور اختیار اُسی کے قبضے میں ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآنی پروگرام کی اشاعت کریں۔ پھر اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اُسے کرنے دیں اور کسی کی پرواہ نہ کریں، جہاد کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر میں توحید کا مسئلہ بیان کردیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں باہم مربوط ہیں، جہاد کی تمام مشکلات اللہ کی وحدانیت اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے برداشت کی جاتی ہیں۔

تاکہ کفر شرک سے بچ کر ہمیشہ کے نقصان سے بچ جائیں۔ یہ دونوں سورتیں انفال اور توبہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اللہ نے ان میں قانونِ صلح و جنگ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ غزوات کا فلسفہ بھی بیان کر دیا ہے اور پھر ان احکام پر عملدرآمد کی بھی ترغیب دی ہے۔ اب اگلی سورۃ میں قرآنِ پاک کے بارے میں بات چیت ہوگی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے
شمائل وخصائل پر مستند ترین کتاب

شمائل ترمذی

مع
اردو ترجمہ وشرح

افادات
مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ
بانی مدرسہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب:
الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ
مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ضخامت جلد اوّل : ۵۰۸ صفحات، قیمت -/۱۳۰ روپے
ضخامت جلد دوم : ۷۱۲ " ، قیمت -/۱۶۰ "

ناشر
مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

نمازِ مسنون (خورد)

مع

اذکار و ادعیہ مسنونہ

مُرتب:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدہم

پاکٹ سائز کے ۲۴۴ صفحات پر مشتمل بابرکت رسالہ جو چھوٹے بچوں کی نماز کی تعلیم کے لیے مرتب کیا گیا ہے لیکن بڑے حضرات نے بھی اس سے خوب فائدہ اٹھایا ہے اور اٹھا سکتے ہیں۔
نماز کے بنیادی ارکان، واجبات، سنن و مستحبات کا ذکر اور مستند حوالہ جات کے ساتھ نماز کے ضروری مسائل کے علاوہ اذکار و ادعیہ جن کا یاد کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری اور مناسب ہے۔
ساتھ ہی چالیس احادیث مبارکہ جو عقائد کی اصلاح اور انفرادی اعمال سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی درج کر دی گئی ہیں۔ جمعہ و عیدین کے ضروری خطبات بھی درج کر دیئے ہیں۔
الغرض کہ بچوں کے لیے اور بڑے حضرات کے لیے بھی ایک گراں قدر تحفہ ہے۔
جس کے اٹھارہ ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اب انیسواں ایڈیشن عمدہ کتابت و نفیس طباعت کے ساتھ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے طبع کرائی ہے۔ قیمت ۵/۷ روپے

نمازِ مسنون کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی دامت برکاتہم

نماز مسنون خورد کے بعد نماز مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اسکے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کیلیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، طبع دہم

قیمت: ایک سو پچھتر روپے (-/۱۷۵)

ناشر: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر اہتمام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ ([illegible])

محمد منیر صاحب Ph:221948

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ